فتاویٰ علمائے حدیث

مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی

فتاویٰ
علمائے حدیث
kitabosunnat.com
مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی
مکتبہ سعیدیہ
خانیوال

نام کتاب ________ فتاویٰ علمائے حدیث کتاب البیوع جلد ۱۴

نام مرتب ________ ابوالحسنات علی محمد سعیدی خانیوال

کتابت ________ ہمایوں فیض رسول آزاد چک ۵۴۲/۱۲ ای بی

طباعت ________ حفیظ پرنٹنگ پریس کبیر والہ

اشاعت اول ________ جنوری ۱۹۸۷ء / ۱۴۰۷ھ

قیمت ________ /۴۰ روپے

تعداد ________ ایک ہزار

ناشر ________ مکتبہ سعیدیہ خانیوال

ملنے کا پتہ ________ مکتبہ سعیدیہ خانیوال۔

مآخذ فتاویٰ علماء حدیث جلد ۱۲

۱:۔ فتاویٰ نذیریہ دہلی
۲:۔ فتاویٰ ثنائیہ
۳:۔ فتاویٰ اہلحدیث روپڑی
۴:۔ فتاویٰ ستاریہ کراچی
۵:۔ القول المحمود فی رد جواز السود
۶:۔ اخبار اہلحدیث امرتسر
۷:۔ اخبار اہلحدیث دہلی
۸:۔ اخبار اہلحدیث لاہور
۹:۔ اخبار اہلحدیث سوہدرہ
۱۰:۔ اخبار اہلحدیث گزٹ دہلی
۱۱:۔ اخبار تنظیم اہلحدیث لاہور
۱۲:۔ اخبار الاسلام لاہور
۱۳:۔ اخبار محدث دہلی
۱۴:۔ ہفت روزہ آئین
۱۵:۔ اخبار الاعتصام لاہور

مفتیانِ فتاویٰ علماءِ حدیث جلد ۱۳، ۱۴

۱:۔ حضرت مولانا نواب صدیق حسن خاں بھوپالی رحمۃ اللہ
۲:۔ مناظر بےنظیر حضرت مولانا محمد بشیر سہسوانی 〃
۳:۔ حضرت مولانا عبدالواحد غزنوی لاہوری 〃
۴:۔ حضرت مولانا محمد یعقوب البرق عظیم آبادی 〃
۵:۔ علامہ قاضی اطہر مبارک پوری 〃
۶:۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری 〃
۷:۔ حضرت مولانا ابوسعید محمد شرف الدین محدث دہلوی 〃
۸:۔ مولانا مولوی محمد اصغر صاحب مبارک پوری 〃
۹:۔ شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی 〃
۱۰:۔ فقیر محمد خواجہ ضیاء الدین احمد 〃
۱۱:۔ سید محمد ہاشم 〃
۱۲:۔ محمد قطب الدین 〃
۱۳:۔ محمد مسعود نقشبندی 〃
۱۴:۔ حسبنا اللہ لیس حفیظ اللہ 〃
۱۵:۔ مولانا محمد یوسف 〃
۱۶:۔ صدر الصدور صدر الدین دہلی 〃
۱۷:۔ مولانا ابوالفضل عبدالمنان دہلوی 〃
۱۸:۔ خلیل احمد ناظم انجمن اہلحدیث مرزا پور 〃
۱۹:۔ مولانا سید شریف حسین دہلوی 〃
۲۰:۔ مولانا محمد عبدالحی لکھنوی 〃

۲۱:۔ مولانا عبدالسلام بستوی ریاض العلوم دہلی رحمۃ اللہ
۲۲:۔ خادم شریعت رسول الثقلین تلطف حسین دہلوی 〃
۲۳:۔ مولانا عبیداللہ رحمانی مدظلہ
۲۴:۔ ابومحمد عبدالغفار دہلوی کراچی رحمۃ اللہ
۲۵:۔ مولانا محمد داؤد ارشد عثمان والا ضلع لاہور 〃
۲۶:۔ مولانا محمد عبداللہ 〃
۲۷:۔ مولانا عبدالحق اعظم گڑھی 〃
۲۸:۔ ابوالطیب عبدالصمد مبارکپوری 〃
۲۹:۔ مولانا عبدالقہار کراچی 〃
۳۰:۔ مولانا علی احمد 〃
۳۱:۔ حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ روپڑی 〃
۳۲:۔ ابوذوق قدرۃ اللہ فوق مدرس جامع سلفیہ فیصل آباد
۳۳:۔ مولانا ابوالبرکات احمد جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ
۳۴:۔ ثانی شیخ الکل حضرت مولانا حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ
۳۵:۔ حضرت مولانا سلطان محمود شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد 〃
۳۶:۔ حضرت مولانا خالد صاحب اندرون اتوارہ بھوپال رحمۃ اللہ
۳۷:۔ مولانا عبدالرحمن مدرس مدرسہ حاجی علی جان دہلی 〃
۳۸:۔ مولانا محمد یوسف زیرہ ضلع فیروز پور پنجاب 〃

۳۹ ۔ مولانا محمد حسین بٹالوی ؒ

۴۰ ۔ مولانا محمد جونا گڑھی دہلوی رح

۴۱ ۔ مولانا ابو طاہر بہاری مدرسہ احمدیہ آرہ

۴۲ ۔ مولانا احمد محدث دہلوی رح

۴۳ ۔ مولانا عبدالستار کلانوری نزیل دہلی رح

فہرست مضامین فتاوٰی علمائے حدیث جلد ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

(از افادات یگانہ زماں حضرت نواب صدیق حسن خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل کسب بیع مبرور اور اپنے ہاتھ سے کام کرنا اللہ دوست رکھتا ہے، حرفہ کرنے والے کو سچے تاجر امانت دار کا حشر ہمراہ نبیوں اور صدیقوں کے ہوگا۔ حدیث میں بہت سی چیزوں کی بیع سے منع کیا ہے، بہت صور بیع کو ناجائز فرمایا ہے، ان ممنوع صور تو کا رواج آج کل بہت ہے یہ بھی ایک فتنہ ہے، اسلام میں جب لین دین موافق شرع کے نہ ہو جو رزق اس سے ہاتھ آئے گا، وہ حرام ہوگا، نہ حلال پھر جب حرام سے پرورش بدن کی ہوئی تو پھر یہ بدن لائق دوزخ کے ہوا نہ لائق جنت کے اس فتنے میں پڑھے اور ان پڑھے، سب گرفتار ہیں کسی طرح کی پرواحلت رزق میں نہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی عبادت میں اثر قبولیت نہیں ان کے کاموں میں کوئی برکت نہیں۔ اسلام کا نور چہرے پر نہیں، نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ صدقہ خیرات سب کچھ کرتے ہیں، لیکن مال حرام پر بنیاد ہے، حرام مال کو صدقہ میں دینا اجر کی امید رکھنا قریب کفر ہے۔ اس وقت میں کوئی مال اشتباہ سے خالی نہیں مقلدوں نے لینا سود کا دار الحرب میں جائز کر دیا ہے، قرآن و حدیث میں کسی جگہ سود کو حلال نہیں کہا بلکہ سود خوار کو خدا سے لڑائی کرنا فرمایا ہے، سینکڑوں رقوم خلاف شرع کی آمدنی ہوتی ہے، وہ سب مال بلاشک حرام ہے یہ ایسا فتنہ عام ہے، جس سے بچنا مشکل ہے، دھواں تو اس کا ہر شخص کو ضرور ہی لگ جاتا ہے اب تو عبادات اور معاملات سب کے سب خراب ہیں، نام کی مسلمانی رہ گئی ہے، سارا اسلام آئیں کے دو قدح میں منحصر سمجھا گیا ہے، قیامت جلد ہی نہ آوے تو پھر کیا ہو آخر شرار امت ہی پر قائم ہوگی، حلال طلب کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے، اللہ تعالیٰ سوا حلال کے کسی حرام کو قبول نہیں کرتا، جھوٹ، فریب غیبت چالاکی سے جو رزق حاصل ہوتا ہے وہ آخر کو دوزخ کا کندہ بناتا ہے حدیث میں آیا ہے کوئی آدمی لمبا سفر کرتا ہے، پریشان بال پریشان حال ہوتا ہے، آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر یا رب یا رب کرتا ہے اس کا کھانا حرام پینا، پہننا حرام غذا حرام پھر کس طرح اس کی دعا قبول ہو اس کو مسلم ترمذی نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے، دوسری حدیث میں ہے ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ آدمی

پروا نہ کرے گا۔ کہ حلال مال لیا یا حرام یہ بخاری میں ابوہریرہؓ مرفوعاً آیا ہے حرام خوری سبب ہے دخول نار کا اس حدیث کو ترمذی نے ابوہریرہ سے روایت کرکے صحیح کہا ہے۔ رزق حلال کی تاکید میں۔ رزق حرام سے بچنے میں بہت احادیث آئی ہیں مگر کون سنتا سمجھتا ہے اب تو جو کچھ ہے مال ہی مال ہے، ایمان رہے یا جائے مالداروں کی قدر ہے ان پر حسد ہے ایک شعبہ بیع کا کمی کرتا ہے ناپ تول میں غلہ وغیرہ کے اس کا بھی خوب رواج ہے دوسرا شعبہ غش، کھوٹ، ہے یہ ہر چیز میں چلتا ہے، مصنوعی ادویہ مصنوعی روغن وزعفران وغیرہ اشیا، کا لین دین بدستور جاری ہے حالانکہ حدیث میں آیا ہے:۔

لَیْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّنَا ۔ دھوکے باز ہماری امت سے خارج ہیں ۔

جعلی روپے اشرفی نوٹ بھی بننے لگے، موتی جواہر ڈھلنے لگے۔ نقود سے تا عروض کوئی ایسی چیز معلوم نہیں ہوتی جس میں پھل کا دخل نہ ہو کوئی معاملہ بیع کا نظر نہیں آتا جس میں کوئی منکر شرعی موجود نہ ہو کوئی عبادت ایسی نہیں جس میں فساد مذہبی قائم نہ ہو۔ دعوئ اسلام کا تو ہم سب کو خوب دھوم دھام سے ہے لیکن سوا چھلکے کے مغز کا کہیں اتا پتا نہیں مفاسد بیوع ومنکرات اس قدر ہیں کہ ایک کتاب علیحدہ چاہیئے واسطے بیان جزئیات مذکورہ کے جس کو علم قرآن وحدیث ہے، وہ جلد درمیان حلال و حرام کے تمیز کر سکتا ہے۔ ماخوذ ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو باقی رہا ہے سود سے اگر ہو تم ایمان والے

فی

۱۳۲۷ھ

از افادات فاضل بے بدل عالم با عمل مناظر بے نظیر مولانا الحاج مولوی محمد بشیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا

صاحب[1] الحقوق والفرائض نے دو دلیلیں جواز سود کی لکھی ہیں۔

اول یہ کہ سود در اصل تو حرام وناجائز ہے مگر ہم لوگ انگریزی عملداری کے رہنے والے حکم ممانعت سود کے مخاطب ہی نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم اپنی خاص حالت کی وجہ سے مضطر ہیں۔ اور مضطر کو جس طرح میتہ وخنزیر جائز ہے اسی طرح ہمارے لیئے سود کا معاملہ بھی جائز ہے بہت سے احکام شرعی کی ہم انگریزی عملداری میں تعمیل کر نہیں سکتے۔ جیساکہ رجم زانی۔ قطع ید سارق۔ مسلمان کے مقابلہ میں نامسلم کی شہادت میعاد سماعت حدود۔ اسی طرح ہم حکم ممانعت سود کی تعمیل نہیں کر سکتے۔

الجواب من وجوہ اول یہ ہے کہ ہمارا معاملہ سود میں حد اضطرار کو پہنچنا غیر مسلم ہے کیونکہ دولت کمانے کے پہلے سے زیادہ بہتیرے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ مانند نوکری، تجارت، زراعت وغیرہ۔ ایک سود کا لین دین نشد نشد۔ غرض سود کا معاملہ نہ کرنے سے کوئی وجہ خوف ہلاکت کی پائی نہیں جاتی ہے۔

دوم بفرض محال اگر اضطرار تسلیم کیا جائے تو سود کے دینے میں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سود کے لینے میں کوئی وجہ اضطرار کی متحقق نہیں ہے اس لئے دعویٰ عام ہے اور دلیل خاص ہوئی فما تم التقریب۔

سوم اضطرار کی حالت میں ان ہی اشیاء کا استعمال جائز ہے۔ جن کا ثبوت دلیل شرعی سے ہے۔ اور سود کا جواز حالت اضطرار میں کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ وَمَنْ يَدَّعِي فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ۔

چہارم قیاس سود کا رجم زانی وقطع ید سارق ونامسلم کی شہادت بمقابلہ مسلمان ومیعاد سماعت وحدود پر ایک قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ یہ سب امور حکومت سے متعلق ہیں۔ اور حکومت اہل اسلام کی ہندوستان میں نہیں ہے۔ اس لئے ہم اس پر قدرت نہیں رکھتے ہیں۔ بخلاف معاملہ سود کے کہ اس کو حکومت سے کوئی علاقہ نہیں ہے، ہم کو اختیار ہے کہ چاہے سود کا معاملہ کریں یا نہ کریں حکام کی جانب سے اس میں کچھ تعرض نہیں ہے۔

پنجم اس دلیل سے تو تصویر سازی اور تصویر کی بیع وشرا۔ اور شراب سازی اور اس کی بیع وشرا و معازف و مزامیر سازی اور اس کی بیع وشراء اور قمار بازی اور دیگر بیوع اور اجارات فاسدہ اور نیلام فاسد اور پیشہ

---

[1] مؤلفہ شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب ثم الدہلوی۔

مغنیہ اور بیع و شراء خنزیر یہ سب جائز ہوئے جاتے ہیں۔ فَمَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا۔

دلیل دوم[1] یہ ہے کہ قرآن میں ایک جگہ تو اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً یعنی سود در سود کی مناہی ہے، اور دوسری جگہ مطلق سود کی اور تفسیر امام رازی سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے لوگوں میں صرف سود در سود کا رواج تھا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں جہاں سود کی مناہی ہے۔ وہاں یہی سود در سود مراد ہے، اور چونکہ مطلق سود الربوا معرف فرمایا ہے نحو کے قاعدے سے وہی ربوا سمجھا جائیگا معہود فی الذھن جو عرب میں مروج تھا۔

الجواب من وجوہ۔ اول یہ کہ یہ قول کہ عرب کے لوگوں میں صرف سود در سود کا رواج تھا، غلط ہے بلکہ عرب میں سوائے سود در سود کے سود مروجہ حال بھی مروج تھا۔ قال اللہ تعالےٰ۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا امام رازی تفسیر میں لکھتے ہیں،۔ المسئلة الاولی القوم کانوا فی تحلیل الربوا علی ھذا الشبھة وھی ان من اشتری ثوبا بعشرة ثم باعه باحد عشر فھذا حلال فکذا اذا باع العشرة باحد عشر یجب ان یکون حلالا لانه لا فرق فی العقل بین الامرین فھذا فی الربوا النقد واما فی ربو النسیة فکذلك ایضا لانه لو باع الثوب الذی یساوی عشرة فی الحال باحد عشر جاز فکذا اذا اعطی العشرة باحد عشر الی شھر وجب ان یجوز لانه لا فرق فی العقل بین الصورتین انتھی۔ قال ابو السعود ای ذلك العقاب بسبب انھم نظموا الربوا والبیع فی سلك واحد لافضائھما الی الربح فاستحلوه استحلاله وقالوا یجوز بیع درھم بدرھمین کما یجوز بیع ما قیمته درھم بدرھمین۔ انتھی۔ قال فی النیسابوری ثم انھم کانوا یقولون فی تحلیل الربوا علی ھذہ الشبھة وھی ان من اشتری ثوبا بعشرة ثم باحد عشر نقدا او نسیة فھذا حلال۔ وکذا اذا اعطی العشرة باحد عشر لا فرق بین الصورتین اذ حصل التراضی بین الجانبین انتھی۔ وایضا فی النیسابوری ولیس المراد النھی عن الربوا فی حال کونه اضعافا لما علم انه منھی عنه مطلقا وانما ھو نھی عنه مع توبیخ بما کانوا علیه فی الغالب والمعتاد من تضعیفه کان الرجل منھم اذا بلغ الدین محله زاد فی الاجل وفیه

[1] جواز سود کی دوسری دلیل صاحب الحقوق والفرائض نے یہ لکھی ہے ۱۲ منہ۔

ایضاً ثم الربو اقسمان ربا النسیة وربا الفضل اما الاول فهو الذی کانوا یتعارفونہ فی الجاهلیة کانوا یدفعون المال مدة علی ان یاخذوا کل شهر قدرا معینا ثم اذا حل الدین طالب المدیون برأس المال فان تعذر علیه الاداء زادوا فی الحق والاجل. فهذا هو الربوا الذی کانوا یتعاملون بعض الجاهلیة واما ربوا الفضل الخالی عن العوض عند مقابلة الجنس بالجنس مثل ان یباع تضیزاً من الحنطة بقفیزین منها وقد اتفق جمهور العلماء علی تحریم الربوا فی القسمین اما القسم الاول فبالقرآن واما ربا الفضل فبالخبر ۱۲ شیخ زادہ علی البیضاوی۔

یہاں تک تو صاحب الحقوق والفرائض کی اوّل و دوم دلیل کا الگ الگ جواب دیا گیا۔ اب اِن دونوں دلیلوں کے ملانے سے یہ جواب پیدا ہوتا ہے کہ یہ دونوں دلیلیں باہم متناقض۔ اور اذا تعارضا تساقطا کے موافق دونوں دلیلیں پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ اور دونوں دلیلوں کے متناقض ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ پہلی دلیل میں تو صاحب الحقوق والفرائض نے سود در سود کے سوا اصل سود کی حرمت کے حکم کا بھی قرآن شریف میں موجود ہونا تسلیم کیا ہے۔ اور دوسری دلیل میں اِس امر مسلمہ کا انکار کر کے یہ لکھا ہے، کہ قرآن میں جہاں سود کی مناہی ہے۔ وہاں بھی سود در سود مراد ہے۔ صاحب الحقوق والفرائض نے یہ دوسری دلیل کا مطلب امام رازی کے قول سے نکالا ہے۔ حالانکہ خود صاحب الحقوق والفرائض نے صـ۴۲۷ میں امام رازی کا جو قول لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب لوگ شروع قرضہ کے وقت معین شرح سود پر ایک مدت کے لئے روپیہ قرض دے کر سود کی رقم ماہانہ وصول کر لیا کرتے تھے۔ اور اصل رقم جوں کی توں برقرار رہتی تھی۔ بعد ختم مدت کے بعد مدیون سے رقم اصل کا تقاضہ کرتے تھے۔ اس تقاضہ پر اگر مدیون شخص اصل رقم نہیں ادا کرتا تھا تو سود در سود کی صورت اختیار کرتے تھے، اس حالت میں امام رازی کے حوالہ سے صاحب الحقوق والفرائض نے صـ۴۲۳ میں یہ جو لکھا ہے کہ عرب کے لوگوں میں سود در سود کا رواج تھا یہ قول صاحب الحقوق والفرائض کا امام رازی کے عبارت کے بالکل مخالف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف الحقوق والفرائض کو صـ۴۲۳ کا قول لکھتے وقت صـ۴۲۷ کی عبارت یاد نہیں رہی۔ خیر کچھ بھی ہو۔ اصل مطلب یہ ہے کہ اس غلط بنا پر مؤلف نے صـ۴۲۳ میں دور تک جو کچھ لکھا ہے، اس کے رد کے لئے اسی کتاب کا صـ۴۲۷ کافی ہے اس رد کے بعد دو آیتوں کے نازل ہونے کی یہ ضرورت بھی مؤلف الحقوق کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ دونوں

طرح کے رواجوں کی مناہی میں دو آیتیں نازل ہوئی ہیں، تعجب یہ ہے کہ مؤلف الحقوق نے صفحہ ۲۱۹ میں اس ضرورت کو خود بھی تسلیم کر کے لکھا ہے۔ اگرچہ سود مطلق حرام ہے مگر وہ لوگ سود در سود لیتے تھے، اور اب بھی لیتے ہیں۔ اور یہ بہت ہی بڑا گناہ ہے اس لیئے اس کو الگ منع فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ صفحہ ۲۲۳ کے لکھتے وقت صفحہ ۲۱۹ اور صفحہ ۲۲۰ دونوں صفحوں کا مطلب مؤلف مذکور کو یاد نہیں رہا جو کچھ یہاں تک لکھا گیا اگرچہ مناظرہ کے قاعدہ کے موافق اس سے زیادہ کچھ اور لکھنے کی ہم کو ضرورت نہ تھی کیونکہ مناظرہ کی سب کتابوں میں لکھا ہے کہ جب مدعی کوئی دعویٰ کرے اور اپنے اُس دعویٰ پر کوئی دلیل قائم کرے، اور اُس کا مقابل اُس دلیل پر کچھ جرح کر دیوے تو پھر جب تک مدعی معقول طور پر اُس جرح کو نہ اٹھا دے تو اُس وقت تک بحث ختم شمار کی جاتی ہے اور مدعی کا دعویٰ بلا دلیل کالعدم ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مزید توضیح کے طور پر صاحب الحقوق والفرائض اور مولوی سید عبدالصمد صاحب بلند شہری کے کچھ اقوال علیحدہ علیحدہ بھی نقل کیے جاویں اور ان کا جواب دیا جائے، یہ مولوی صاحب بلند شہری بھی صاحب الحقوق والفرائض کے ہم مشرب ہیں اور انہوں نے بھی جواز سود میں ایک رسالہ لکھا ہے، دلیلیں دونوں صاحبوں کی ایک ہیں فقط اتنا ہی فرق ہے۔ کہ صاحب الحقوق والفرائض نے بوجہ اضطرار کے آیت حرم الربوٰا کو غیر معمول بہا خیال کیا ہے اور صاحب رسالہ نے بوجہ اجمال کے صاحب الحقوق اور رسالہ بلند شہری نے الربوٰا کے الف لام کو عہد ذہنی ٹھہرا کر یہ بات قرار دی ہے کہ قرآن شریف میں جہاں کہیں الربوٰا کا لفظ ہے وہاں یہی سود در سود مراد ہے اور اُسی کی قرآن شریف میں ممانعت ہے، جواب اس کا یہ ہے کہ تفسیر کبیر تفسیر نیشاپوری اور شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی کے حوالہ سے جب یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ شروع قرضہ کے وقت معین شرح سود پر ایک مدت کے لیئے روپیہ قرض دے کر سود کی رقم ماہانہ وصول کر لیا کرتے تھے اور ختم مدت کے بعد اُس اصل کا تقاضہ کرتے تھے اِس تقاضہ پر اگر مدیون شخص اصل روپیہ ادا نہیں کرتا تھا تو پھر سود در سود کی صورت اختیار کرتے تھے اور سود در سود کے علاوہ جو معاملات کرتے تھے ان میں نقد سود کو بمنزلہ بیع کے جانتے تھے تو اِس حالت میں اگر الربوٰا کا الف لام عہد ذہنی بھی لیا جاوے گا تو اس میں عرب کا رواجی سود لیا جاوے گا جس میں دونوں طرح کا سود ہے۔ کیونکہ الربوٰا سے لفظ سود در سود کا رواج لیا جاوے گا۔ تو قرآن شریف کی سورۂ بقر اور آل عمران دونوں آیتوں کا مطلب خبط ہو جاوے گا، کس لیئے کہ سورۂ بقر کی آیت

وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا سے سود در سود کے چھوڑنے کا مطلب اگر لیا جاوے. تو فلکم رؤس اموالکم کا فیصلہ صحیح نہیں ٹھہرتا. کس واسطے کہ اس فیصلہ سے مابقی میں کہیں اگر اکہرا سود مدیون کے ذمہ رہ گیا ہوگا تو وہ بھی ڈوب جاتا ہے، حالانکہ صاحب الحقوق اور صاحب رسالہ بلند شہری کے نزدیک وہ ایک حلال چیز تھی. جو فلکم رؤس اموالکم کے فیصلہ سے ڈوب گئی. پھر خدائی فیصلہ اور ایسا نامنصفانہ، صاحب الحقوق اور بلند شہری کا یہ اعتقاد ہوگا ہمارا تو یہ اعتقاد نہیں ہے. اسی طرح آیت سورۂ آل عمران میں الربوا کے الف لام سے سود در سود لیا جاوے تو اضعافا مضاعفہ کا لفظ غیر ضروری ٹھہرتا ہے جو کلام الہی کی شان کے بالکل مخالف ہے. قال صاحب رسالہ بلند شہری ص۶ اگر یہ کہا جاوے کہ ربوا النسیہ کو آیت قرآنی باطل کرتی ہے، اور ربوا النقد کو حدیث شریف باطل کرتی ہے تو اس سے لازم ہوگا تخصیص کرنا قرآن کا ساتھ خبر واحد کے. اور یہ غیر جائز ہے ثم قال فی صفحہ ۸ اور نزدیک امام اعظم صاحب وامام احمد صاحب کے علت چاندی وسونے میں وزن ہے. اور امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک قیمت. معلوم ہوتا ہے کہ صاحب رسالہ کو ص۸ کا قول لکھتے وقت ص۶ کا قول یاد نہیں رہا. کیونکہ ص۶ کے قول کا تو یہ حاصل ہے کہ حرم الربوا مجمل ہے اور جن حدیثوں میں اس مجمل کی تفسیر ہے وہ خبر واحد ہیں، اس لیئے اصول کے موافق خبر واحد سے مجمل آیت کی تخصیص جائز نہیں ہے. ص۸ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ جن حدیثوں میں مجمل آیت حرم الربوا کی تفسیر ہے. وہ حدیثیں خبر واحد نہیں ہیں، بلکہ اخبار مشہورہ ہیں، اسی واسطے امام اعظم صاحب نے اپنے مذہب کے موافق ان حدیثوں کو جو مجمل آیۃ کی تفسیر بیانی ٹھہرا کر ربوا نقد کی علت میں بحث کی ہے جس بحث کو صاحب ہدایہ نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے، فلعلۃ عندنا الکیل مع الجنس او الوزن مع الجنس حاصل یہ ہے کہ ان دونوں قولوں میں ایک قول دوسرے قول کا اچھا خاصا رد ہے. ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب رسالہ بلند شہری نے یہ رسالہ حسب لکھا ہے تو کتب فقہ اور اصول فقہ کو دیکھ کر نہیں لکھا. کیونکہ ربا نقد کی بحث میں صاحب ہدایہ نے لکھا ہے، والاصل فیہ الحدیث المشہور صاحب فتح القدیر نے اس قول کی شرح میں صحیح مسلم کی وہی عبادہ بن صامت کی حدیث نقل کی ہے کہ جو صاحب رسالہ نے اپنے رسالہ کے صفحہ میں درج کی ہے حدیث مشہور کی بحث میں صاحب حسامی نے لکھا ہے، فصحت الزیادۃ بہ علی کتاب اللہ تعالیٰ اگر صاحب رسالہ بلند شہری کی نظر ہدایہ اور اس کی شرح فتح القدیر پر پڑ جاتی. تو صاحب

آیۃ حرم الربوا کو مجمل غیر مفسر اور حدیث رافع اجمال کو خبر واحد ٹھہرا کر صاحب ہدایہ کے کلام کا رد نہ کرتا۔ اسی طرح مشار الیہ کی نظر حامی پر پڑتی تو جن احادیث مشہورہ کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حرم الربوا کی تفسیر ٹھہرا کر آیۃ کے اجمال کو رفع کیا ہے صاحب رسالہ اس کو ایسا نامعتبر قول نہ سمجھتا، اور صفحہ اور صفحہ ۱۹ میں جو کچھ مومی الیہ نے لکھا ہے اس کے لکھنے میں وہ ضرور کسی قدر تامل کرتا۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم قال صاحب الحقوق فی صفحہ ۴۱ وہ یعنی پیغمبر صاحب اسلام کی غرض وغایت کو سب سے بہتر سمجھتے تھے۔ مگر صاحب الحقوق کا عمل اپنے اس قول کے موافق نہیں ہے کیونکہ حرم الربوا کا مطلب جب پیغمبر صلعم نے نقد سود کا سمجھا اور صحیح حدیثوں میں نقد سود کے اشیاء حرام شدہ کی تفسیر فرما کر آیۃ کے اجمال کو رفع کر دیا۔ تو اس کے بعد وہی شخص اس باب میں عقلی بحث کرے گا جس کا خیال یہ ہوگا کہ وہ اسلام کی غرض وغایت کو پیغمبر صلعم سے بہتر سمجھتا ہے قواعد اصول فقہ کے بیان کے موافق مجمل آیۃ کا حکم توقف کا ہے صفحہ ۶ میں احادیث بیانی کا انکار کر کے مؤلف رسالہ نے جواز سود کا فتوا جو دے دیا مشار الیہ کا یہ فعل بھی حد توقف کے باہر اور قواعد اصول کے برخلاف ہے۔ معتبر سند سے مسند بزار میں ابو درداء سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا اللہ تعالیٰ کے حکم پر موقوف ہے کسی دوسرے کا اس میں کچھ دخل نہیں ہے۔ مؤلف الحقوق مؤلف بلند شہری اور ان کے ہم مشرب اور جن لوگوں نے عقلی دلائل سے سود کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ ان سب کے جواب کے لیئے یہ ایک صحیح حدیث کافی ہے۔ کیونکہ اس صحیح حدیث کے موافق ان لوگوں کے حق میں یہ کہہ دینا کفایت کرتا ہے، کہ ان لوگوں نے خاص الخاص اختیارات الٰہی میں دخل دے کر یہ کام کیا ہے جس کا مواخذہ ان کے ذمہ ہے۔ علاوہ اس کے ان کی غلط تحریرات سے جو لوگ بہک جاویں گے، اُن کے بہکانے کا وبال بھی ان کے نامہ اعمال میں لکھا جاوے گا۔ قال صاحب الحقوق والفرائض سب سے آسان تدبیر جو سوجھ پڑتی ہے۔ وہ یہی ہے۔ کہ ہم اپنی خاص حالت کیوجہ سے اپنے تئیں حکم ممانعت سود کا مامور بہ اور مخاطب نہ قرار دیں۔ یہ اس سے بدرجہا بہتر ہوگا۔ کہ مامور بہ اور مخاطب بن کر بیباکی اور شوخ چشمی کے ساتھ خلاف حکم کریں۔

اقول۔ جو شخص اپنے آپ کو حکم ممانعت سود کا مخاطب نہ قرار دے گا وہ حرام چیز کے حلال ہونیکا

معتقد ہوگا۔ جو اعتقاد حد کفر تک پہنچتا ہے، اور جو شخص حکم ممانعت سود کا معتقد اور مخاطب بن کر بے باکی سے خلاف حکم کرے گا، وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا۔ اب اگر بہ نسبت کبیرہ گناہ کے کفر کا اختیار کرنا مؤلف المحقوق کے نزدیک بہتر ہے تو وہ اور بات ہے۔ ورنہ قواعد اسلام کے موافق تدبیر مذکورہ بدترین تدبیروں میں کی ایک تدبیر ہے۔ قال صاحب رسالہ بلند شہری لا ربوا بین المسلم و الحربی فی دار الحرب۔

اقول۔ یہ مرسل کے طور پر مکحول کی ایک روایت ہے جس کو بیہقی نے کتاب المعرفۃ کی کتاب السیر میں امام شافعیؒ سے روایت کر کے لکھا ہے قال الشافعی وھذا لیس بثابت ولا حجۃ فیہ کذا فی تخریج الھدایۃ للزیلعی۔ اور عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں ھذا حدیث غریب لیس لہ اصل مسند و قال حافظ بن حجر فی تخریج الھدایۃ حدیث مجھول لم یرو فی صحیح ولا مسند ولا کتاب موثوق بہ۔ ص۶ میں تو صاحب رسالہ بلند شہری نے عبادہ کی مشہور حدیث کو خبر واحد ٹھہرا کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ خبر واحد سے قرآن کی تخصیص جائز نہیں ہے۔ اب ص۲۵ میں خبر مجہول سے قرآن کی تخصیص کیونکر جائز ہوگی۔ غرض اس حدیث کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے اول تو یہ مسئلہ لا ربوا بین المسلم و الحربی فی دار الحرب کا صحیح نہیں ہے دوسرے اگر بفرض محال اس مرسل حدیث کو صحیح مان بھی لیا جاوے۔ تو اصول فقہ کے برخلاف اسی خبر واحد سے آیۃ حرم الربوا پر دار الحرب کی زیادت کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔ اسیواسطے فتح القدیر میں لکھا ہے وھذا لا یفید بمعارضۃ اطلاق النصوص الا بعد ثبوت حجیۃ حدیث مکحول وقد یقال لو سلم حجیۃ فالزیادۃ بخبر الواحد لا تجوز فاثبات قید زائد علی المطلق من نحو لا تاکلوا الربوا ونحوہ وھو الزیادۃ لا تجوز۔ فتح القدیر کی اس عبارت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جب قرآن شریف کی آیۃ حرم الربوا اور آیۃ لا تاکلوا الربوا میں بغیر قید دار الحرب کے مطلق طور پر سود کے حرام ہونے کا حکم نازل ہو چکا ہے تو قرآن کے اس مطلق حکم سے کوئی معارضہ اس وقت تک کیونکر ہو سکتا ہے جب تک مکحول کی اس مرسل روایت کو صحیح اور قابل حجت نہ ثابت کیا جاوے بلکہ اس مرسل روایت کو صحیح مان بھی لیا جاوے تو اس طرح کی خبر واحد سے قرآن شریف کے مطلق حکم پر دار الحرب کی قید کا بڑھانا اصول مذہب کے برخلاف کیوں کر جائز ہو سکتا ہے، علاوہ اس کے یہ دار الحرب کا مسئلہ ثابت بھی ہوا۔ تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا یہ قول ثابت ہوگا کہ دار الحرب میں جب

متذکرۂ بالا سود لینا چاہیئے۔ لیکن ہندوستان میں جمعہ وعیدین کی نماز جبکہ سب کی آنکھوں کے سامنے ادا کی جاتی ہے۔ تو پھر حنفی مذہب کے موافق ہندوستان نہ دارالحرب ہے نہ ہندوستان میں حسب متذکرۂ بالا سود کا لینا جائز ہوسکتا ہے، چنانچہ درمختار میں ہے تصیر دار الحرب دار الاسلام باجراء احکام اھل الاسلام کجمعة وعید وکذا قال شیخ الاسلام ابوبکر فی شرح السیر والطحطاوی فی حاشیة الدر وابن الھمام فی فتح القدیر حاصل کلام یہ ہے کہ اول تو مکحول کی یہ مرسل روایت صحیح نہیں ہے۔ اور اگر صحیح ہوتی تو اس میں قرآن شریف کی آیتوں کی تخصیص کی صلاحیت نہیں، پھر اگر صحت حدیث اور صلاحیت تخصیص کو مان بھی لیا جاوے تو درمختار وغیرہ کی عبارت کے موافق یہ مسئلہ ہندوستان میں جاری نہیں ہوسکتا۔ اس واسطے ہند کے مجوزین سود کو تین باتوں کے ثبوت کا بار اپنے ذمہ لینا چاہیئے۔

مکحول[۱] کی روایت کو صحیح ثابت کیا جاوے۔ بعد[۲] صحت روایت مذکورہ کے اس میں قرآن کے تخصیص کی صلاحیت پیدا کی جاوے۔ ان[۳] دونوں باتوں کے طے ہوجانے کے بعد ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں درمختار وغیرہ کی عبارت متذکرہ کو کیونکر نامعتبر قرار دیا جاسکتا ہے اس کی مفصل وجہ بیان کی جاوے، واذلیس فلیس۔ قال[۷] صاحب رسالہ بلند شہری رواج زمانہ جاہلیت میں یہ تھا کہ وقت قرضہ کے سود مقرر نہیں ہوتا تھا، بلکہ مدت جب گزر جاتی تھی اس وقت سود کا تقرر ہوتا تھا۔

اقول اوپر ثابت کیا جاچکا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قرضہ دینے کے وقت سود مقرر ہوکر ماہانہ لیا جاتا تھا، اور مدت گزرجانے پر راس المال اگر نہ ملے تو سود در سود کا تقرر ہوتا تھا، اس لئے صاحب رسالہ کا یہ قول غلط ہے کہ وقت قرضہ کے سود مقرر نہیں ہوتا تھا، قال صاحب رسالہ بلند شہری مسئلہ سود میں آئمہ ایک دوسرے کے مخالف اور نیز حدیثیں بھی ایک دوسرے کی معارض ہیں۔

اقول یہ قول بالکل غلط ہے کیونکہ سود کے حرام ہونے میں آئمہ ایک دوسرے کے ہرگز مخالف نہیں ہیں، چنانچہ میزان شعرانی میں ہے۔ اجمعوا علی ان الاعیان المنصوص علی تحریم الربوا فیھا الذھب والفضة والبر والشعیر والتمر والملح۔ ہاں ان چیزوں میں سود کے حرام ہونے کا سبب آئمہ نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق بیان کیا ہے، سود کے حلال ہونے کا کوئی سبب کسی نے بیان نہیں کیا۔ غرض حرمت میں اتفاق اور سبب حرمت میں اختلاف یہ اور بات ہے، اور نفس حرمت میں

اختلاف اور ربات ہے ان دونوں کو ایک سمجھنا کسی صاحب فہم کا کام نہیں ہے، ہم مرتبہ دو صحیح حدیثیں بھی اس باب میں معارض نہیں ہیں۔ اگر ہیں تو صاحب رسالہ کا ذمہ ہے کہ وہ پیش کرے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس کا جو یہ قول ہے وہ اِن چیزوں کے دست بدست معاملہ میں ربوا کو جائز کہتے تھے۔ مازنی نے کتاب الاعتبار میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سنیں۔ تو اپنے اس قول کو انہوں نے چھوڑ دیا، اور اس سے توبہ کی، اسی طرح عبداللہ بن عمرو نے اپنے قول سے رجوع کیا ہے جس کا ذکر صحیح مسلم میں ہے ابن ماجہ وغیرہ میں معاویہ اور عبادہ بن الصامت کا جو قصہ ہے اس میں معاویہ کی جانب سے کوئی حدیث پیش نہیں ہوئی۔ صحیح مسلم میں اسامہؓ کی جو حدیث ہے کہ سود قرض کی صورت میں ہے نقد کی صورت میں نہیں ہے اس کا فیصلہ امام بخاری نے صحیح بخاری میں کر دیا ہے کہ یہ حدیث بیع صرف کی صورت میں ہے چاندی کے عوض میں سونا لیا جاوے یا سونے کی عوض میں چاندی لی جاوے۔ تو اس کو بیع صرف کہتے ہیں۔ یہ دست بدست ہو تو اس میں باہمی بیشی جائز ہے، لیکن یہ بیع قرض کے طور پر جائز نہیں ہے۔ قال بلند شہری۔ وصف جودت کا اعتبار بیع میں ضروری ہے اس واسطے کہ جو حدیث شریف عدم اعتبار پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں ہنوز کلام ہے کہ آیا صحیح ہے یا نہیں، جیسا کہ صاحب ہدایہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔

اقول۔ جس حدیث کا مطلب صاحب ہدایہ نے بیان کر کے یہ ایک شرطیہ بات کہی ہے کہ فان صح ھذا الحدیث فھو حجۃ۔ یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم میں ابی سعید خدریؓ کی روایت سے اور فقط صحیح بخاری میں ابوہریرہ کی روایت سے ہے ایسی صحیح حدیث کی نسبت بلند شہری نے یہ جو کہا ہے کہ جو حدیث عدم اعتبار جودت پر دلالت کرتی ہے اس میں ہنوز کلام ہے کہ آیا صحیح ہے یا نہیں بمشار الیہ کا یہ قول بالکل غلط ہے اور اپنے اس غلط قول کی بنا پر مشار الیہ نے مدت قرضہ کو سود کا معاوضہ جو ٹھہرایا ہے، وہ غلط در غلط ہے۔ کیونکہ اس حدیث کی تحت میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔ واجمعوا علی ان التبر بالعین لا تجوز بیع بعضہ ببعض الا مثلا بمثل وسواء فیہ الطیب والدون وانہ کلہ علی اختلاف انواعہ جنس واحد حاصل یہ ہے کہ اس غلط بنا پر صفحہ ۱۰ میں مشار الیہ نے جو کچھ خامہ فرسائی کی ہے وہ بنا ر غلط علی الغلط ہے۔ قال بلند شہری لہٰذا میری رائے ناقص میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آیت قرآنی احل اللہ البیع وحرم الربوا کو بھی مانند ان آیتوں کے حمل کیا جاوے کہ جن کے متعلق

مفسرین تحریر فرماتے ہیں اللہ اعلم بمرادہ۔ یعنی مانند آیات مقطعات و متشابہات کے کہ جس کے معنی ہماری سمجھ کے باہر ہیں۔

اقول۔ تفسیر کے باب میں حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کا بڑا اعتبار ہے۔ کیونکہ صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر حضرت عبداللہ بن عباس کے حق میں یہ دعا کی ہے کہ خدا تعالیٰ اُن کو قرآن شریف کا مطلب سکھادے اور اُن سے علم تفسیر کو دنیا میں پھیلا دے، اب حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے تفسیر کی باتوں کو بہت سے طریقوں سے روایت کیا جاتا ہے، مگر ان طریقوں میں علی بن طلحہ ہاشمی کا وہ اعلیٰ درجہ کا طریقہ ہے جس کو امام بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں معتمد علیہ قرار دیا ہے۔ اور امام احمد بن حنبل نے اس طریقہ کی نسبت یہ فرمایا ہے کہ مدینہ سے مصر تک اس طریقہ کی ایک روایت کے حاصل کرنے کے لیئے اگر کوئی شخص سفر کرکے اس کو حاصل کرے، تو اس شخص نے اُس روایت کو گویا مفت پایا۔ تفسیر ابن ابی حاتم میں انہی علی بن طلحہ کے طریقہ سے حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ قرآن شریف میں جو آیتیں عمل کے لئے نازل ہوئی ہیں جیسے نماز روزہ، بیع و سود کی آیتیں وہ سب محکم ہیں، اور جن آیتوں سے عمل متعلق نہیں ہے بلکہ اُن آیتوں پر فقط بندوں کا ایمان لانا مقصود الٰہی ہے جیسے صفات الٰہی کی یا قیامت کے حال کی آیات یا حروف مقطعات یہ سب متشابہ ہیں۔ اب یہ بات ہر شخص کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ صاحب رسالہ بلند شہری نے حرام و حلال کے عمل کی آیت مذکورہ کو آیات متشابہات کی مانند جو قرار دے دیا یہ مشار الیہ کی فن تفسیر سے ناواقفی کا سبب ہے علاوہ اس کے جب کسی مفسر نے اس آیت کو متشابہ نہیں لکھا اور ہر مذہب کے آئمہ اور علما نے آیت کو مجمل اور احادیث صحیحہ کو رافع اجمال ٹھہرا کر حکم متذکرہ آیت کی فروعات فقیہہ پر ہر طرح بحث کی ہے تو تن تنہا بیچارہ صاحب رسالہ کو یہ اختیار کون سے حکم شرعی سے مل گیا کہ وہ تمام شرعی دنیا کی مخالفت پر کمر باندھے۔

قال صاحب الحقوق والفرائض۔ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی جو سایہ کی طرح پیغمبر صلعم کے ساتھ رہتے تھے فرماتے ہیں کہ حرمت ربوا پیغمبر صلعم کی حیات کے ایسے آخری زمانے میں نازل ہوئی کہ ہم میں سے کسی کو ربوا کے بارے میں پیغمبر صلعم سے پوچھنے اور دریافت کرنے کی نوبت نہیں آئی یہ بات حضرت عمرؓ نے ضرور کسی ایسے موقع پر فرمائی ہوگی کہ کسی نے ربوا کے بارے میں کچھ اشتباہ ظاہر کیا ہوگا۔ اُس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے ایسا فرمایا۔ اِس سے یہ بات نکلی کہ صحابہؓ کو بھی ربوا کے بارہ میں اشتباہات تھے اور

عجب نہیں کہ وہ اشتباہات اسی طرح کے ہوں۔ جن کی تھوڑی تصریح ہم اوپر کر چکے ہیں۔

اقول۔ صاحب الحقوق والفرائض نے جن اشتباہات کی تصریح اُوپر بیان کی ہے وہ اِس مطلب کی تائید میں ہے کہ نقد سود حرام نہیں ہے، اگر حرام ہے تو فقط سود در سود ہے۔ صاحب الحقوق اس طرح کا اشتباہ اگر ایک صحابی سے نقل کرنا چاہے تو کسی طرح ممکن نہیں۔ کیونکہ نقد سود کے حرام ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے چنانچہ میزان شعرانی میں ہے۔ اجمعوا علی ان الاعیان المنصوص علی تحریم الربوا فیہا الذھب والفضۃ والبر والشعیر والتمر والملح اذا علمت ذلک فقد اجمع المسلمون کاھو علی انہ لا یجوز بیع الذھب بالذھب منفردا والورق بالورق منفردا الا مثلا بمثل وزنا بالوزن یدًا بیدٍ ویحرم نسیۃ۔ غرض صاحب الحقوق کا یہ خیال تو بالکل غلط ہے کہ نقد سود کے حرام ہونے میں یا نقد سود کی حرمت کی چیزوں میں حضرت عمرؓ یا کسی اور صحابی کو کچھ اشتباہ تھا یا نقد سود کے حرام ہونے یا حرمت کی اشیاء کو حضرت عمرؓ اسی سبب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ کر سکے کہ ربوا کی آیۃ پیغمبر صلعم کی آخری عمر میں نازل ہوئی۔ کیونکہ مؤلف الحقوق والفرائض نے صـ۲۲۱ میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے خود حضرت عمرؓ کی جو حدیث نقل کی ہے وہ اور صـ۲۲۶ میں مؤلف مذکور نے حضرت عمرؓ اور چند صحابہ کی روایتوں سے جو نتیجہ نکالا ہے۔ وہ مؤلف کے اس خیال کو غلط ٹھہرانے کے لئے کافی ہے۔ مؤلف مذکور کا وہ نتیجہ یہ ہے۔ احادیث مذکورہ بالا سے تو یہ ثابت ہو گیا۔ کہ سونے چاندی گیہوں جو کھجور نمک میں سے ہر ایک کو اُسی کے جنس سے اُدھار اور کمی بیشی کے ساتھ بیچنا یا بدلنا ناجائز اور حرام ہے۔ اب یہ ایک ظاہر بات ہے کہ صحابہ کے ایک انبوہ کی روایتوں سے نتیجہ متذکرہ کا نکالنا اور پھر یہ خیال کرنا کہ صحابہ کو نقد سود کے حرام ہونے میں اشتباہ تھا یا یہ خیال کرنا کہ سود کی آیۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخر عمر میں نازل ہوئی اس لئے اہل سود کی حرمت صحابہ میں نہیں پھیلی۔ یہ ایک غلط خیال ہے ہاں سود کی بعض بعض خاص صور توں میں بعضے بعضے صحابہ کو اشتباہ تھا۔ لیکن جب انہوں نے اور دوسرے صحابہ سے اس اشتباہی مسئلہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سُن لیں۔ تو ان کا وہ اشتباہ جاتا رہا۔ جیسے مثلاً عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کا قصہ اوپر گزر چکا ہے یا جیسے معاویہ اور عبادہ بن الصامت کا قصہ جس کو مؤلف الحقوق والفرائض نے صـ۲۲۴ میں ابن ماجہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اُس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ عبداللہ بن عمرؓ

اور معاویہؓ کی بہ نسبت حضرت عمرؓ کو سود کے مسئلہ کی جزئیات زیادہ معلوم تھیں، اسی واسطے انہوں نے عبادہ ابن صامت کی حدیث کی تائید کی اور معاویہ کی رائے کو غلط ٹھہرایا۔ اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ یہ مجوزین سود حضرت عمرؓ کے متذکرہ بالا قول کو اس غرض سے اپنی کتابوں میں جو نقل کرتے ہیں کہ اُس سے سود کی حرمت میں اشتباہ ڈالیں اور یہ کہیں کہ حضرت عمرؓ کو بھی سود کی حرمت میں اشتباہ تھا، وہ لوگ بڑی غلطی پر ہیں۔ کیونکہ حضرت عمرؓ تو سود کے مسئلہ میں اشتباہ سے ایسے دور تھے کہ جس لین دین میں سود کا اشتباہ ہوا اُسے بھی چھوڑ دینے کے لیے حکم دیا کرتے تھے، چنانچہ خود مؤلف الحقوق نے حضرت عمرؓ کا یہ قول دارمی کے حوالہ سے صـ۴۲۹ میں نقل کیا ہے حضرت عمرؓ کا یہ قول ایک صحیح حدیث کے موافق ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم میں نعمان بن بشیر کی روایت سے ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرام و حلال یہ دونوں چیزیں تو ایسی ہیں کہ جن کے احکام صاف صاف ہیں مگر مشتبہ چیزوں سے آدمی کو بچنا چاہیئے۔ کیونکہ مشتبہ چیزوں کے عمل میں لانے سے حرام کی حد کے اندر پہنچ جانے کا خوف ہے، مشتبہ وہ چیز ہے جس کے حرام یا حلال ہونے کا صاف حکم شریعت میں نہ ہو حاصل مطلب یہ ہے کہ جو آدمی مکروہ سے نہ بچے اُس کا قدم حرام کی حد کے اندر رفتہ رفتہ پہنچ جاتا ہے۔ اور جو شخص مشتبہ کو عمل میں لاتا ہے، وہ آخر مکروہ کی حد میں گھس جاتا ہے بلند شہری نے بھی اسی غلط خیال کی تائید کے طور پر حضرت عمرؓ کا متذکرہ قول اپنے رسالہ میں نقل کیا ہے اس کا بھی وہی جواب ہے جو اوپر گزرا۔ قال صاحب الحقوق والفرائض دوسرے ادیان کے رخنے اُن کی آنکھ کا ناخنہ ہیں تو یہ سود کا مسئلہ اسلام کی آنکھ کا ٹینٹ ہے۔ اقول اس قول میں دو بڑی بھاری غلطیاں ہیں۔

(۱)۔ اوپر مؤلف مذکور نے یہ لکھا ہے کہ اکیلا اسلام ہی سود کا دشمن نہیں۔ یہودی۔ نصرانی سب ہی تو مذہبًا اس کے مخالف ہیں۔ اس بنا پر مؤلف کو یہاں یہ لکھنا لازم تھا کہ یہ سود کا مسئلہ شریعت موسوی و شریعت عیسوی و شریعت محمدیؐ ان تین شریعتوں کی آنکھ کا ٹینٹ ہے اس صورت میں اس ٹینٹ کو معیوب ٹھہرانے والے ہنود اور پارسی دنیا میں پائے جاتے جو اسلام کی اکثر باتوں کو عیب لگاتے ہیں، جب مؤلف الحقوق نے اب تک یہ مشورہ اہل اسلام کو نہیں دیا کہ اُن عیب بین لوگوں کو خوش کرنے کے لیئے دین کے اکثر ارکان کو چھوڑ دیا جاوے تو سود کے مسئلہ میں شارالیہ جس مشورے کے درپے ہے وہ مشورہ محض خود غرضی ہے اسلام کی خیر خواہی کسی طرح نہیں ہے۔

(۲)۔ مؤلف نے اوپر تثلیث کے مسئلہ کا ذکر کرکے بعد میں یہ لکھا ہے کہ دوسرے ادیان کے رخنے اُن

کی آنکھ کا ناخنہ ہیں۔ تو یہ سود کا مسئلہ اسلام کی آنکھ کا ٹینٹ ہے۔ مؤلف کی پوری تحریر کا نتیجہ یہ ہوا کہ تثلیث کا شرک مثلاً آنکھ کے ناخنے کے برابر ہے۔ تو یہ ناجائز کمائی سے روکنے کا سود کا مسئلہ شرک سے بھی بڑھ کر آنکھ کے ٹینٹ کی برابر ہے، ہمارے نزدیک مؤلف مذکور کا یہ قول ایسا ہے کہ مشار الیہ کو اُس سے رجوع اور توبہ لازم ہے۔

(نتیجہ) مجوزین اور محرمین سود کے فیمابین سود کے حرام اور حلال ہونے کی جو بحث تھی وہ گویا اس طرح سے طے ہوئی کہ مؤلف الحقوق نے تو نقد سود کی حرمت کو تسلیم کر کے فرقہ سود خوار کو سود کے کھانے پر اس طرح بے بس اور مجبور ٹھہرایا جس طرح قریب الہلاک بھوکے شخص کو مجبوری کی حالت میں بقدر سدِ رمق حرام چیزوں کے کھانے کی شریعت میں اجازت ہے۔ لیکن صاحب الحقوق والفرائض کا یہ عذر ایسا ہے کہ جس طرح کوئی مالدار شخص ہر طرح کی حلال چیزوں کے کھانے پر قادر ہو، اور پھر مثلاً مردار جانور کا گوشت کھانے کی عادت ڈال لیوے، اور کوئی آدمی اُس سے مردار جانور کے گوشت کھانے کا سبب پوچھے۔ تو وہ کہہ دیوے کہ حلال چیزوں کے خریدنے اور پکوانے کی دردسری مجھ سے ہو نہیں سکتی، اس لئے مردار جانور کا گوشت اس بے بسی کی حالت میں مجھ کو جائز ہے۔ یہ سود خوار فرقہ کے لوگ ہزارہا روپیہ کے مالک ہوتے ہیں جن روپیوں سے ہر طرح کی حلال تجارت کا موقع ان کو حاصل ہے مگر اُس مردار خوار شخص کی طرح تجارت کی دردسری سے بچ کر سود خوار بن گئے ہیں، اور اُس مردار خوار شخص کے مانند زبردستی سود خواری کے لئے اپنے آپ کو بے بس قرار دیتے ہیں جو قرار داد بالکل خلاف عقل و نقل ہے، اس واسطے بحث کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کے حق میں سود کی حرمت ثابت اور ان کا عذر بالکل ناثابت ہے۔

بلند شہری نے صفحہ میں نقد سود کی حرمت کو تسلیم کر کے یہ جو لکھا ہے کہ اس سے لازم ہوگا تخصیص کرنا قرآن کا ساتھ خبر واحد کے یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اس کے بعد صفحہ میں مشار الیہ نے جو کچھ لکھا ہے، وہی اُس کے رد کے لئے کافی ہے، کس لئے کہ صفحہ کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو حدیثیں آیۃ کی اجمال کی رافع ہیں، ان کو آئمہ اربعہ نے خبر واحد نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ ان کو احادیث مشہورہ مان کر انہیں آیت کا بیان اور آیت کی تفسیر قرار دیا ہے، اور ان حدیثوں میں جن اشیاء کا ذکر تھا، اُن اشیاء کی حالت پر غور کر کے سود کے اسباب حرمت پر طرح طرح سے بحث کی ہے، بلند شہری کی طرح اگر آئمہ اربعہ بھی اُن احادیث کو اخبار احاد سمجھتے۔ تو پھر یہ صفحہ کی بحث کیوں کر پیدا ہوتی کتب فقہ میں بیع کی تعریف

مبادلة المال بالمال لکھی ہے اور ربوا کی تعریف الفضل الخالی عن العوض۔ ان دو تعریفوں سے بیع اور ربوا میں جو فرق ہے وہ ہر شخص کی سمجھ میں اچھی طرح آسکتا ہے. کیونکہ سود خوار شخص جو روپیہ قرض لینے والے شخص کو قرض دیتا ہے وہ تو مدت قرض پر کوڑی کوڑی واپس آجاتا ہے آخر کو زر سود خالی عن العوض رہ جاتا ہے بخلاف بیع کے کہ اس میں بیع شدہ چیز بائع کی ملک سے نکل کر ہمیشہ کے لئے مشتری کی ملک میں چلی جاتی ہے بلند شہری۔ نے اپنے رسالہ کے صنہ میں بیع اور سود کے مابہ الامتیاز سے جو انکار کیا ہے یہ مشار الیہ کی نافہمی کا نتیجہ ہے اسی طرح بلند شہری نے اپنے رسالہ کے صلا میں مدت قرضہ کو سود کا معاوضہ جو ٹھہرایا ہے جمہور فقہا کے برخلاف ہونے کے علاوہ وہ بھی مشار الیہ کی ایک نافہمی ہے کیونکہ نہ مدت قرضہ مالیت کی چیز ہے نہ اُس پر مبادلة المال کی تعریف صادق آتی ہے، علاوہ اس کے مدت تو سود در سود میں بھی موجود ہے پھر وہاں مدت کو سود کا معاوضہ کیوں نہیں ٹھہرایا جاتا۔ ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب او القی السمع وهو شهید۔ فاٰخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمین وصلی الله علی خیر خلقه محمد وعلیٰ اٰله وصحبه اجمعین۔

سوال:۔ ربٰی کی جامع مانع کیا تعریف ہے؟

جواب:۔ ربوا کی تعریف یہ کرتے ہیں، وہ چیز جو بغیر تجارت کے روپیہ کے بدلہ میں مقررہ صورت میں ملے۔

تشریح:۔ بیاج شرع میں زیادتی کہ خالی ہو عوض سے اور شرط کی جائے زیادتی درمیان عقد کے اور بیاج حرام ہے۔ اور اس کی حرمت کا منکر کافر ہے۔ اور بیاج دو قسم ہے۔ ایک بیاج نسیئہ کا یعنی نقد کو ساتھ وعدے کے بیچنا اور دوسرا ربا فضل کا۔ یعنی تھوڑی چیز کو بدلے بہت کے بیچنا پھر اگر دونوں چیزیں پائی جاویں۔ یعنی ایک اتحاد جنس اور دوسری اتحاد قدر یعنی کیل اور وزن تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں قسم حرام ہیں، جیسے گیہوں بدلے گیہوں کہ جنس بھی ایک ہے اور قدر بھی ایک ہے کہ کیل ہے۔ اور اگر اتحاد جنس اور قدر ایک چیز میں پائی جاوے تو بیاج نسیئہ کا حرام ہے فضل حرام نہیں جیسے کہ چنوں کے ساتھ بیچے کہ اس میں فضل حلال ہے اور نسیئہ حرام اور امام مالک کے نزدیک علت بیاج ان چیزوں میں جو حدیث میں آئی ہیں، ثمنیت اور قوت جو ذخیرہ ہوتا ہے، پس ان کے نزدیک ترکاری وغیرہ میں جو ذخیرہ نہیں ہوسکتیں بیاج نہیں، اور امام شافعی کے نزدیک ترکاریوں میں بیاج ہوتا ہے۔

(حاشیہ ترمذی مترجم نولکشور جلد ۲ ص ۳۷)، (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۱۳۲)

بینک کے سود کے متعلق

مولوی عبدالواحد صاحب غزنوی کا فتویٰ۔

قابل غور علمائے کرام

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب اہلحدیث زادعنایتکم السلام علیکم۔ میں نے ایک استفتاء بخدمت مولنا عبدالواحد صاحب غزنوی بھیجا تھا۔ چونکہ جناب موصوف نے اس فتویٰ کے اخیر میں خود لکھا ہے کہ یہ فتویٰ علماء کے سامنے پیش کرنا۔ چونکہ اخبار اہلحدیث عموماً علمائے اہلحدیث کی نظر سے گزرتا ہے لہٰذا مکلف خدمت ہوں کہ براہ مہربانی اس فتویٰ کو چھاپ کر ناظرین تک پہنچادیں،

(خاکسار علی محمد سائل)

بخدمت جناب حضرت مولانا مولوی عبدالواحد صاحب غزنوی ادام اللہ فیوضہم۔ السلام علیکم عرض ہے کہ آج کل تجارت اور فلاحت وغیرہ میں بینکوں سے لین دین رہتا ہے، عرض ہے کہ ان بینکوں میں روپیہ اگر رکھا جاوے۔ تو اس کا نفع جو ملے وہ نفع لینا جائز ہے۔

(مستفتی حکیم علی محمد ساکن کرکا کرڈیالہ۔ ڈاک خانہ ترن تارن ضلع امرتسر)

الجواب: بھائی جان وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بینکوں سے بالکل بچنا لازم ہے لاچاری سے اگر کوئی آدمی اپنی جان اور اپنے مال پر ڈر کر روپیہ بینک یا ڈاک خانہ میں رکھ لے یا حکام تنخواہ داروں کے اہلکار میں بزور کچھ مبلغ رکھے جاتے ہیں، پھر دیتے وقت کچھ زیادہ بھی دیتے ہیں۔ چونکہ وہ خود ہی زیادہ دیتے ہیں نہ ہم نے زیادہ کے واسطے روز اول دیا تھا، اور نہ نیت تھی نہ یہ عقد نہ یہ اقرار تھا اور نہ اب ان سے ہم سود طلب کرتے ہیں۔ اگر وہ برضا ورغبت خود دیتے ہیں تو چشم سرود ودل ما شاد ہم کیوں نہ لیں ہمارے امام مولوی عبد الجبار صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے قرض لیتے تو ادا کے وقت زیادہ دیا کرتے جب روز اول بہ نیت ربا نہ دیا جاوے اس نے ایک مدت تک ہمارے روپوں کو استعمال کیا۔ اب ادا کے وقت وہ اپنی مرضی سے زیادہ دیتا ہے تو یہ کیوں ربا ہو یہ بے شک حرام ربا ہے کہ بینک سے سودی روپیہ لے کر تجارت یا دیگر معاملات کرے یا بینک میں شریک ہو کر حصہ ڈالے ہذا ما عندی من الجواب واللہ اعلم بالصواب میں ہوں لاہوری رضا۔ گو عبد الواحد بن عبد اللہ الغزنوی عفا اللہ عنہ ۲ / شعبان ۱۳۴۳ھ

الحدیث۔ نفس فتوئی پر جو صاحب چاہیں رائے دے سکتے ہیں۔ ۲۷ / مارچ ۱۹۲۵ء۔

تعاقب بر فتویٰ مولوی عبد الواحد صاحب غزنوی لاہوری

اخبار اہلحدیث مجریہ ۲۷ / مارچ ۱۹۲۵ء میں بینک اور ڈاک خانے کے سود کے متعلق جناب مولوی عبد الواحد صاحب غزنوی کا جو فتوئی شائع ہوا ہے وہ میری دیکھنے میں آیا میرے ناقص علم میں جناب موصوف کا یہ جواب غیر صحیح ہے اور قابل عمل نہیں گو مجبوری سے بھی ان جگہوں میں روپے رکھے جائیں، اور ڈاک خانہ یا بینک برضا ورغبت آپ نفع بھی دیں تاہم اس کا نفع سود میں داخل ہے نفع لینا جائز نہیں، کیونکہ ہدیہ تو برضا ورغبت دیا جانا اور لیا جانا جائز ہے مگر یہی ہدیہ اگر مدیون (قرض لینے والا) اپنے دائن (جس سے قرض لیا جاوے) کو دے دے تو دائن کے لئے اس خاص صورت میں ہدیہ لینا جائز نہ ہو گا لقولہ علیہ السلام وعنہ ای عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اِذَا اَقْرَضَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلَا يَاْخُذْ هَدِيَّةً (رواہ البخاری فِی تَارِیْخِہٖ ھٰکَذَا فِی الْمُنْتَقٰی۔ مشکوٰۃ شریف مع ترغیب ترہیب صفحہ ۲۳۶

(کتبہ محمد یعقوب البرق البیالپوری العظیم آبادی)

از علامہ قاضی اطہر مبارکپور

علماء نے لکھا ہے کہ بینک وغیرہ کا سود لے لیا جائے مگر اُسے نہ خود خرچ کیا جائے۔ نہ کسی عبادت نہ قربت کے کام میں خرچ کیا جائے بلکہ کسی محتاج اور غریب کو دے دیا جائے، اور اس کے لئے ثواب کی امید نہ کی جائے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۰/فروری ۱۹۵۲ء۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۸)

سوال:- ڈاک خانہ کے کیش سرٹیفکیٹ خریدنے جائز ہیں یا نہیں؟

جواب:- کیش سرٹیفکیٹ خریدنا گویا سودی قرضہ دینا ہے۔ اس لئے جائز نہیں۔ اللہ اعلم۔

(اہلحدیث ۳/مارچ ۱۹۳۹ء)

سوال:- ایک دوکاندار ایک زانیہ بازاری عورت سے اس کی گائے کا دودھ خرید کر فروخت کرتا ہے زانیہ نے حرام کمائی سے وہ گائے خریدی ہے، اور اس گائے کی پرورش بھی حرام کی کمائی سے کرتی ہے، کیا دوکاندار سے ایسا دودھ خرید کر پینا جائز ہے اور کیا دوکاندار کی آمدنی حلال ہے؟

جواب:- زانیہ سے ایسی چیز کی بیع کرنی جو کسب زنا سے حاصل ہو جائز نہیں ہے مگر اس دودھ فروش سے خریدنے والا انشاء اللہ اس حکم میں شامل نہ ہو۔ اللہ اعلم۔ (اہلحدیث امرتسر ۱۳/جون ۱۹۱۹ء)

شرفیہ:- خریدار اگر بے خبر ہے۔ تو مضائقہ نہیں اور اگر اس سے خبردار اور واقف ہے تو خریدنا جائز نہیں کہ مال حرام سے ہے۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۳۹۰)

مذاکرہ علمیہ

بابت حدیث لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٰکل الربوٰ و موکلہ اس مذاکرہ میں جو استفسار کیا گیا ہے اس کا خلاصہ بعنوان سوال یہ ہے مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٰکل الربوٰ و موکلہ و کاتبہ و شاھدیہ و قال ھم سواء رواہ مسلم۔ یعنی جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیاج کھانے والے بیاج کھلانے والے اور بیاج کے لکھنے والے اور بیاج کے دونوں گواہ پر لعنت کی ہے اور فرمایا کہ یہ سب برابر ہیں روایت کیا اس کو مسلم نے اس حدیث کی تشریح یوں کی جاتی ہے کہ بیاج کھانے والا وہ شخص ہے جو بیاج لیتا ہے، اور کھلانیوالا وہ

ہے، جو بیاج دیتا ہے اس کی فرع یہ ہے کہ بیاج دینا بھی گناہ ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا اس حدیث کی یہ تشریح نہیں ہو سکتی کہ بیاج کھانے والا وہ ہے جو وہی بیاج کسی دوسرے کو کھلائے اس تشریح سے کون قرینہ مانع ہے۔ اگر یہ تشریح صحیح ہے تو اس حدیث سے بیاج دینے کی حرمت اور اس کا گناہ ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

جواب ۱۔ اس حدیث کی یہ تشریح کہ بیاج کھانے والا وہ شخص ہے جو بیاج لیتا ہے، اور کھلانے والا وہ ہے جو بیاج دیتا ہے۔ یہ صحیح اور حق ہے۔ اور اس حدیث کی تشریح کہ بیاج کھانیوالا وہ ہے جو خود کھائے اور بیاج کھلانے والا وہ ہے جو وہی بیاج کسی دوسرے کو کھلائے باطل ہے، اور غلط ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں آکل ربٰو کا لفظ جہاں جہاں وارد ہوا ہے، ہر جگہ اس سے مراد ہے عام ازیں کہ بیاج لینے والا اس بیاج کو خود کھائے یا کسی دوسرے کو کھلائے اور آکلین ربٰو کے لئے جو جو وعیدیں آئی ہیں وہ مطلق بیاج لینے والوں کے لئے ہیں۔

یعنی ان بیاج لینے والوں کے لئے بھی ہیں جو بیاج لے کر خود کھائیں، اور اپنے مصرف میں لائیں اور ان بیاج لینے والوں کے لئے بھی ہیں جو بیاج لے کر خود نہ کھائیں، بلکہ دوسروں کو کھلائیں۔ الغرض عرف شریعت میں آکل ربٰو کے معنی بیاج لینے والوں کے آتے ہیں، عام ازیں کہ وہ بیاج لے کر خود کھائیں یا دوسرے کو کھلائیں۔ مثلاً فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً۔ یعنی اے ایمان والو مت کھاؤ بیاج دونے پر دونا۔

(۲) فرمایا اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ۔ یعنی جو لوگ بیاج کھاتے ہیں وہ نہ اٹھیں گے، قبروں سے مگر جیسا کہ اٹھتا ہے، وہ شخص جس کو باؤلا کرتا ہے، شیطان آسیب سے۔

(۳) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دِرْهَمُ رِبٰوا یَاْکُلُهَا الرَّجُلُ وَهُوَ یَعْلَمُ اَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَّ ثَلٰثِیْنَ زِنْیَةً کَذَا فِی الْمِشْکٰوة۔ بیاج کا ایک درہم جس کو کوئی شخص جان کر کھائے چھتیس (۳۶) زنا سے زیادہ سخت ہے۔

(۴) اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں شب معراج کو ایک ایسی قوم پر گذرا کہ ان کے پیٹ گھروں کے مثل تھے، جن کے اندر سانپ تھے، اور پیٹ کے باہر سے نظر آتے تھے، میں نے

جبریلؑ سے کہا یہ کون لوگ ہیں، جبریلؑ نے کہا ھٰؤُلَاءِ اٰکِلَۃُ الرِّبٰو۔ یعنی یہ لوگ بیاج کھانے والے ہیں، ظاہر ہے کہ ان نصوص اور ان کے امثال میں اٰکِلِ رِبٰو یعنی بیاج کھانے والے سے مراد بیاج لینا ہے، عام ازیں کہ اپنے کھانے کے لئے لیتا ہو یا کسی کو کھانے کے لئے اور آکلین ربٰو۔ یعنی بیاج کھانے والوں سے مراد بیاج لینے والے ہیں، عام ازیں کہ بیاج لے کر خود کھائیں، یا دوسرے کو کھلائیں۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں۔ اِنَّمَا خَصَّ الْاَکْلَ بِالذِّکْرِ لِاَنَّ الَّذِیْنَ نَزَلَتْ فِیْھِمُ الْاٰیَاتُ الْمَذْکُوْرَۃُ کَانَتْ طُعْمَتُھُمْ مِنَ الرِّبٰو وَ اِلَّا فَالْوَعِیْدُ حَاصِلٌ لِکُلِّ مَنْ عَمِلَ بِہٖ سَوَاءٌ اَکَلَ مِنْہُ اَمْ لَا انتہٰی

جب تم یہ معلوم کر چکے تو سنو کہ حدیث مذکورہ میں بھی اٰکِلُھُمْ یعنی بیاج کھانے والے سے مراد بیاج لینے والا ہے عام ازیں کہ بیاج لے کر خود کھائے یا کسی دوسرے کو کھلائے۔ اور جب اٰکِلُہٗ سے بیاج لینے والا مراد ہو تو مُوْکِلُہٗ سے بیاج کھلانے والے سے وہ شخص ہرگز مراد نہیں ہو سکتا جو بیاج لے کر خود نہ کھائے بلکہ دوسرے کو کھلائے کیونکہ اس معنی پر تو لفظ اٰکِلُہٗ خود مشتمل ہے پھر مُوْکِلُہٗ سے یہ معنی کیونکر مراد ہو سکتا ہے، بلکہ لامحالہ موکلہ سے بیاج دینے والا مراد ہوگا۔ کیونکہ مُوْکِل متعدی ہے اَکل کا پس جب آکل کا معنی بیاج لینے والا ہو تو مُوْکِل کے معنی بیاج دینے والا ہوگا۔

دوسری دلیل بیاج لینا بذاتہ گناہ کا کام ہے اور بیاج دینا اور بیاج کی کتابت وگواہی کرنی بھی گناہ کا کام ہے مگر بذاتہ نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ اعانت علی الاثم ہے اور ظاہر ہے کہ بیاج دینا اول نمبر کی اعانت ہے اور اس کی کتابت وشہادت نمبر دو میں ہے

پس اس حدیث میں اگر مُوْکِلُہٗ سے بیاج دینے والا مراد نہ ہو بلکہ وہ شخص مراد ہو جو بیاج لے کر کسی کو کھلائے تو لازم آتا ہے کہ اول نمبر کا معین علی الرِّبٰو ملعون ھو کما تریٰ۔

تیسری دلیل دارقطنی ص۲۹۹ میں ہے عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاٰخِذُ وَالْمُعْطِیْ مِنَ الرِّبٰو سَوَاءٌ۔ یعنی ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیاج لینے والا اور بیاج دینے والا یہ دونوں برابر ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلذَّھَبُ بِالذَّھَبِ وَالْفِضَّۃُ بِالْفِضَّۃِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ یَدًا بِیَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰی اَلْاٰخِذُ وَالْمُعْطِیْ فِیْہِ سَوَاءٌ رَوَاہُ مُسْلِمٌ

یعنی ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: بیچو سونے کو سونے اور چاندی کو چاندی سے اور گیہوں کو گیہوں اور جو کو جو سے اور کھجور کو کھجور سے اور نمک کو نمک سے برابر برابر دست بدست۔ پس جس نے زیادہ دیا۔ زیادہ طلب کیا تو اس نے بیاج کا معاملہ کیا بیاج لینے والا بیاج دینے والا دونوں برابر ہیں، روایت کیا اسکو مسلم نے ابو سعید خدریؓ کو روائتیں بتائی ہیں کہ حدیث مذکور لعن رسول صلی اللہ علیہ وسلم اٰکل الربوٰ وموکلہ میں بیاج کھانے والے سے مراد بیاج لینے والا ہے بیاج دینے والا بیاج کھلانے والے سے مراد بیاج دینے والا ہے، والروایات بعضہا یفسر بعضا۔

الحاصل حدیث مذکورہ کی یہ تشریح کہ بیاج کھانے والا وہ شخص ہے جو بیاج لیتا ہے، اور کھانے والا وہ شخص ہے جو بیاج دیتا ہے صحیح اور حق ہے اور اس کی دوسری غلط اور باطل اور بلا شبہ آخذ اور معطی دونوں گناہ گار ہیں اور جیسے بیاج لینا حرام ہے دینا بھی حرام ہے، ہذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم۔ (الراقم محمد اصغر مبارکپوری مدرس مدرسہ اسلامیہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ ۱۴ اپریل ۱۹ء)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۱۹۱ و ۱۹۲)

مذاکرہ علمیہ

متعلق منی آرڈر

ستبدی لک الایام ما کنت جاہلا
ویاتیک بالاخبار من لم تزود

اس شعر کا ترجمہ۔ آج جو تو نہیں جانتا آگے چل کر زمانہ تجھ کو بتلادے گا، اور تیرا بے دام نوکر تیرے پاس خبریں لائے گا۔

یہ شعر ہے تو جاہلیت کے کسی عربی شاعر کا مگر ہمارے حضور سرور کائنات فخر موجودات علیہ افضل التحیات کی زبان فیض ترجمان سے صحابہ نے سنا اور ہم تک پہنچا، مطلب اس شعر کا یہ ہے کہ بہت سے واقعات ایسے جو اس وقت ہم کو معلوم نہیں عنقریب زمانہ ان کو ظاہر کر دے گا، یہ قاعدہ دنیاوی واقعات کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دینی امور میں بھی اس کی اصلیت پائی جاتی ہے، بہت سے مسائل فقہا مجتہدین کے زمانہ میں پیش آئے جو صحابہ کے زمانہ میں نہ تھے بہت صورتیں امام ابو یوسف کے زمانہ میں پیدا

ہوئیں، جو امام ابوحنیفہ کے وقت نہ تھیں، یہاں تک کے فقہاء کو یہ کہتے سنا جاتا ہے کہ فصل مقدمات میں عموماً امام ابویوسف کی رائے بمقابلہ اپنے استاد امام ابوحنیفہ کے صحیح یا راجح ہے اس کی دلیل یہ دیتے ہیں لَیْسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَۃِ. جس کا مطلب ہے شنیدہ کے بود مانند دیدہ کیونکہ امام ابویوسف کو بوجہ قاضی القضاۃ (چیف جج) ہونے کے ایسے تجربے ہوئے جو امام ابوحنیفہ کو نہ ہوئے تھے، ہمارا مضمون منی آرڈر اس قسم سے ہے ناظرین حیرانی سے کہیں گے یہ کیا مضمون اس کا نتیجہ کیا جس صورت میں کہ دنیا بھر کے صالح وطالح (نیک وبد) منی آرڈر بھیجتے اور لیتے ہیں تو مضمون ہذا کا نتیجہ اگر عدم جواز ثابت ہوا تو کون سنے گا، اور کون باور کرے گا، اگر جواز ثابت ہوگا تو کون سا بڑا کام کیا بجز اس کے کہ یہ کہا جائے گا، کوہ کندن وکاہ برآوردن۔ سو گذارش ہے کہ ہمارا بھی یہی خیال تھا، اس لیے ہم نے عرصہ سے اس مسئلہ کو اپنے ناظرین تک نہیں پہنچایا۔ مگر حال ہی میں اس کے متعلق ایک ضرورت پیش آئی ہے، جس کا ذکر آگے آئے گا۔

عرصہ ہوا حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ ہم نے دیکھا تھا۔ کہ منی آرڈر کرنا جائز نہیں چنانچہ مولانا رشید احمد صاحب فرماتے ہیں بذریعہ منی آرڈر روپیہ کا بھیجنا نادرست ہے، اور داخل ربوٰا ہے فتاویٰ رشیدیہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۲۔

بعض محرمات کی بابت فقہاء نے کئی ایک حیلے بتلائے ہیں منی آرڈر ایسا حرام ہے کہ مرحوم سے اس کے حیلے کی بابت دال ہوا۔ اس زمانہ میں جو منی آرڈر کے بھیجنے کا رواج ہو رہا ہے اس کے جواز کے لیے بھی کوئی حیلہ شرعی ہے یا نہیں کہ اس میں عام وخاص مبتلا ہو رہے ہیں۔

تو مولانا صاحب نے جواب دیا۔

کہ حیلہ بندہ کو معلوم نہیں۔ (فتویٰ رشیدیہ جلد ۱ صفحہ ۳۷)

اس وقت تو ہم نے یہ سمجھا تھا کہ حسب مضمون شعر مندرجہ عنوان زمانہ خود ہی بتلادے گا۔ اور مولانا مرحوم کے احباب سے اس کی اصلاح کرا دے گا، مگر رسالہ ضیاء الاسلام، مراد آباد بابت فروری (جو مارچ میں آیا تھا) دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مولانا مغفور کے احباب کا ہنوز وہی خیال ہے جو عرصہ ہوا مولانا صاحب کا تھا۔ رسالہ مذکورہ میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا ایک فتویٰ شائع ہوا ہے جس کا سوال معہ جواب درج ذیل ہے۔

سوال ۱:- زید اور عمرو منی آرڈر کے ذریعہ سے روپے بھیجنے میں گفتگو ہے زید کہتا ہے: منی آرڈر کے ذریعہ سے روپیہ بھیجنا جائز ہے اور جواز کی دلیل یہ بیان کرتا ہے کہ ہر چیز میں اصل اباحت ہے عمرو کہتا ہے کہ چونکہ منی آرڈر کے ذریعہ سے روپیہ بھیجنا کسی معاملہ شرعی کے تحت میں داخل نہیں اس لیئے ناجائز ہے زید کہتا ہے کہ یہ معاملہ شرعی کے تحت میں داخل ہے، اور داخل ہونے کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ اگر کوئی کسی حمال سے کام لے اور اُجرت پیشگی دے دے۔ عمرو کہتا ہے کہ منی آرڈر کے ذریعہ سے روپے بھیجنے میں اور پیشگی اُجرت دینے میں فرق ہے۔ پہلی صورت کو دوسری صورت پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ منی آرڈر میں تو شرط ہے کہ روپیہ پہنچانے کی اُجرت پیشگی لی جاوے اور حمال کو پیشگی اُجرت دینا شرط نہیں بلکہ دینے والے کا احسان ہے اگر پیشگی اُجرت نہ دے تو حمال شرعًا یا عرفًا تقاضہ نہیں کر سکتا، اور منی آرڈر تو اس وقت تک روانہ ہی نہیں ہو سکتا جب تک پیشگی اُجرت نہ دے اس کے علاوہ ناجائز ہونے کی وجہ عمرو ایک اور بھی بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حمال پر قیاس کرنا اس وجہ سے بھی صحیح نہیں کہ حمال کے پاس جب تک وہ بوجھ ہے وہ اس کا امین ہے اگر حمال سے وہ بوجھ کھو جاوے تو تاوان نہ دیا جاوے گا، جیسا کہ امین سے نہیں لیا جاتا منی آڈر کا روپیہ اگر ڈاک خانہ والوں کے پاس سے کھو جاوے تو اس کا تاوان لیا جاتا ہے۔ اور ڈاک خانہ سے گویا شرط ہے کہ اگر روپیہ کھو جاوے تو وہ تاوان دے گا اس کے علاوہ ناجائز ہونے کی وجہ ایک اور بھی بیان کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ حمال پر قیاس کرنا اس وجہ سے بھی نہیں کہ حمال کے پاس جب تک وہ بوجھ ہے وہ اس کا امین ہے اور امین پر واجب ہے کہ جو چیز امانت دی جاوے بعینہ وہی واپس کرے، اور منی آرڈر میں جب جانتے ہیں کہ وہی روپیہ بعینہ نہیں ملتا بلکہ اس کی مثال دوسرا روپیہ ملتا ہے، زید کہتا ہے کہ عموم بلوی و دفع حرج و تعامل علماء و صلحاء کی وجہ سے بعض ناجائز چیزیں بھی جائز ہو جاتی ہیں اور مباح الاصل ہے یہ کیونکر ناجائز ہوگا مثلاً غلہ بالیوں کو بیلوں سے پامال کر لیتے ہیں اور بیل اس میں بول و براز کرتے ہیں، اس کو سب جانتے ہیں۔ پھر عموم بلوی و دفع حرج اور تعامل علماء و صلحاء یا تعامل خلائق کی وجہ سے اس کو سب جائز جانتے ہیں اور غلہ کو سب استعمال کرتے ہیں، اسی طرح اگر منی آرڈر بھی بالفرض اگر ناجائز ہو تو جائز ہو جائے گا، اب از روئے شرع شریف اس گفتگو کا فیصلہ فرمائیں، اور مدلل فیصل ارشاد فرمائیں تاکہ قلب کو تسکین ہو؟

جواب:- قاعدہ کلیہ ہے:- اَلْاُجْرَاءُ تُقْتَضٰى بِاَمْثَالِهَا۔ اور منصوص ہے کہ قرض کمی بیشی

کی شرط ربوٰ ہے اب سمجھنا چاہیے کہ منی آرڈر کا روپیہ جو ڈاک خانہ میں داخل کیا جاتا ہے۔ آیا وہ امانت ہے اور اہل ڈاک اجیر یا قرض ہے اور اہل ڈاک مستقرض سو چونکہ یقیناً معلوم ہے کہ وہ روپیہ بعینہٖ نہیں بھیجتا اور نیز قانون ہے کہ اگر ڈاک خانہ سے وہ روپیہ اتفاقاً ضائع ہو جائے تو اہل ڈاک اس کا ضمان دیتے ہیں ان دونوں امر سے معلوم ہوا کہ وہ امانت نہیں بلکہ قرض ہے، جو دوسری جگہ ادا کیا جاتا ہے، پس یہی جزو قرض ہوا اور مقام وصول پر چونکہ بوضع فیس ادا کیا جاتا ہے، اس لیے قرض میں کمی بیشی لازم آئی یہ وجہ اس کے ممنوع ہونے کی ہے بلکہ اگر یہ فیس بھی نہ ہو تب بھی حسب قاعدہ کلیہ کُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ رِبًا بوجہ منفعت سقوط خطر طریق کے داخل سفتج (سفتجہ بمعنی چک۔ ہنڈی) ہو کر مکروہ ہے فی الدر المختار کتاب الحوالۃ وکُرِهَتِ السَّفْتَجَةُ۔ اور چونکہ یہ عقد اجارہ نہیں ہے جیسا اوپر مذکور ہوا لہٰذا مسئلہ حمال سے اس کو کوئی مس نہیں کما ہو ظاہر اور عموم بلویٰ طہارت و تجارت میں مؤثر ہے نہ حلت و حرمت میں اور تعامل اس کو نہیں کہتے بلکہ وہ قسم اجماع کی اور اس میں شرائط اجماع کا پایا جانا ضروری ہے منجملہ اس کے یہ بھی کہ علماء عصر واحد بلا نکیر اس کو قبول کرلیں متنازعہ فیہ میں یہ امر مفقود ہے اس لئے یہ تعامل نہیں ہے ایک رواج عامیانہ ہے جو شرعاً حجت نہیں اس سے سب تنظائر مذکورہ زیر جواب نکل آیا واللہ اعلم۔

البتہ بہت عرق ریزی سے اس قدر تاویل کی گنجائش ہو سکتی ہے کہ فیس کو اجرت کتابت و روانگی فارم کی کہا جاوے اس سے حرمت تفاضل تو د فع ہو جائے گی مگر کراہت سفتجہ کی باقی رہے گی واللہ اعلم

(ضیاء الاسلام)

اہلحدیث

اگو مولٰنا اشرف علی صاحب نے فقیہانہ طریق سے جواب دیا ہے جو ایک ایسے شخص یا قوم پر جو بغیر قرآن کے کسی کی پیروی واجب نہ جانتی ہو حجت نہیں اس لیے جماعت اہلحدیث پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن ہمارے خیال میں فقہی اصول سے بھی یہ مسئلہ عدم جواز کا مورد نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں مولٰنا اشرف علی صاحب اور ان کے احباب کو حق حاصل ہے کہ وہ اس مسئلہ کے متعلق اہلحدیث کے مذاکرہ علمیہ میں حصہ لیں مولٰنا اشرف علی صاحب نے منی آرڈر کی دو صورتیں بتلائی ہیں، یا تو ڈاک خانہ اس روپیہ کو قرض لیتا ہے یہ صورت اس صورت میں اس لئے ناجائز ہے کہ فیس ساتھ لے کر قرض کم ادا کرتا ہے یا ڈاک خانہ اجیر یعنی مزدور ہے یہ صورت

اس لیئے ناجائز ہے کہ اس صورت میں ڈاک خانہ امین ہے، اور امین کا فرض ہے کہ امانت بعینہٖ وہی پہنچا دے، حالانکہ ڈاک خانہ وہی روپیہ نہیں پہنچاتا۔ قاعدہ یہ ہے کہ ڈاک خانہ سے مکتوب الیہ کو کاغذ بھیجے جاتے ہیں وہاں والے اپنے خزانہ سے روپیہ ادا کرتے ہیں، نیز امین سے نقصان ہو جائے تو اس کو بھرنا نہیں آتا حالانکہ ڈاک خانہ بھرتا ہے تو ثابت ہوا کہ ڈاک خانہ قرضدار ہے نہ اجیر (مزدور) جب تک منی آرڈر کے عقد کی کوئی فقہی صورت نہ ہو منی آرڈر کرنا جائز نہیں (یہ ہے مولانا اشرف علی کا فتویٰ)

لطیفہ مدرسہ دیوبند میں ایک طالب العلم اس مسئلہ کا دل سے معتقد تھا اس کو روپیہ بھیجنے کی ضرورت پیش آئی۔ منی آرڈر تو ناجائز تھا اس نے مبلغات ڈبیہ میں بند کر کے بھیجے خدا کی شان وہ ضائع ہو گئے، چلو مسئلہ تو حل ہو گیا۔ یہ خبر تو ایک لطیفہ ہے۔ مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ صورت اختیار کرتے ہیں کہ ڈاک خانہ اجیر ہے، چنانچہ فیس منی آرڈر کا لفظ ہی اس کے اجیر ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ فیس کے معنی اجرت کے ہیں فقہار کی اصطلاح میں اجیر دو قسم کے ہیں ایک اجیر خاص، دوم اجیر مشترک۔ اجیر خاص وہ ہوتا ہے جو ایک ہی کا کام کرے، جیسے دھوبی، درزی وغیرہ جو بہتوں کے کپڑے دھوتا اور سیتا ہے ان دونوں کے حکم بھی الگ ہیں، یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ ڈاک خانہ اجیر ہے تو خاص اجیر نہیں بلکہ مشترک ہے۔ اجیر مشترک کی بابت صاحبین کا مذہب ہے کہ نقصان ہونے کی صورت میں اس سے بھرا جائے، چنانچہ ہدایہ میں ہے۔ یَضْمَنُهٗ عِنْدَهُمَا۔ پس ضمان بھرنے کا ثبوت تو صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے قول سے ملتا ہے جس کی تائید تعامل سے بھی ہوتی ہے، رہا یہ سوال کہ بعینہٖ وہی روپیہ ادا نہیں ہوتا، اس کی بابت گذارش کہ روپیہ اصطلاح فقہار میں مثلی چیز ہے، یعنی ایک روپیہ بعینہٖ وہی دوسرا یہی وجہ ہے کہ ہم ایک عقد میں اس جیسی دوسری چیز لے لیں، مثلاً دس انڈے ہمارے سامنے ہیں ان میں سے ایک کو ہاتھ میں لے کر ہم نے سودا کیا مگر لیتے ہوئے دوسرا لیا تو کوئی منع نہیں کیونکہ وہ سب مثلی ہیں ایک چیز کسی شخص کی ہم سے کھوئی گئی اس کی قیمت ہم پر ادا کرنا واجب ہے، لیکن اس چیز کی مثل ہمارے پاس ہے تو ہم اس کے دینے سے سبکدوش ہو سکتے ہیں، مثلاً کسی شخص کی چھتری ہم سے کھوئی گئی اس قسم کی بازار سے لا کر دیدیں اصل مالک انکار نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ چیز مثلی ہے، پس اگر ڈاک خانہ وہی روپیہ نہیں پہنچاتا تو نہ سہی اس کی مثل روپیہ تو پہنچاتا ہے جس کو ہم ٹھونک بجا کر لیتے ہیں حق تو یہ ہے کہ روپیہ بھیجنے والے کو یہ

منظور ہے وہی روپیہ جو میں دیتا ہوں پہنچایا جائے نہ وصول کرنے والے کو یہ شوق ہے کہ وہی روپیہ جو بھیجنے والے نے داخل ڈاک خانہ کیا ہے مجھے ملے، بلکہ دونوں کو اس قسم کا خیال تو کیا پرواہ بھی نہیں۔

امید ہے دیگر حضرات علماء، بالخصوص مولنا گنگوہی اور مولنا اشرف علی کے معتقدین ضرور اس مذاکرہ میں حصہ لیں گے، والسلام ۲۴ / جمادی الاول ۱۳۳۱ھ مطابق ۲ / مئی ۱۹۱۳ء کے اہلحدیث میں یہ مسئلہ بطور مذاکرہ علمیہ کے لکھا گیا تھا، کہ ہر صاحب علم اس کے متعلق مخالف موافق رائے دے سکتے ہیں، چاہیئے تو یہ تھا کہ اہل علم اس پر توجہ کر کے اصل مسئلہ پر گفتگو کرتے، بجائے اس کے ایک صاحب نے نواح جھانسی سے گالیوں کا ایک اچھا خاصہ دشنام نامہ بھیجا، جس میں بہت کچھ اپنی قابلیت کا اظہار کیا، وجہ خفگی یہ بتلائی کہ تم کیا ہو جو بڑے بڑے علماء مثل مولانا رشید احمد مرحوم اور اشرف علی صاحب سلمہ پر اعتراض کرتے ہو یہ سب کچھ لکھ کر دشنام نامہ کے درج اخبار کرنے کی درخواست کی تھی، ہمیں اپنی ذات خاص کی توہین اس کے درج کرنے سے مانع نہ تھی، کیونکہ ہم عرصہ سے چکنے گھڑے ہو چکے ہیں، جس پر پانی اثر نہیں کر سکتا بلکہ یہ امر مانع تھا کہ ناظرین دیوبندی جماعت سے بدظن ہو جائیں گے، کہ ایسے صاف اور معقول مضمون کا جواب ایسا نامہذب اور ناقابل سماعت خیروہ تو گذرا اس کے بعد ہم منتظر رہے کوئی اہل علم اس طرف توجہ کرے کسی نے نہ کی خدا بھلا کرے ایڈیٹر رسالہ ضیاء الاسلام مراد آباد کا کہ انہوں نے ہمارے مضمون کو گو پورا درج نہیں کیا، جو ان کو کرنا چاہیئے تھا، مگر اختصار کر کے بغیر اظہار اصل حال کے مولانا اشرف علی صاحب سامنے پیش کر کر جواب طلب کیا گو اخبار اہلحدیث کا پرچہ بھی مولنا کے پاس جا چکا تھا۔

اصل مسئلہ ناظرین کو شائد تو بھول ہو گیا ہو گا، اس لئے اس کا خلاصہ بتلا کر جواب اور جواب الجواب ناظرین کو سناتے ہیں، مولنا رشید احمد صاحب مرحوم گنگوہی اور اشرف علی صاحب تھانوی کا فتوٰی ہے کہ موجودہ طریق جو منی آرڈر کے ذریعہ سے روپے بھیجنے کا ہے جائز نہیں، کیونکہ یہ عقد نہ تو اجارہ ہے، نہ قرض، اجارہ اس لئے نہیں کہ منی آرڈر کی رقم ضائع ہونے کی صورت میں ڈاک خانہ بھر دیتا ہے، اجارہ میں اجیر پر بھرنا نہیں آتا۔ نیز وہ روپیہ بعینہٖ نہیں بھیجا جاتا حالانکہ اجارہ میں بعینہٖ دیا جاتا ہے، اور قرض اس لئے نہیں کہ فیس جو ساتھ دی جاتی ہے، وہ ڈاک خانہ واپس نہیں دیتا حالانکہ قرض میں سب کچھ ادا کیا جاتا ہے۔

یہ ہے مردو مولناؤں کی تقریر کا خلاصہ اس کے جواب میں ہم نے لکھا تھا کہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ عقد اجارہ ہے ڈاک خانہ ہم سے قرض نہیں مانگتا ڈاک خانہ کو قرضدار قرار دینا خلاف منشا رڈاکخانہ اور نیز قواعد ڈاک خانہ کے ہے چونکہ اجارہ ہے اس لیے اس کی اجرت بھی مقرر ہے جس کا نام فیس ہے رہا یہ کہ روپیہ بعینہٖ نہیں بھیجا جاتا اس کا جواب دیا تھا کہ روپیہ مثلی چیز ہے یعنی جو روپیہ ہم نے ڈاک خانہ میں دیا ہے اس کے ساتھ کے اور روپیہ بھی ملتے ہیں جو کام کے لحاظ ہمارے روپوں کے برابر ہو بہو ہیں اور مثلی چیز کا حکم یہ ہے وہ یا اس کی مثل دوسری چیز کا دینا جائز ہے بھرنے کا جواب دیا تھا کہ اجیر (مزدور) دو قسم کے ہوتے ہیں ایک خاص جو صرف ہمارا ہی کام کرتا ہے اس سے نقصان کا بھرنا تو ائمہ حنفیہ میں سے کسی کا مذہب نہیں مگر ڈاک خانہ اجیر خاص بلکہ اجیر مشترک ہے کیونکہ وہ ہمارا ہی کام نہیں کرتا بلکہ ہر ایک کا کرتا ہے اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کا مذہب ہے کہ جو نقصان اجیر مشترک سے ہو وہ بھر لینا جائز ہے ۔ پس اس حکم کے مطابق ڈاک خانہ اگر نقصان بھر دے تو عقد اجارہ میں خلل نہیں آتا یہ ہے ہمارے مضمون کا مندرجہ اہلحدیث ۲ر مئی کا خلاصہ اسی کو ایڈیٹر صاحب رسالہ ضیاء الاسلام نے بعنوان ذیل مولنا اشرف علی صاحب کے پاس پہنچایا جو درج ذیل ہے۔

سوال :- آیا جو منی آرڈر کی یہ تاویل ہو سکتی ہے یا نہیں کہ اس معاملہ کو اجارہ اور فیس کو روپیہ پہنچانے کی اجرت کہا جائے اور اس پر جو دو شبہے ہوتے ہیں، ایک یہ کہ روپیہ بعینہٖ نہیں پہنچایا تھا، اور دوسرے ہلاک سے ڈاک خانہ پر ضمان مشروط ہوتا ہے۔ ان کا آیا یہ جواب ہو سکتا ہے یا نہیں کہ روپیہ بوجہ نقد ہونے کے تعین سے متعین نہیں ہوتا بلکہ ہر مثلی کا یہی حکم ہے کہ اس میں تعین نہیں ہوتی جیسے انڈا کہ خلقتاً مثلی ہے اور چھتری کہ صنعتاً مثلی ہے اور ضمان مشترک پر ایسی صورت میں کہ ہلاک بفعل اجیر نہ ہو گو وہ ہلاک ممکن الاحتراز ہو صاحبین کے نزدیک مشروع ہے بینوا توجروا؟

جواب :- یہ تاویل صحیح نہیں دو شبہوں کی وجہ سے جو سوال میں مذکور ہیں اور ان کے جو جواب دیئے گئے ہیں، ان میں سے اول کا جواب تو بالاجماع صحیح نہیں کیونکہ یہ عدم تعین صرف عقود میں ہے۔ باقی امانات و مغصوب میں نقود بھی متعین ہیں۔ پس یہ جواب مؤل کا صحیح نہ ہوا اور دوسرے شبہہ کا جواب اول تو امام صاحب کے قول پر صحیح ہو سکتا تھا۔ اور جب یہ نہیں تو وہ اجارہ ہی نہیں جو ڈاک خانہ کو اجیر مشترک کہا جائے اس لیے صاحبین کے قول پر بھی یہ جواب نہ چلا۔

اہلحدیث ناظرین نے سوال اور جواب جو مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے دیا ملاحظہ فرما لیا، پس اب ہماری طرف سے جواب الجواب بھی سنیئے؛

اجارہ ہی سے مخصوص نہیں فقہ کے بہت سے مسائل کی بنا ر صرف اس بنا پر ہے کہ مالک کی اجیر کے ساتھ نزاع نہ ہو۔ اس لئے کوئی شخص زمین کرایہ پر لے تو جو کچھ اس میں بوئے اس کا ذکر اس کو کرنا ضروری ہے یا یہ کہدے کہ میں جو چاہوں گا بوؤں گا، ورنہ بوجہ نزاع کے خطرہ کے یہ اجارہ جائز نہ ہوگا۔ ہدایہ کتاب الاجارہ باب مَا يَجُوزُ فِيهِ الْإِجَارَةُ وَمَا لَا يَجُوزُ اس اصول کے مطابق آج ہم منی آرڈر کے طریق کو دیکھتے ہیں تو کوئی نزاع اس مطلب کے ہم نہیں پاتے کہ لینے والے کو روپیہ یا نوٹ یا پونڈ لینے میں کچھ تکرار ہو بلکہ وہ سب کو یکساں جانتا ہے وہ یہ بھی نہیں جانتا۔ نہ جاننا چاہتا ہے کہ بھیجنے والے نے ڈاک خانہ کو کیا دیا اسی محصول پر یہ مسئلہ ہے جو مولانا اشرف علی صاحب نے بھی تصدیق فرمایا ہے کہ (روپیہ) مثلی ہونے کی وجہ سے عقود کی صورت میں بھی متعین نہیں ہوتے، کیونکہ روپیہ اصل مقصود نہیں بلکہ کاربراری کا ذریعہ ہے نقہانے اس کی صاف تصریح کردی ہے، پس جب کہ نقود کے عدم تعین کی مثال ملتی ہے، اور اس کی وجہ بھی فقہا کے الفاظ میں ہم سمجھ چکے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ منی آرڈر کی صورت میں اس تعین پر زور دیں۔ بلکہ عدم تعین میں نہ نزاع پیدا ہو، نہ تکرار۔

دوسری وجہ جس کو مولانا کمال بلند پروازی سے شبہ کے ساتھ تعبیر فرماتے ہیں، صاحبین کا مذہب ہے جن کے مذہب پر بوقت ضرورت عمل کرنا گویا امام صاحب کے مذہب پر عمل ہے۔ اجیر مشترک تو اس کو کہتے ہیں جو کوئی ایک کام کرے جیسے دھوبی، درزی جو خاص ایک ہی کے نوکر نہ ہوں۔ ان سے اگر نقصان ہو جاتو صاحبان کے مذہب میں اس کا بدلہ مالک کو ملتا ہے روپیہ کا بعینہٖ نہ جانا تو مالک اور مرسل الیہ کو پہلے ہی سے معلوم ہے پھر اس کی شرط ہی کیا۔

ضروری اصول قابل لحاظ اجارہ میں کسی چیز کا بعینہٖ پہنچانا اصل مالک کے فائدے کے لئے ہے، یعنی اصل چیز کو لینا مالک کا حق ہے۔ شرع کا حق نہ ہونے سے اجارہ کی ماہیت یا ذات میں داخل نہیں یہ ظاہر ہے کہ صاحب حق اپنا چھوڑے تو کسی کو مجال دم زدن کیا، منی آرڈر کرنے والا جس وقت منی آرڈر روانہ کرتا ہے، اس کو خوب علم ہوتا ہے یہ روپیہ بعینہٖ نہیں پہنچے گا، باوجود علم کے وہ روانہ کرتا ہے تو گویا یقیناً وہ اپنا حق خود ساقط کرتا ہے اس صورت میں عدم جواز

کی کیا وجہ ہے۔

امید ہے حضرات مانعین اس پر کافی غور فرمائیں گے۔ ایڈیٹر صاحب رسالہ ضیاء الاسلام سے امید ہے کہ حسبِ سابق ہمارے معروضات پہنچا کر ثواب حاصل کریں گے۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۱۳ء۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۱۵۳ و ۱۵۴)

مذاکرۂ علمیہ

بابت وی پی مسائل شرعیہ مروجہ بہت کم ہیں ضروریات زمانہ زیادہ ہیں ایسی ضرورتوں کیلئے شرعی قواعد مقرر ہیں ان سے ایسے مسائل مستنبط ہو سکتے ہیں۔ آج کل انگریزی تعلیم کے اثر سے متاثر لوگوں کا یہ سوال ہمیشہ سے علماء پر چلا آیا ہے کہ یہ لوگ تو پرانے مسائل میں بال کی کھال اتارا کرتے ہیں۔ مگر نئے مسائل پر رائے زنی نہیں کر سکتے بلکہ ان کا حکم بھی نہیں بتا سکتے۔ مثلاً منی آرڈر کا حکم کیا ہے۔ وی پی کا حکم کیا ہے بظاہر تو بوجہ عام عمل ہونے کے اس قابل بھی نہیں کہ ان کی بابت کچھ سوال کیا جائے یا سوچا جائے لیکن ہمیں جو ضرورت محسوس ہوئی ہے اس کے لحاظ یہ سوچنے سے تعلق رکھتا ہے، وی پی کا طریق یہ ہے کہ خریدار (مشتری) فلاں کتاب یا فلاں چیز مجھ کو بذریعہ وی۔ پی بھیج دیجئے۔ اور وہ چیز بائع کی طرف سے چلی جانے کے بعد گم ہو جاوے یا مشتری تک پہنچنے اس کی قیمت اصل مالک بائع تک نہ پہنچے تو یہ نقصان کس کا ہوگا۔ یعنی دونوں صورتوں بائع اصل قیمت مشتری سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

تشریح یوں ہے کہ ڈاک خانہ ایک چیز کی صورت میں چیز کو لیتا ہے اس کی اجرت کا سارا بوجھ مشتری پر پڑتا ہے۔ مشتری کے لکھنے پہ ڈاک خانہ میں وی جاتی ہے، اس لئے مبنی جواب مذاکرۂ یہ ہے کہ ڈاک خانہ وکیل کسی کا ہے اور وکیل کیسا ہے وکیل بالبیع ہے یا وکیل بالقبض اس پر یہ جواب مرتب ہوگا کہ ڈاک خانہ کی غفلت کا خمیازہ کس پہ پڑنا چاہیئے۔ اہل علم ناظرین سے امید ہے جواب باصواب مدلل سے اطلاع فرماویں گے۔ (۱۱ فروری ۱۹۲۱ء)

عرصہ ہوا کہ یہ مذاکرۂ جاری کیا گیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ آج کل جو اشیاء کے وی پی کرنے کا طریق ہے اس میں حسب قانون ڈاک خانہ کی اجرت مشتری کے ذمہ پڑتی ہے، اور مشتری لکھتا بھی ہے

کہ بذریعہ دیلیو بھیجدو۔ اب شرعی صورت میں سوال یہ ہے کہ صورت میں ڈاک خانہ وکیل کس کی جانب سے ہے بائع کی طرف سے یا مشتری کی طرف سے اس کا اثر اس صورت میں ظاہر ہوگا، جب اس ویلیو کی قیمت بائع کو وصول نہ ہو کیونکہ اگر ڈاک خانہ بائع کا وکیل بالقبض تو مشتری کا ذمہ پاک اور اگر مشتری کا وکیل اور اس نے بائع ملک قیمت نہیں پہنچائی تو بائع اس قیمت کا ذمہ دار نہیں۔

مذاکرہ علماء کرام نے توجہ نہیں فرمائی۔ صرف مولوی عبدالکریم صاحب ساکن جنڈیالہ امرتسر نے ایک مختصر سا مضمون بھیجا ہے جو درج ذیل ہے۔

مذاکرہ علمیہ بابت وی پی کے جواب میں بندہ اپنی ناقص عقل کی بساط کے مطابق عرض کرتا ہے کہ اس بات کے تو آپ بھی قائل کہ ضروریات زمانہ بنسبت مسائل شرعیہ مروجہ گویا زیادہ ہیں مگر ان کے مشروع ہونے یا غیر مشروع ہونے کیلئے قواعد شرعیہ مقرر ہیں جن سے ایسے مسائل (متعلق ضروریات زمانہ) مستنبط ہو سکتے ہیں۔ ہاں اگر استنباط کرے تو کون کرے قصور ہے تو کس کا قرآن کریم تو ایسی کتاب ہے جس کی بابت ارشاد خداوندی ہے ناطق۔ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ۔ پس کون سی حدیث کے ساتھ بعد اس کے ایمان لاویں گے۔

اور حدیث نبوی بھی کہہ رہی ہے۔ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ اي لَا يَصِلُونَ إِلَى الْإِحَاطَةِ بِكُنْهِهَا حَتَّى يَقِفُوا وُقُوفَ مَنْ يَشْبَعُ وَلَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ۔ نہیں پیٹ بھرتے اس سے عالم۔ ای نہیں پہنچتی احاطہ کرنے تک کہ ٹھہرتے ہیں، ٹھہرنا اس شخص کا سا جو پیٹ بھر لے خدا سے۔ نہیں ختم ہوتے عجائبات اس کے۔

نیز ابن عباس سے مروی ہے۔ قَالَ جَمَعَ اللّٰهُ فِي هٰذَا الْكِتَابِ عُلُومَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَعِلْمَ مَا كَانَ وَعِلْمَ مَا يَكُونُ وَالْعِلْمَ بِالْخَالِقِ جَلَّ جَلَالُهُ وَأَمْرَهُ وَخَلْقَهُ۔ اکٹھا کیا اللہ نے اس کتاب میں علوم پہلے اور پچھلے لوگوں کے اور علم اس کا جو تھا اور علم اس کا جو ہوگا اور علم خلائق کا بلند جلالیت اس کی اور اس کا اور صف خلقیہ اس کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام الٰہی قرآن کریم ہی ایک ایسی جامع کتاب ہے کہ ہر زمانہ کے ضروریات کیساتھ۔ ستنباط مسائل کرے تو کون۔ یہی علماء جن کو ورثۃ الانبیاء کہا گیا خواہ کسی کے زمانہ کے ہوں ؎

مشکلے نیست کہ آسان نہ شود　　مرد باید کہ ہراسان نہ شود

مگر آج کل کے اکثر علماء جو اس محنت شاقہ کے متحمل ہو سکتے بھی ہیں۔ وہ تو خاموشی کو اختیار کر رہے ہیں، یہی وجہ ہے آج کل انگریزی تعلیم سے متأثر لوگ علماء پر معترض ہوتے ہیں، ہائے افسوس ہماری غفلت اور سستی مولانا صاحب جب آپ نے اب وی پی کے مسئلہ کی نسبت ہر طرح سے کھول کر تشریح کردی ہے تو اب نتیجہ نکالنا بھی کوئی امر ہے۔ کون ذی عقل ہے جو نہیں سمجھ سکتا کہ جب بائع نے اپنی کوئی چیز کتاب وی پی ہو یا منی آرڈر ہو ڈاک خانہ میں دے کر اس سے رسید بھی نیس دے کر وصول کرلی ہے، جس سے وہ چیز (وی پی یا منی آرڈر) ڈاک خانہ کی ضمانت میں آجاتی ہے، اگر اس حالت میں وی پی یا منی آرڈر کا نقصان ہوگا، تو ڈاک خانہ ہی ذمہ دار ہے۔ اسی طرح اگر مشتری (مرسل الیہ) نے وی پی یا منی آرڈر ڈاک خانہ سے وصول کرکے رسید لکھدی، پھر اگر یہ روپیہ جو مشتری سے ڈاک خانہ کے قبضہ میں آگیا جو وکیل بالبیع یا بالقبض تھا، ضائع نہ ہوگا تو وہی ڈاک خانہ ہی ضامن ہے اور نہیں۔ نہ بائع ہوگا نہ مشتری۔ هٰذَا مَا ظَهَرَ لِيْ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَإِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبُ۔ (اہلحدیث امرتسری تاریخ بوجہ سکتگی نامعلوم ۱۹۲۱ء)

عرصہ ہوا یہ مذاکرہ علمیہ جاری ہوا، اہل علم سے جیسی توقع تھی اس پر متوجہ نہیں ہوئے مندرجہ ذیل مضمون قابل غور ہے۔

ایڈیٹر:۔ وی پی ہو یا منی آرڈر دونوں صورتوں میں ڈاک خانہ اجیر کی صورت میں وکیل بالقبض ہوتا ہے، وی پی کی صورت میں صرف بائع کا اور منی آرڈر کی صورت میں مرسل زر کا ڈاک خانہ کی رسید اس کا ثبوت ہے جس کے پاس وہ ہوگی ڈاک خانہ بس اسی کا بصورت اجیر وکیل بالقبض ہوگا وی پی ہو یا اس کی قیمت، راستہ میں گم ہوجانے کی صورت میں مشتری اس کے نقصان کا ذمہ دار نہ ہوگا، اسرائیلی مقروض کا ارسال کردہ زر گویا وی پی۔ فَأَخَذَ خَشَبَةً فَنَقَرَهَا فَأَدْخَلَ فِيهَا أَلْفَ دِينَارٍ وَصَحِيفَةً إِلَى صَاحِبِهِ۔ اگرچہ حسن عقیدت اور خدائی تائید سے پہنچ گیا تھا۔ لیکن خدانخواستہ اگر راستہ میں تلف ہوجاتا تو مقروض ادائیگی قرض سے ہرگز سبکدوش نہ ہوسکتا۔ مرسلہ کے تلف ہونے کے خیال سے مقروض کا خود اس کی خدمت میں زر لے کر حاضر ہوگا۔ اور قرض دہندہ کا مطالبہ کرنا، اور کنندہ کا دینے انکار نہ کرنا بلکہ دینے کے لئے آمادہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ مشتری وصولی سے پیشتر وی پی اور وصولی کے بعد اس کی قیمت کا ذمہ دار نہیں۔ ثُمَّ قَدِمَ الَّذِي كَانَ أَسْلَفَهُ

نَاقَۃً بِاَلْفِ دِیْنَارٍ (بخاری) یَا فُلَانُ مَالِیْ قَدْ طَالَتِ النَّفَقَۃُ فَقَالَ اَمَّا مَالُکَ فَقَدْ دَفَعْتُ اِلیٰ وَکِیْلِیْ وَاَمَّا اَنْتَ فَھٰذَا مَالُکَ (فتح) ملکہ سبا نے سلیمان علیہ السّلام کو ہدیہ بھیجا وصولی سے پیشتر راستہ میں اگر تلف ہو جاتا تو سلیمان علیہ السّلام ہرگز ذمہ دار نہ ہوتے جس طرح ہدیہ قبول نہ کرنے پر اعلان جنگ کیا گیا، ہدیہ تلف ہونے پر بھی ایسا ہی ہوتا اور بلقیس کی مراد ہرگز پوری نہ ہوتی۔ اگر یہ بات درست ہے کہ مرسل الیہ یعنی خریدار کی وصولی شرط نہیں اور یہ کہ موکل وی پی کر دینے سے سبکدوش ہو جاتا ہے تو سلیمان علیہ السّلام کا ہدیہ قبول نہ کرنا بے معنی ہوگا۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ مشتری کے لکھنے پر بائع وی پی کرنے کی جرأت کرتا ہے، ٹھیک ہے مگر وی پی کا نقصان اس پر نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ آج کل کے ڈاک خانہ کے جدید قانون کی وجہ سے تاجران کتب وایڈیٹران اخبارات کا اعلان ہے کہ پیشگی منی آرڈر کر دیا جائے تو کیا منی آرڈر تلف ہونے پر وہ ذمہ دار ہوں گے ہرگز نہیں اسی طرح مشتری بھی نقصان کا ذمہ دار نہ ہو گا رہا یہ سوال کہ جب مشتری کسی صورت میں ذمہ دار نہیں۔ تو پھر کون۔ بائع یا وکیل۔ تو جواباً عرض ہے کہ ڈاکخانہ کی بے احتیاطی اور غفلت وغیرہ کی وجہ سے اگر نقصان ہو تو نقصان ڈاک خانہ پر پڑے گا۔

لِقَوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْیَدِ مَا اَخَذَتْ حَتّٰی تُؤَدِّیَ (دارمی)

وَلِقَوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلزَّعِیْمُ غَارِمٌ (ترمذی دارقطنی) اگر ڈاک خانہ وغیرہ کی غفلت نہیں تو وی پی یا اس کی قیمت تلف ہونے کا نقصان بائع پر پڑے گا۔ اور ڈاک خانہ بری رہے گا۔ لِقَوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ عَلَی الْمُسْتَعِیْرِ غَیْرِ الْمُغِلِّ ضَمَانٌ وَلَا عَلَی الْمُسْتَوْدِعِ غَیْرِ الْمُغِلِّ ضَمَانٌ اَخْرَجَہُ الدَّارَقُطْنِیُّ وَالْبَیْھَقِیُّ وَضَعَّفَاہُ وَصَوَّبَا وَقْفَہٗ عَلٰی شُرَیْحٍ۔ نیز نقصان غیر اختیاری صورت میں محکمہ ریلوے وڈاک ذمہ دار نہ ہوگا کیونکہ یوشع بن نون پر مچھلی گم ہونے کا نقصان نہیں پڑا۔ قَالَ حَمَّادٌ اِذَا تَکَفَّلَ بِنَفْسٍ ذَاتٍ فَلَا شَیْءَ عَلَیْہِ (بخاری) یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ڈاک خانہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے وکیل بالقبض ہے وکیل بالبیع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وکیل بالبیع گو مبیع کے تصرف میں اختیار ہوتا ہے اور وہ مبیع کے منافع میں حقدار نہ ہونے کے باعث نقصان کا ذمہ دار بھی نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عروہ بن جعد کو اضحیہ کی خریداری میں وکیل بنا کر بھیجا اس کے تصرف

سے جو نفع ہوا عروہ اس کا مالک نہ ہو سکا تو نقصان کی صورت میں اس کا خمیازہ اس پر کیوں کر پڑ سکتا ہے، اور حکیم بن حزام کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا (بخاری۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ دار قطنی) پس وکیل بالبیع اور وکیل بالقبض میں بہت فرق ہے، ڈاک خانہ کو وکیل بالقبض سمجھنا چاہیئے۔

الحاصل وی پی یا اس کی قیمت گم ہونے سے نقصان مشتری پر نہیں پڑے گا، ڈاک خانہ کی غفلت وغیرہ سے ہو تو ڈاک خانہ پر۔ ورنہ بائع پر۔ اور منی آرڈر کی صورت میں ڈاک خانہ پر یا مرسل زر پر کہ جس کے پاس رسید ہوتی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ حدیث لَا ضَمَانَ عَلَى الْمُؤْتَمَنِ دار قطنی) اصل بحث اور مذاکرہ سے غیر متعلق ہونے کی وجہ سے اس مقام پر قابل ذکر نہیں۔ (ابو عمران عنایت اللہ وزیرآبادی از سہسوانی مدرسہ اہل حدیث ۱۲ ذو یقعد ۱۳۳۹ھ) (فتاوی ثنائیہ جلد ۲ ص ۱۵۹، ۱۶۰)

سوال:۔ سرکاری وغیر سرکاری بینکوں و پوسٹ آفس سیونگ بینک کا سود اہل اسلام کے لئے شرع محمدی کے مطابق جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو سودی رقوم کا مصرف فتوی شرعیہ کے مطابق کیا ہونا چاہیئے

(ملک ہدایت اللہ خاں سوہدرہ)

جواب:۔ بارہا بتایا گیا ہے روپیہ بغرض حفاظت ان بینکوں میں رکھا جائے تو حسب قائدہ جو اس پر ان ٹرسٹ ملے بعض علماء مثل دیوبند، مفتی جمعیت العلماء دہلی مرحوم، مفتی مسجد چینیاں لاہور وغیرہ۔ جائز رکھتے ہیں جمہور علماء ناجائز۔ (اہل حدیث ۱۴ اپریل ۱۹۳۳ء)

شرفیہ | بینک یا ڈاک خانہ میں جو لوگ اپنا روپیہ جمع کر کے ان سے نفع لیتے ہیں، یہ قطعاً جائز نہیں حرام ہے اس لیے کہ بینک والے اس روپیہ کو سود پر چلاتے ہیں اور ان کا حساب کر کے جتنا سود میں سے اس کا حصہ نکلتا ہے دیتے ہیں، اور سود حرام ہے، اور بحکم لَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ الآیۃ پ ۶ رکوع ۵) اگر کوئی نفع نہ بھی لے تب بھی حرام ہے تعاون علی الاثم ہے لہٰذا مفتیوں کے فتاویٰ مذکورہ باطل ہیں اور اَلظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ سے باطل ہے اس لئے کہ قیاس مع الفارق ہے سواری کا جانور بلا غذا ہلاک ہو جاتا ہے بخلاف ارض۔ زمین گے کہ بلا جوتنے کے اور عمدہ ہو جاتی ہے، اور نیز زمین سے بعد استعمال قرض سے دوگنا چوگنا سے زائد حاصل ہوتا ہے اس کو محسوب کرنا لازم ہے کما فی الحدیث ملاحظہ ہو۔

(فتاوی نذیریہ)

تشریح

از قلم خطیب الاسلام مولٰنا عبدالرؤف خاں صاحب رحمانی جھنڈے نگری۔

اسلام میں سود لینا۔ سود دینا۔ سود کے کاغذات مرتب کرنا۔ اور سود کی شہادتیں دینا تک حرام ہے اور سود خوار کی وہی پوزیشن ہے جو ایک زانی۔ شرابی۔ اور قمار باز کی ہوتی ہے۔ لیکن یورپ سے جب بینک کی بیماری ہندوستان پہنچی، تو ہم مسلمانوں نے بھی اسی طرح اس کا خیر مقدم کیا، جس طرح اور قوموں نے کیا ہم نے بھی دوسری غیر مسلم جماعتوں کی طرح سود کا لین دین شروع کر دیا اقبال ؒ (مرحوم) ہمارے اس کافرانہ نظام کے قبول کرنے پر لکھتے ہیں ؎

چنیں دور آسمان کم دیدہ باشد　　　جبریل امین را دل خراشد
بنا کردند خوش دیدے کہ این جا　　　پرستند مؤمن و کافر تراشد

کافر فاسد نظریات گھڑتا ہے۔ اور مسلمان اس فاسد نظام زندگی کا عملاً پجاری بنتا ہے، اکثر علماء نے اس نظام کی مخالفت بھی کی۔ لیکن مسلمانوں نے اپنے زعم میں کسی کی بھی پرواہ نہ کی اور برابر سود کا کاروبار کرتے رہے مگر اس میں وہی سیاسی الجھنیں پیدا ہو گئیں، جو دوسرے سیاسی مسائل میں پیدا ہوتی ہیں یعنی مسلمانوں میں سود دینے والے کم، اس طرح مسلمانوں کا ادا کیا ہوا سود غیر مسلموں کے پاس جانے لگا تو اسے صرف مسلمانوں تک محدود رکھنے کے لئے مسلم بینک قائم کیا گیا۔ حالانکہ لفظ مسلم کو بینک سے اتنی ہی ضد ہے جتنی کہ لفظ شمس کو لفظ لیل سے۔ لیکن ہم نے آج تک شمس لیل کا وجود نہیں دیکھا، اور نہ ہی قیامت تک دیکھ سکیں گے۔ لیکن مسلم بینک کا وجود ضرور دنیا کو دکھا دیا۔ جس کا واحد مقصد مسلم غرباء سے سود وصول کر کے مسلم امراء کے خزانہ میں بھرنا ہے اور اس طرح ہم نے کھلم کھلا اسلام اور سود کا ایک خود ساختہ مقدس اتحاد دنیا کو کھلا دیا، عقلی نقطہ نظر سے اور مشاہدات اور تجربات کے لحاظ سے یہ سود لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات ہے۔ اقبال ؒ نے خوب لکھا ہے۔

سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے۔ علامہ اقبال ؒ اس سود کو لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات کا مرادف سمجھتے ہیں۔

اب سنیئے ایک اور خطرہ بھی اس سلسلہ میں درپیش ہے اور یہ خطرہ بھی یقینی ہے، شریعت اسلام میں سود۔ شراب۔ زنا۔ قماربازی وغیرہ کا مرتبہ بحیثیت حرمت تقریباً برابر ہی ہے۔ لیکن آج جب کہ یورپ نے سود کو عام کر دیا۔ اور قانوناً اس کے لئے جواز مہیا کر دیا تو ہم نے فخر کے ساتھ مسلم بینک قائم کر

دیا، اور اگر کل کو یورپ کے سرمایہ داروں نے اپنی عیاشی اور سرمایہ داری کی افزائش کے لئے شراب نوشی زناکاری قمار بازی وغیرہ کے لئے بھی قانون جواز مہیا دیا۔ تو مسلم شراب خانہ مسلم زنا خانہ اور مسلم قمار خانہ کے قیام پر بھی فخر ہونے لگے گا (معاذ اللہ) کیونکہ ہم یورپ کی سرمایہ داری کو قبول کر چکے ہیں اور اسلام کا لفظ تو ہم کو ورثہ میں مل ہی چکا ہے، اور اس کے استعمال سے ہم کو کوئی رد کنے والا نہیں۔

اکبر الٰہ آبادی نے ایسے ہی لوگوں کے حق میں لکھا ہے ؎

جو جی میں آئے آپ کے وہ کام کیجئے ۔۔۔ بس انجمن میں دعویٰ اسلام کیجئے

بہر حال مسلم بینک کا واحد مقصد مفلوک الحال غریب لوگوں کو روپیہ قرض دے کر سود ہی وصول کرنا ہے اور چونکہ ہر مسلم بینک کو بھی ایک مضبوط قانونی طاقت حاصل ہے جو غریب کاشت کاروں سے وصول کے وقت ہر ممکن طریقہ اختیار کر لیتی ہے اور مفلس کاشتکار جو دانہ دانہ کو محتاج ہوتا ہے اپنی زمین مکان مویشی وغیرہ گرو رکھنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے،

اقبال مرحوم نے ایسے ہی مفلوک غریب اور مظلوم کاشتکاروں کے متعلق لکھا ہے ؎

دہقاں ہے کسی قبر کا گلا ہو مردہ ۔۔۔ بوسیدہ کفن جس کا ابھی زیر زمیں ہے

جاں بھی گرو غیر۔ بدن بھی گرو غیر ۔۔۔ افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ مکیں ہے

(مصباح بابت رجب و شعبان ۱۳۶۲ھ۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۳۹۶ و ۳۹۷)

سوال:۔ بعض لوگ دار الحرب میں سود کا جواز بیان کرتے ہیں الخ کیا یہ قول صحیح ہے؟

جواب:۔ فقہ حنفیہ کی ایک روائیت ہے کہ دار الحرب میں سود لینا جائز ہے۔ مگر یہ روائیت کوئی صحیح نہیں ہاں دار الحرب کے احکام دار الاسلام سے مختلف نہیں۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۳)

سوال:۔ دار الاسلام اور دار الحرب کی کیا تعریف ہے، ہندوستان کس قسم سے ہے؟

جواب:۔ دار الاسلام وہ ملک ہے جہاں ادائے ارکان اسلام کی آزادی ہو اور حدود شرعیہ جاری ہوں جیسے آج کل حجاز نجد وغیرہ۔ دار الحرب وہ ہے جس کا بادشاہ غیر مسلم ہو اور مسلم حکومت سے اس کی جنگ ہو ہندوستان نہ دار الاسلام ہے نہ دار الحرب بلکہ بقول مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم دار اسلم ہے

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۳)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین درباب سود کے کہ فی زماننا اکثر اہل اسلام بدلیل اس کے کہ یہ ملک دار الحرب ہے اور دار الحرب میں سود لینا درست ہے، آپس میں ہندوؤں اور مسلمانوں سے سود لیتے ہیں اور دیتے ہیں آیا اس حیلہ سے سود لینا مسلمانوں کو اس ملک میں درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب:۔ درصورت مرقومہ جاننا چاہیئے سود کا لینا اور دینا خواہ دار الاسلام ہو خواہ دار الحرب میں حرام اور ممنوع ہے، نزدیک امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد اور امام ابویوسف اور جمہور علماء رحمہم اللہ کے کیونکہ قرآن و حدیث اور اجماع صحابہؓ سے حرمت ربوا کی ثابت ہے قطعاً مگر امام ابوحنیفہؒ و امام محمد فرماتے ہیں کہ دار الحرب میں کافر حربی سے سود لینا درست ہے، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے ملک ہندوستان رنگون سے لے کر پشاور تک ہرگز دار الحرب نہیں مطابق مذہب امام صاحب کے اس لئے کہ موافق تحقیق اور تنقیح علمائے متاخرین حنفیہ کے دار الحرب کی تعریف نزدیک امام صاحب کے یہ ہے کہ جب کہ کل شعائر اسلام کے موقوف ہو جاویں تو اس صورت میں دار الاسلام دار الحرب ہو جاتا ہے، اور جب تک ایک سبب بھی شعائر اسلام کا موجود ہوگا تو دار الحرب نہ ٹھہرا، نزدیک امام صاحب کے بھی حرام و ممنوع ہوگا۔

دَلَّهٗ اِنَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةَ صَارَتْ دَارُ الْاِسْلَامِ بِاِجْرَاءِ اَحْكَامِ الْاِسْلَامِ فِيْهَا فَمَا بَقِيَ شَيْئٌ مِنْ اَحْكَامِ دَارِ الْاِسْلَامِ فِيْهَا يَبْقٰى دَارُ الْاِسْلَامِ عَلٰى مَا عُرِفَ اِنَّ الْحُكْمَ اِذَا ثَبَتَ بِعِلَّةٍ فَمَا بَقِيَ شَيْئٌ مِنَ الْعِلَّةِ يَبْقٰى بِبَقَائِهٖ. هٰكَذَا ذَكَرَ شَيْخُ الْاِسْلَامِ اَبُوْبَكْرٍ فِيْ شَرْحِ سِيَرِ الْاَصْلِ وَذَكَرَ فِيْ مَوْضِعٍ آخَرَ مِنْهَا اِنَّ دَارَ الْاِسْلَامِ لَا تَصِيْرُ دَارَ الْحَرْبِ اِذَا بَقِيَ شَيْئٌ مِنْ اَحْكَامِ الْاِسْلَامِ وَاِنْ زَالَ غَلَبَتُهٗ وَذَكَرَ صَدْرُ الْاِسْلَامِ اَبُو الْيُسْرِ فِيْ سِيَرِ الْاَصْلِ اَيْضًا۔ اِنَّ دَارَ الْاِسْلَامِ لَا تَصِيْرُ دَارَ الْحَرْبِ مَا لَمْ يَبْطُلْ جَمِيْعُ مَا بِهٖ صَارَتْ دَارُ الْاِسْلَامِ كَذَا ذَكَرَهٗ فِيْ بَابِ اَحْكَامِ الْمُرْتَدِّيْنَ. وَذَكَرَ شَيْخُ الْاِسْلَامِ الْاَسْبِيْجَابِيُّ فِيْ مَبْسُوْطِهٖ اِنَّ دَارَ الْاِسْلَامِ مَحْكُوْمَةٌ بِكَوْنِهَا دَارُ الْاِسْلَامِ فَيَبْقٰى هٰذَا الْحُكْمُ بِبَقَاءِ حُكْمٍ وَاحِدٍ فِيْهَا وَلَا تَصِيْرُ دَارُ الْحَرْبِ اِلَّا بَعْدَ زَوَالِ الْقَرَائِنِ كُلِّهَا وَدَارُ الْحَرْبِ تَصِيْرُ دَارُ الْاِسْلَامِ بِزَوَالِ بَعْضِ الْقَرَائِنِ وَهُوَ اِنْ يَجْرِيَ فِيْهَا اَحْكَامُ الْاِسْلَامِ وَذَكَرَ الْاِمَامُ فِيْ وَاقِعَاتِهٖ هٰكَذَا وَذَكَرَ السَّيِّدُ الْاِمَامُ نَاصِرُ الدِّيْنِ فِي الْمَنْشُوْرِ اِنَّ ....

دار الاسلام باجراء احکام الاسلام یترجح جانب الاسلام کذا فی الفصول العمادیۃ وھکذا فی الطحطاوی والدر المختار وغیرھما من کتب الفقہ قال مولانا عبد العزیز دھلوی بعد نقل ھذہ الروایات المذکورۃ فی جواب المسائل المستفتی ا نعلم من ھذہ الروایات الفقہیۃ ان ھذہ البلاد لا تصیر دار الحرب علی مذھب الامام الاعظم ابی حنیفۃ بل تکون دار الاسلام کما کان ولا یجوز للمسلم اخذ الربوا من نصرانی وغیرہ لان حرمتہ قطعیۃ ثابتۃ بالآیۃ بقولہ تعالی احل اللہ البیع وحرم الربوا وبقولہ علیہ الصلوۃ والسلام لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا وموکلہ کما ھو مذکور فی کتب الاحادیث من الصحاح الستۃ وعلی مذھب صاحبیہ تصیر دار الحرب اذا اجری فیھا احکامھم وفی اخذ الربوا من الحربی اختلاف فعند الامام الشافعی ومالک واحمد وابی یوسف رحمھم اللہ تعالی لا یجوز فی دار الحرب ایضا وعند الامام الاعظم ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ ومحمد یجوز فی دار الحرب کما قال فی الھدایۃ ولا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب خلافا لابی یوسف و الشافعی انتھی ما نقل مولانا المرحوم مختصرا۔ اور مولانا محمد اسحاق صاحب مرحوم مغفور نے بھی بیچ جواب مستفتی کے ارشاد فرمایا ہے کہ سود لینا دار الحرب میں حربی سے درست نہیں، چنانچہ عبارت فتویٰ جناب مولانا مبروری بعینہ نقل کی جاتی ہے۔ در حل حرمت مبلغ سود در دار الحرب از حربیان کلامے است وآں این است کہ حرمت ربوا بنص قطعی ثابت است کما قال اللہ تعالی احل اللہ البیع وحرم الربوا وحلت ربوا از کافر حربی در دار الحرب ظنی است پس عمل کردن بر دلیل اقوی اوکد است خصوصا وقتیکہ در دار الحرب بودن این دیار علماء را اختلاف باشد پس اجتناب در گرفتن سود از حربی اوکد والزم خواہد بود ونیز قاعدہ فقہ است اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام واین وقتے باشد کہ ہر دو دلیل در یک رتبہ باشد وچوں یک دلیل کمتر باشد از دلیل دیگر پس عمل بر اقوی موکد ترمیشود بنابریں قاعدہ ہم ربوا از حربی نباید گرفت وآئندہ از معاملہ سود گرفتن از حربی چہ جائے مسلم اجتناب باید نمود تمام شد عبارت فتاویٰ جناب مولانا مرحوم۔ واجب ہے مسلمانوں دیندار سعادت شعار پر کہ کہنے سے کسی نیم ملاں کے سود کے لینے دینے سے اگرچہ دار الحرب میں ہو پرہیز واجتناب ضرور کریں

اور مضامین ان آیتوں سے خوف و خطر میں رہیں چنانچہ خدا تعالیٰ سود خواروں کے حق میں فرماتا ہے۔ وَلَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا۔ فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ۔ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین	فقیر محمد خواجہ ضیاء الدین احمد	ہذا الجواب

سید محمد ہاشم	صحیح۔ محمد قطب الدین	الجواب حق والمجیب محقق	محمد مسعود نقشبندی

حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ	محمد یوسف

چونکہ دو سوال مرقوم است کہ سود فی زماننا اکثر اہل اسلام بدلیل این کہ این ملک دار الحرب است و در دار الحرب سود گرفتن درست است ہندو و مسلمان باہم دیگر سود می گیرند و می دہند پس ازیں حیلہ سود گرفتن مسلمانان را دریں ملک درست است یا نہ۔

جواب این سوال صرف این قدر باید کہ این ملک دار الحرب نیست حسب روایات استنقا دریں صورت سود گرفتن۔ بالاتفاق درست نیست و سائل سوال از چین و روس کہ بالاتفاق دار الحرب ہستند نمی کند کہ در جواب نوشتہ شود و گفتگو دریں مقدمہ بسیار است و در کتب خمسہ امام محمد مرقوم است کہ طول بسیار می خواہد پس جواب بہ این قدر ہست کہ این ملک دار الحرب نیست و دستخط ہم بریں است و بر دیگر روایات نیست کتبہٗ صدر الدین صدر الصدور سابق دہلی بقلم خاکسار محمد سبحان علی لکھنوی۔

نوٹ:۔ خلاصہ ان فتووں کا یہ ہے کہ سود لینا کسی حال میں بھی درست نہیں، اور ہندوستان دار الحرب نہیں ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۱۴۳ و ص ۱۴۴)

بحث سود بحالت اضطراری

(از حضرۃ العلام مولانا ابوالقاسم صاحب بنارسی رحمہ اللہ)

یہ بات تو بدیہی ہے۔ کہ قرآن مجید میں جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ ان میں سود کی حرمت بھی منصوص ہے، أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا۔ لیکن سود کی حرمت علیحدہ بیان کرنے میں اور اشیاء محرمات سے کیا حکمت و راز ہے۔ اور کیوں سود کے بیان میں حالت اضطراری قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ اور خنزیر

وغیرہ میں اضطراری کا ذکر موجود ہے، وجہ صاف کہ جو اشیاء محرمات حالت اضطراری میں قدرے قلیل بطور قوت کا یموت میں روا رکھی گئی ہے سود ہرگز ہرگز ان میں نہیں ہے۔ لہٰذا کیسی ہی اضطراری ہو، سود کسی حالت میں جائز نہیں۔ طرہ یہ کہ اشیائے محرمات جو بحالت اضطراری جائز رکھی گئی ہیں اس کا حقدار نہایت قلیل ہے تو سود جب بحالت اضطرار جائز ہوگا۔ تو اس کا مقدار بھی قلیل ہوگا۔ حالانکہ یہ عرفاً ممکن نہیں۔ اور اول تو جواز ہی بحالت اضطراری اور بیلے مشکل ہے قرآن مجید میں ایک صورت اضطراری کی ربٰو میں البتہ یوں مذکور ہے وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ تو اس کے بارے میں فرمایا فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ اس میں بھی اجازت نہیں، بخشی[1] فَاقْهَمُوْ۔ (۲ رمئی ۱۹۱۳ء)

سوال:۔ ایک شخص نے دوسرے شخص کے پاس سو روپیہ کے عوض اپنی زمین گرد رکھی اس شرط پر کہ تین برس کے بعد ہم روپیہ دے کر زمین واپس کریں گے اور اس مدت میں جو کچھ پیداوار کا منافع ہو وہ اپنے مصرف میں لادے اور مالگذاری بھی ادا کرتا ہے؟

جواب:۔ بعض علماء اس صورت کو گائے والی صورت (لَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهِ) پر قیاس کرتے ہیں۔ کہتے ہیں زمین کا لگان مرتہن کے ذمے مثل گائے کی خوراک کے برابر ہے۔ بعض اس سے منکر ہیں اختلاف سے نکلنے کے لئے مالک کو بھی کرایہ زمین کے طور پر کچھ دے دیا کرے۔ خواہ تھوڑا ہی ہو تو جائز ہے۔

(۱۲ رجمادی الثانی ۱۳۳۵ھ) (فتاوٰی ثنائیہ جلد ثانی صـ۳۳۰ و ۳۳۱ طبع لاہور)

سوال:۔ یہاں اگر دیں پکا چمڑہ فروخت کرنے والوں نے ایک انجمن قائم کی ہے اس انجمن کے کچھ قواعد ہیں، منجملہ ان کے تین یہ ہیں:۔

(۱) جو کوئی نئی دکان کھولتا ہے۔ اس سے سوا سو روپیہ چندہ لیا جاتا ہے، اگر کوئی نہ دے، تو مجبران اس کے ہاتھ فروخت نہیں کرتے۔

(۲) ہر ایک دکاندار سے چار آنہ ماہوار چندہ لیا جاتا ہے۔

(۳) جو ممبر انجمن کے قواعد کی خلاف ورزی کرے۔ اس کو جرمانہ کیا جاتا ہے۔ اور یہ آمدنی ایک جگہ جمع رہتی ہے جو انجمن کی ضروریات میں خرچ کی جاتی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی انجمن میں شامل ہونا اور چندہ دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] مزید معلومات کیلئے اگلے صفحات حضرت مولانا عبدالسلام صاحب بستوی کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ راز مرحوم

اور اوپر تینوں قواعد میں شریعت کا حکم ہے اگر جرمانہ لینا شرعاً ناجائز ہو تو انجمن کے قواعد کی خلاف ورزی کرنے والے کے لئے کون سی سزا دینی چاہیئے۔ جو شریعت کے مطابق ہو؟

(محمد صدیق سیکرٹری انجمن اہلحدیث آگرہ)

جواب:۔ بغرض رفاہ عامہ پر یا بغرض انتظام یہ شروط ہیں تو جائز ہے اور اگر یہ اور کسی ناجائز کام ناچ رنگ وغیرہ میں خرچ ہو تو ناجائز ہے۔ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (۶ر شعبان ۱۳۴۷ھ)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ثانی ص۴۳۱)

سوال:۔ چوسہ ساگوانی وغیرہ وغیرہ جو بغیر تخم ریزی انسان کے پہاڑوں پر اُگے ہوئے ہوتے ہیں، اس کے فروخت کرنے کی ملازمت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ کسی شخص نے اگر جائز طرح سے اس پر قبضہ کیا ہے تو اس کی ملازمت کرنا بھی جائز ہے، ظلم سے ہے تو جائز نہیں۔ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (۲۰ر جنوری ۱۹۱۱ء)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ثانی ص۴۳۱)

سوال:۔ ایک حجام سر مونڈنے کا کام کرتا ہے، جس میں اسے ڈاڑھی بھی مونڈنا پڑتی ہے، پہلے تو مونڈتا تھا اب اس کو اسے کام سے نفرت ہو گئی ہے اب وہ کیا کرے ڈاڑھی مونڈے یا نہ مونڈے تو کھائے کیا؟

جواب:۔ ڈاڑھی منڈانا اور مونڈنا دونوں گناہ ہیں، اللہ سے ڈر کر یہ کام چھوڑے گا۔ تو خدا اور طرح سے اس کو رزق دے گا۔ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ الآیۃ۔ ۲۵ر جون ۱۹۳۰ء۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ثانی ص۴۳۱، ص۴۳۲)

سوال:۔ اسامی جس نے چار روپیہ کے حساب لاؤں کپاس لگایا تھا۔ اس کے پاس کپاس ہے نہ روپیہ اس صورت میں بازاری نرخ سے جو سات یا آٹھ روپیہ ہوتے ہیں اس کی کھالیں دو سال آئندہ لینے کا اقرار نامہ لیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ایک عقد میں دو عقد کرنے منع ہیں، ایک عقد کا فیصلہ پہلے کر لیا جائے مبلغ وصول ہو یا اصل رقم اس کے بعد دوسرا عقد کیا جائے۔ ۱۶ر جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ثانی ص۴۳۲)

سوال:۔ مردار کا چمڑا گیلا خریدنا اور فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:۔ مردار کے چمڑے کی خرید و فروخت۔ دباغت۔ رنگنے سے پہلے۔ جائز ہے بعض سلف سے ایسا ہی منقول لیکن اس سے فائدہ اٹھانا میرے ناقص علم میں جائز نہیں ہے واللہ اعلم۔ ۱۱ صفر ۱۳۶۱ھ

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ثانی ص ۴۳۲)

توضیح:۔ یعنی کچے چمڑے کو استعمال کرنا جائز نہیں دباغت کے بعد استعمال جائز ہے (سعیدی)

سوال:۔ بیع سلم جائز ہے یا نہیں بیع سلم کیا ہوتی ہے اس کے شرائط کیا ہیں؟

جواب:۔ بیع سلم میں مبیع۔ وقت۔ قیمت۔ اور جگہ مقرر ہوتی ہیں قیمت دی جاتی ہے اور مبیع وقت مقررہ پر لی جاتی ہے۔ یہ اب بھی جائز ہے۔ ۱۴ رجادی الثانی ۱۳۵۶ھ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ثانی ص ۴۳۲)

نوٹ:۔ مفصل تشریح پیچھے گذر چکی ہے۔ مؤلف۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۴۳۲)

سوال:۔ بعض دوکاندار سبزی وغیرہ لوگوں کو اس شرط پر دیتے ہیں کہ فصل کے موقع پر بحساب سبزی یعنی جتنی سبزی اتنی ہی گندم لیتے ہیں کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں!

جواب:۔ یہ بیع ممنوعہ بیعوں سے نہیں ہے اللہ اعلم۔ (اہلحدیث امرتسر۔ ۲۸ رجون ۱۹۳۰ء)

سوال:۔ ایک مسلمان دوکاندار کے لئے یہ بات جائز ہے کہ ایک چیز کی قیمت سے ڈیوڑھی ۱½ گنی۔ قیمت کرے اور جتنے پر گاہک راضی ہو جائے۔ اس سے لیوے اور ایک ہی چیز کی رقم ایک آدمی سے ایک روپیہ اور دوسرے سے بارہ آنے اور تیسرے سے آٹھ آنے لے لیوے؟

جواب:۔ قیمت میں رد و بدل جائز ہے زیادہ کہہ کر کم کر سکتا ہے مگر گاہک کو دھوکہ نہ دے یوں نہ کہے۔ کہ میری خرید اتنی ہے، حالانکہ اصل میں ایسا نہ ہوا (۱۹ فروری ۱۹۴۱ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ثانی ص ۴۳۳)

سوال:۔ کھجور کا کھٹا رس اور تاڑ کا میٹھا اور کھٹا رس جس پینے سے آدمی مدہوش ہو جاتا ہے اور بھلا برا تمیز نہیں رہتا، اس کو خمر کہا جائے گا۔ اور اس کا پینا حرام ہے یا نہیں۔ بصورت حرام اس کا پینے والا بیچنے والا رس نکالنے کے لئے درخت اجارہ پر دینے والے کا گناہ برابر ہے یا مختلف اور شریعت میں ان کے حدود کیا ہیں؟

جواب:۔ تاڑ کے رس میں صبح کے وقت نشہ نہیں ہوتا، اس لئے پینا جائز ہے جس وقت نشہ آور ہو جائے تو بحکم کُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ اس کا پینا ناجائز ہے، تاڑ کے درخت کی مطلق بیع جائز ہے

کیونکہ بذاتہ مسکر نہیں۔ (اہلحدیث امرتسر ۱۲ جنوری ۱۹۱۳ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ثانی ص۳۲)

تعاقب س ۱۔ سوال ۱۱۱ کا جو آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ صبح صبح جب تاڑی اُتارتے ہیں اس وقت نشہ نہیں ہوتا یہ تجربہ آپ کو کیسے ہوا کہ صبح کی تاڑی میں نشہ نہیں ہوتا صوبہ بہار میں علی الصباح تاڑی اتارتے ہیں اور پینے والے اسی وقت پینا شروع کر دیتے ہیں اور ان میں نشہ بھی ہوتا ہے اس فتویٰ کو سن کر عام جہلا خوشی منا رہے ہیں کہ جب صبح کی تاڑی پینا شرعاً جائز ہے تو اب صبح کی تاڑی پیا کریں گے، مہربانی فرما کر تحقیق کر کے اس فتویٰ کو دوبارہ اہلحدیث اخبار میں شائع کریں۔ راقم کمترین ماسٹر قطب الدین احمد از بھدلسیر خریدار ۱۱۳۶۹)

جواب ۱۔ ہم نے صوبہ بہار میں خود دریافت کیا تو یہی بتایا گیا کہ صبح سویرے تاڑی نشہ آور نہیں ہوتی اب جو آپ نے اس کی بابت لکھا ہے تو صحیح فتویٰ یہی ہو گا، کہ تاڑی ہر حال میں حرام ہے، مزید تحقیق کے لئے مولوی حکیم عبد الخبیر صاحب کو تکلیف دیتا ہوں کہ صحیح تحقیق سے اطلاع دیں، سوال قابل غور اتنا ہے کہ تاڑی نچڑنے میں۔ نشہ آور ہو جاتی ہے یا سورج چڑھے، اس میں نشہ پیدا ہوتا ہے۔ (۱۲ مارچ ۱۹۱۳ء)

تاڑی کی تحقیق

جناب مولانا صاحب اما بعد، آپ نے کھجور کی تاڑی کی مزید تحقیق کے متعلق جناب مولوی حکیم عبد الخبیر صاحب کو تکلیف دی ہے، مجھ کو جہاں تک تحقیق ہے۔ لکھتا ہوں۔ بنگال میں خصوصاً ضلع راجشاہی اور ضلع جسرو ضلع ندیہ میں کثرت سے تاڑی ہوتی ہے ضلع جسر میں لوگوں کی زبانی سنا ہے کہ جس کے مکان یا زمین میں ایک سو درخت کھجور کے نہ ہوں اس کے مکان میں کوئی شادی نہیں کرتا، گویا کھجوروں کے درخت ان کی جائداد ہے، ماسٹر قطب الدین احمد صاحب نے جو لکھا ہے کہ یقیناً صبح کی تاڑی میں نشہ ہوتا ہے۔ یہ کہنا ماسٹر صاحب کا غلط ہے میں نے بخوبی تجربہ کیا ہے کہ صبح سویرے تاڑی نشہ آور نہیں ہوتی۔ دن کے دس بجے تک بہت عمدہ رہتی ہے اگر اس دھوپ میں دو گھنٹہ یا چار گھنٹہ رکھا جائے، تو البتہ نشہ آور ہو جاتی ہے میں خاص کر کے اس (شیرہ) کو جسے آپ لوگ تاڑی کہتے ہیں پینے کے لئے تاڑی کے موسم میں ضلع راجشاہی مرشد آباد جاتا ہوں اور دو ماہ برابر وہاں رہتا ہوں اکسی قسم کی نشہ آوری نہیں (مولوی محمد عبد الرحیم۔ موضع ایموہا۔ ڈاکخانہ راج گاؤں بیربھوم۔ ۱ اپریل ۱۹۱۳ء)

تاڑی کی تشریح

اہلحدیث کے کسی پرچہ میں تاڑی کو دو قسم میں لکھا گیا ہے۔ ایک بے نشہ حلال دوسری بانشہ حرام۔ اس کی مزید تحقیق تاڑی والے علاقہ سے دریافت کی گئی جس کے جواب میں مولانا عبدالجلیل صاحب سامرودی کا خط آیا ہے جو درج ذیل ہے۔ پرچہ اہلحدیث میں تاڑی کے ماحصل پینے پر استفسار ہمارے علاقے گجرات میں درخت تاڑ اور درخت خرماں ان دونوں سے ایک قسم کا عرق برآمد ہوتا ہے، جو شربت سے بھی زیادہ شیریں ہوتا ہے اس کو حفاظت سے دن بھر رکھئے بالکل نشہ نہیں آتا! اس کے نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ تاڑ یا کھجور کے درخت کو چھید کر شام کو ٹھنڈے پہر ایک برتن مٹی کا باندھ دیتے ہیں، اس درخت میں سے قدرت نے ایک وقت رکھا ہے اس وقت اس میں وہ عرق اس طرح ٹپکتا ہے۔ جس طرح شیر دار جانور کا دودھ تھن میں بھر کر ٹپکنے لگتا ہے، فرق اتنا ہے کہ دودھ نکالنا پڑتا ہے اور یہ قدرتی طور پر اتر پڑتا ہے اسے علی الصباح اتارا جاتا ہے یہ سرد اور شیریں ہوتا ہے اسے ہم لوگ نیرا کہتے ہیں اس میں نشہ نہیں ہوتا خواہ دن کو نکلے یا رات کو کوئی تعلق نہیں البتہ جس برتن میں باندھا جاتا ہے اس کے تئے اگر شب کو ابر ہو جاوے تو وہ نیرا پھوٹ جاتا ہے، رنگ بھورا ہو جاتا ہے، ترشی آجاتی ہے اس میں نشہ ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ نیرا سرد صاف شیریں اس میں بذاتہ نشہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کو دھوپ میں رکھا جاوے یا آگ پر تو اس میں پھر جوش آجاتا ہے، اور نشہ لاتا ہے، جس درخت سے نیرا اتارا جاتا ہے، اس زمانہ میں سیندھی نہیں اترتی۔ اور سیندھی کے زمانہ میں یہ نہیں اترتا تاہم لوگ اس سے خوب واقف ہیں، اس کے حلال ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں الانشہ کے زمانہ میں۔ (عبدالجلیل)

دوسرے صاحب پٹنہ سے لکھتے ہیں جنہوں نے اپنا نام نہیں لکھا ان کی تحریر یہ ہے جناب حضرت مولانا صاحب سلمہ الرحمٰن، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں نے اہلحدیث اخبار میں بابت تاڑی یہ مضمون پڑھا بعدہٗ اس پر تعاقب کیا اس پر آنجناب نے مولوی پٹنوی سے دریافت کیا واللہ اعلم مولانا موصوف نے کیا جواب دیا، کمترین بہ حیثیت مسلمان ہونے کی وجہ سے تجربہ کی بنا پر تحریر کرتا ہوں کہ برتن صاف بعد غروب آفتاب درخت سے شاخ دھو کر دھو کر باندھ دیں، طلوع آفتاب سے

پیشتر اتار کر استعمال کریں۔ اگر برتن غیر صاف یا گرمی پہنچنے سے ذرہ برابر جھاگ آجاوے تو بوجہ جھاگ نشہ آور خواہ تھوڑی یا زیادہ مقدار ہوجاوے گی۔ (اہل حدیث یکم مئی ۱۹۳۶ء)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ و صفحہ ۲۲۲)

تعاقب ہمارے ہاں تازہ تاڑ بھی نشہ دیتا ہے۔ آپ کے پنجاب میں ایسا تاڑ ہے جو نشہ نہ دے آپ نے اس کے جواز کا کیوں فتویٰ دیا؟ (راقم از مئو)

جواب:۔ پنجاب میں تاڑ نہیں دیکھا، پٹنہ وغیرہ میں سنا تھا کہ تازہ میں نشہ نہیں ہوتا مدار حرمت نشہ پر ہے لہٰذا جو تاڑ ایسا ہو کہ اس کے اور باسی دونوں میں نشہ ہوتا ہو ہر حال میں حرام ہے، بحکم کُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۰)

سوال:۔ سود کے پیسے سے زراعت کی زمین لینا جائز ہے یا نہیں؛ اور زراعت کی پیداوار جائز ہے یا نہیں اور پیداوار کے پیسے سے صدقہ خیرات وغیرہ کرنے سے ثواب ہوگا یا نہیں از روئے قرآن و حدیث کیا ثابت ہے؟

جواب:۔ سود حرام ہے جو خریدا جائے گا وہ بھی حرام ہوگا۔ اللہ اعلم۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۹)

سوال:۔ زید بیوپار کرتا ہے اپنے حسب منشار۔ مثلاً عمرو کو ایک چیز پانچ روپیہ کو دی، وہی چیز بکر ۴ صد کو دی، ایسا ہی خالد کو ۴ صد کو دی، زید نے عمرو۔ بکر و خالد کو مذکور مال صاف گوئی کے ساتھ دیا ہے، عمرو و بکر و خالد خوشی کے ساتھ لے گئے۔ زید اپنی دی ہوئی چیز اسی وقت ناپسند ہو تو لینے کو بھی تیار ہے، تو زید کی ایسی تجارت کو شرع میں کیا حکم ہے؟

جواب:۔ جائز ہے۔ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً تُدِیْرُوْنَھَا بَیْنَکُمْ میں داخل ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۰)

سوال:۔ ایک چینا قوم کافر نے ایک شخص کا حقہ ایک دفعہ منہ میں ڈال دیا۔ اور وہ چینا کی زبان دوسری تھی یعنی نہ وہ کسی کی بات سمجھتا تھا اور نہ اس کی زبان کوئی سمجھتا تھا، جس شخص کا وہ حقہ تھا اس نے ۱۲ روپے میں وہ حقہ خرید کیا تھا لیکن اب اس چینے کافر کو ڈرا کر اور دھمکی دے کر مبلغ دو روپیہ بالعوض اس حقہ کے لئے اور وہ حقہ اسی کے حوالے کر دیا اس چینے نے اس حقہ کو اسی وقت توڑ ڈالا کیونکہ چینے لوگ اس حقہ کو استعمال نہیں کرتے۔ اب سوال یہ ہے کہ ۱۲؍ جو قیمت خرید زیادہ لئے شرعاً جائز

ہیں یا نہیں، اور یہ وہ شخص لے سکتا ہے، اس وقت اس چھینے سے جتنا چاہے ڈر کر لے سکتے تھے؟

جواب: اصل قیمت سے جتنا زیادہ لیا ظلم ہے، اس کو واپس کرنا چاہئے۔ واپس نہ کریں گے تو خدا کے نزدیک وہ دعوے دار رہے گا۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۲۲)

سوال: اگر دکان میں کوئی اجنبی گاہک مال خریدنے آئے، اور قیمت دے جائے یا دوسری دکان سے خرید کر لایا ہو اور مال بھول کر چلا جاوے اور یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کہاں کا رہنے والا تھا، تو اب اس کے بھولے ہوئے مال اور چیز کو کیا کیا جاوے؟

جواب: بھولی چیز لُقطہ ہے ایک سال تک اس مالک کا انتظار کیا جاوے نہ آئے تو اس کو پہچان کر استعمال کریں کبھی اس کا مالک آجائے تو قیمت دے دیں۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۲۲)

سوال: مستورات کو ٹاکیز سینما وغیرہ دکھلانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مستورات کو ایسی مجالس میں لے جانا ان کی ذہنیت پر برا اثر ڈالنا ہے۔ (۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ)

نوٹ: سینما بائیسکوپ۔ فلم آج کل بڑے وسیع پیمانے پر بطور تجارت و روزگار کے اپنایا جا رہا ہے، جس میں بے شمار منکرات ہیں۔ ان کی تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل تشریح ملاحظہ کیجیے۔

تشریح از قلم حضرت العلامہ مولانا ابو الفضل عبد المنان صاحب دہلوی

مغربی دنیا فخر کرتی ہے اور اسے ناز ہے کہ وہ اپنے علوم و فنون اور ایجادات سے تمام بنی انسان کو فائدہ پہنچا رہی ہے، لیکن اہل مغرب نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ ان کے علوم و فنون سے دنیا کو نقصانات کس قدر پہنچ رہے ہیں، یورپ کے علوم و فنون اور اس کی ایجادات و اختراعات کی منفعت بخشی کے ہم معترف اور قائل ہیں، اس نے بری و بحری دشوار گذار راستوں کو آسان سے آسان تر کر دیا، انسان آسمان پر اڑنے لگا زمین کی طویل مسافتیں چند دنوں اور چند گھنٹوں میں طے کی جانے لگیں۔ چند منٹوں بلکہ لمحوں میں دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک دم بدم کی خبریں پہنچنے لگیں، آدمی ایک جگہ بیٹھا ہوا دنیا بھر کی خبریں تقریریں سن سکتا ہے، یہ سب کچھ صحیح اور بجا مگر ان علوم و فنون کی ایجاد و اختراع کی روز افزوں ترقی ہی نے یورپ کی جوع الارضی کو اس قدر تیز کر دیا ہے کہ اسے کسی طرح قناعت نہیں ہوتی۔ اصل یورپ کے

تقریباً تمام مشرقی قوموں کو اپنا غلام اور محکوم بنالیا ہے اور اگر کوئی قوم خوش نصیبی سے اب تک ان کی گرفت سے بچی ہوئی ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی آزادی بھی کب تک برقرار رہے۔

بہادر حبشیوں کی دردناک تباہی کا جگر پاش منظر بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے حبشیوں کو اطالیوں کی تہذیب و شائستگی اور ان کی شجاعت و مردانگی نے نہیں بلکہ تباہ کن ایجادات و اختراعات نے غارت کیا، جنگیں پہلے بھی ہوا کرتی تھیں۔ لیکن پہلے نہ اس درجہ ہوس ملک گیری تھی نہ ایسے تباہ کن حالات تھے کہ آناً فاناً میں ساری دنیا کا امن و امان درہم و برہم ہوجائے، یہ سب یورپ کے علوم و فنون، اور نوع بنوع ایجادوں اور اختراعوں کی ہولناکیاں و تباہکاریاں ہیں۔ یورپ کے علوم و فنون اور اس کی ایجاد و اختراع سے صرف امن و امان ہی کو نقصان نہیں پہنچ رہا ہے، بلکہ مذہب و اخلاق اور تہذیب و شرافت کی وہ تباہی ہورہی ہے کہ الامان الحفیظ۔

سینما یورپ کی ایک عالم فریب مخرب اخلاق ایجاد ہے پہلے تو تصویریں جانداروں کی طرح صرف نقل و حرکت ہی کرتی تھیں لیکن سنا ہے کہ اب وہ باتیں کرنے اور گانے بھی لگی ہیں، اس سے اس کی دلآویزی میں بیش از بیش اضافہ ہوگیا ہے، یہ ایجاد بھی اپنے اندر بہت سی تباہیوں اور بربادیوں کا سامان رکھتی ہے جہاں یورپ اور امریکہ سے بہت سی وبائیں ہندوستان میں آئیں سینما بھی آیا، یورپ اور امریکہ خوش حالی دولت مندی، فارغ البالی کی انتہا نہیں ہے، وہاں مال و دولت کی بارش ہوتی ہے، اس کے برعکس ہندوستان مفلس و قلاش ہے، نوے فیصدی آدمیوں کو بھی دونوں وقت پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملتی، لیکن سینما کی دلچسپیوں کا یہ حال ہے کہ دن بھر مزدوری کرکے چار آنے پیسے کمانے والا بھی سینما دیکھے بغیر نہیں رہتا۔ خواہ اس کے اہل و عیال رات کو بھوکے سوجایا کرتے ہوں، سینما نے جہاں ہندوستان کو مالی تباہی و بربادی کے گڑھے میں دھکیل دیا ہے۔ وہاں ہندوستانی شرافت و تہذیب کا جنازہ بھی نکال دیا ہے، بداخلاقی و بے حیائی عام کردی ہے اب سینما کی تباہکاریاں و برق پاشیاں مردوں سے گزر کر عورتوں تک پہنچ چکی ہیں، ہزاروں شریف گھرانوں کی بہو بیٹیاں سینما میں جاتی ہیں۔ اور نہایت دیدہ دلیری اور ڈھٹائی سے سینما کے حیاسوز اور مخرب اخلاق مناظر دیکھتی ہیں اور صد نفرین و لعنت ہے ان کے شوہروں پر کہ وہ انہیں روکتے تو کیا بلکہ خود لے جاتے، اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، سینما کی ترویج سے پہلے عصمت فروش و آوارہ و باختہ

عورتوں کی مجلس میں کوئی وقعت وحیثیت نہ تھی، لیکن سینما کی برکتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے آبرو باختہ عورتوں کو ایک خاص پوزیشن دے دی، اب لوگ علانیہ زنڈلوں کی شان میں قصیدے لکھ رہے ہیں۔ اور مدیران اخبار ان کی تصویریں اپنے پرچوں میں شائع کر رہے ہیں ان تصویروں کے نیچے جہاں آرا بیگم زبیدہ بانو، مختار بیگم اور اسی طرح دوسرے معزز نام درج ہوتے ہیں جن گھروں میں ان ذلیل اور فاحشہ عورتوں کا نام لینا بھی گناہ اور موجب شرم سمجھا جاتا تھا، اب ان گھروں میں ان کی تصویریں آویزاں ہیں اور جن مجلسوں میں ان کا تذکرہ مکروہ خیال کیا جاتا تھا، ان ہی مجلسوں میں اب فخریہ ان کے تذکرے کئے جاتے ہیں، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سینما نے ہمارے ملک کی اخلاقی حالت کو کس طرح تباہ و برباد کر دیا ہے، سینما سے ملک کے نوجوان جس طرح برباد ہو رہے ہیں وہ ناقابل برداشت مصیبت ہے، وہ سینما میں ایکٹروں کو دیکھتے ہیں اور اپنی زندگی کو بھی ان ہی زندگی کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے بے اختیار ہو جاتے ہیں پھر ان کو اس کا خیال مطلق نہیں رہتا کہ ان کا گھر برباد ہو گا۔ تجارت ملیامیٹ ہو گی، تعلیم ادھوری رہ جائے گی، وہ سب سے بے پرواہ ہو کر نگار خانوں کا طواف شروع کر دیتے ہیں، ملک کے دور دراز مقامات کے نوجوان کلکتہ اور بمبئی کا سفر کرتے ہیں، اور ایکٹر بننے کے لئے طرح طرح کے نقصانات اور مصائب و آرام میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ان تمام والہانہ ایثار و قربانی سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ انہیں خوبرو اور خوش ادا عورتوں کے ساتھ کام کرنے اور رہنے سہنے کا موقع مل جائے۔ یہ تو ہمارے ملک کے نوجوانو کا حال ہے۔ لیکن ملک کی عورتوں میں بھی یہ جذبہ تیزی سے پیدا ہو رہا ہے چنانچہ وہ بھی اسٹیج پر آتے اور اپنے حسن و شباب اور ناز و ادا کی نمائش کرنے کے لئے بیتاب و بیقرار ہو رہی ہیں، ان حالات میں ہندوستان کی شرافت کا خدا ہی حافظ ہے۔

اخلاق و کردار اور عزت و شرافت کی بربادی کے ساتھ غریب ہندوستانیوں کی محنت و مزدوری کے پیسے جس بے دردی سے ضائع ہو رہے ہیں اس کے اندازے کے لئے فلم ایکٹروں اور ایکٹریسوں کی تنخواہوں پر نظر ڈالیئے، کسی کی چار ہزار روپے ماہوار کسی کی تین ہزار روپے ماہوار کسی کی ڈھائی ہزار روپے ماہوار، کسی کی دو ہزار، فلموں کی تیاری کے دوسرے گرانقدر مصارف وہ اس کے علاوہ ہیں اس سے اندازہ کیجئے کہ فلموں پر ماہانہ کتنا خرچ ہوتا ہوگا، پھر جو سرمایہ دار

فلمسازی پر اتنا سرمایہ خرچ کرتے ہیں، وہ اس سے کتنا فائدہ حاصل کرتے ہوں گے۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ مفلس ہندوستان کے لئے سینما کس قدر غارت گر اور تباہ کن ہے، ضرورت کہ علماء کا طبقہ طرف توجہ کرے، اور اخبارات مقررین واعظین اپنے اپنے حلقۂ اثر میں سینما کے نقصانات سے پبلک کو مطلع کرکے اس سے روکنے کی کوشش کریں۔ (اہل حدیث گزٹ دہلی بابت اکتوبر ۱۹۳۶ء)

نوٹ:۔ جو مسلمان سینما بائیسکوپ کا کاروبار کرتے ہیں وہ "اسلام کی تعلیم کی روشنی میں اپنے اس دھندے پر غور کریں، اور انصاف کی عینک لگاکر دیکھیں کہ ان کا یہ دھندہ حلال ہے یا حرام۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ اَيُّهَا الْمُسْلِمُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ؕ

سوال:۔ ہر قسم کے آتشبازی ۔ مثلاً آنار، پٹاخے، پھلجھڑی۔ و رنگین دیا سلائی وغیرہ وغیرہ کا روز گار کرنا کیسا ہے، اور جب کہ اس شئے کا استعمال مسلمانوں کے لئے داخل اسراف ہوکر ممنوع ٹھہرا تو ایک متقی مسلمان بیوپاری اگر شب برات یا ہندوؤں کی دیوالی وغیرہ کے وقت فروخت کرتے تو ایک ممنوع شئے کی تائید ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ آتشبازی چلانا منع ہے لہذا بنانا اور بیچنا بھی منع ہے لَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۲)

سوال:۔ پتنگ بازی کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ پتنگ بازی فی نفسہ لہو ولعب ہے اس کی تجارت بھی اسی حکم میں ہے اللہ اعلم۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۳)

سوال:۔ ایک شخص خود مسلمان ہے اور اس نے کارندہ منشی اہل ہنود کر رکھا ہے ملازم کہ تم روپیہ سود پر دے کر سود لیو اور وہ شخص اپنے آپ کو مستثنیٰ رکھتا ہے، بروئے شریعت کیا حکم ہے؟

جواب:۔ کسی ناجائز کام پر ملازم رکھنے سے گناہ سے نہیں بچ سکے گا کام تو اسی کا ہے، یہ محض فریب ہے خدا نیات پر مطلع ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۳)

سوال:۔ ایک شخص نے ایک زمیندار کو سات روپے دے کر اسے اسٹامپ تحریر کرایا ہے اس اقرار پر روپیہ دیا ہے سوم حصّہ غلّہ ہر فصل کا لیتا رہوں گا، اور روپیہ دینے والا کچھ کام نہیں کرتا ہے۔ تو یہ سوم حصّہ غلّہ اس پر لینا حرام ہے یا حلال؟

جواب:۔ یہ ایک قسم کی شراکت ہے چونکہ یہ پیداوار میں شراکت ہے، جس قدر بھی پیدا ہو اس لیے جائز ہے۔ ہاں اگر تعین کرے کہ اتنے من غلّہ ضرور لوں گا، چاہے پیداوار کم ہو یا زیادہ تو جائز نہیں۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۲۲۳)

سوال:۔ تجارت کے لیے ایک شخص نے کچھ روپیہ قرض مانگا ساہوکار نے سود تو طلب نہیں کیا مگر یہ کہا کہ تجارت میں جو کچھ نفع ہو اس میں آٹھواں حصہ میرا اس شرط پر قرض دیا، یہ سود میں داخل ہوا یا نہیں۔ اس طرح کا قرض جائز ہے یا نہیں، قرآن و حدیث سے جواب فرمادیں؟۔

جواب:۔ صورت مرقومہ میں شرکت ہے، جو جائز ہے، اللہ اعلم۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۲۲۳)

سوال:۔ چند اشخاص نے ایک شخص سے ناراض ہو کر آپس میں یہ طے کیا کہ اس شخص کے کارخانے کا بنا ہوا مال فروخت نہ کیا جائے۔ اور اس بات کو مستحکم کرنے کے لیے سبھوں نے متفق اللفظ ہو کر یہ کہا کہ ہم میں سے جو کوئی بھی شخص مذکور کے کارخانے کا مال فروخت کرے گا، اس کے نطفہ میں فرق سمجھا جائے۔ چار چھ ماہ بعد ان اشخاص میں سے بعض نے اپنے کے خلاف عمل کرنا شروع کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ اس عہد کے خلاف کرنے والے عند الشرع گنہ گار ہیں، یا اگر گنہگار ہوئے تو اس گناہ سے پاک ہونے کی ان کے لیے کوئی صورت ہے یا نہیں، جو لوگ اب تک اپنے عہد کے پابند ہیں، اگر خلاف کرنا چاہئیں تو کیوں کر کریں کہ گناہ سے بچیں۔

جواب:۔ سوال میں بنار معاہدہ درج نہیں، اس کو ضرور دیکھنا ہے۔ اگر وہ جائز ہے تو معاہدہ صحیح ہے، اس کی پابندی لازم ہے، اور اگر وہ صحیح نہیں تو معاہدہ بھی جائز نہیں۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۲۲۳)

سوال:۔ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام تمدّن اور دنیوی ترقی کا مانع و مزاحم نہیں ہے اور مال دنیا کی فراہمی کوئی گناہ نہیں ہے، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور نیز دیگر صحابہؓ مالدار اور ہزاروں لاکھوں درہم ان کے پاس تھے اور بڑی بڑی تجارتیں بھی کیا کرتے تھے، مسلمان کے حق میں مسکنت ایک بڑی ذلت ہے جس سے دین و ایمان بھی قائم و برقرار نہیں رہتے، اس کے خلاف یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دنیا مسافرانہ طور سے زندگی بسر کرو، مال و دنیا جمع نہ کرو، مسکین بن کر

رہو۔ متمول لوگوں کی صحبت سے پرہیز اور گریز کرو، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ سے دعا مانگی اور التجا کی تھی، کہ بار خدایا مجھ کو دنیا میں مساکین رکھ اور دنیا سے مسکین ہی اٹھا۔ اور عقبیٰ میں بھی مجھ کو مسکین کے زمرہ میں رکھ۔ پس حضور کے ہاں ان دو قولوں کی تطبیق کیوں کر ہو سکتی ہے۔ یہ تو اَلضِّدَّانِ لَا یَجْتَمِعَانِ کا معاملہ ہے؟

جواب:۔ ان دونوں باتوں میں تطبیق ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضور کی دعا یوں مروی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ غِنًی یُّطْغِیْنِیْ وَمِنْ فَقْرٍ یُّمِیْتُنِیْ، اے خدا میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ایسے غنا سے جو مجھ کو سرکش کر دے اور ایسے فقر سے جو مجھ کو مارے تکلیف کے سب کچھ بھلا دے، ورنہ محض مال جمع کرنا منع نہیں۔ بلکہ منع یہ ہے کہ اس میں سے زکوٰۃ نہ دے اور اس کی مستی میں موت کو بھول جائے، چنانچہ فرمایا عَدَّدَہٗ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗ اَخْلَدَہٗ۔ مسکین کے دو معنی ہیں ایک مال سے مسکین، دوم طبیعت سے مسکین جس کو متواضع کہتے ہیں۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۲)

سوال:۔ زید کی دکان کریانے کی ہے، اس میں ہر قسم کی چیز فروخت ہوتی ہے، اس میں ہندوؤں کی پوجا کا سامان بھی فروخت کیا جاتا ہے، از قسم کافور، گلال، عود، ناریل وغیرہ یہ سب چیزیں از روئے شرع زید مسلم کو فروخت کرنی چاہئیں یا نہیں۔ یہ چیزیں اہل ہنود خرید کر بتوں کی نذر کرتے ہیں اس کا جواب قرآن و حدیث سے عنایت فرمادیں، مشکور ہوں گا۔

جواب:۔ جو چیز فی نفسہ حرام ہے اس کا بیچنا کسی طرح جائز نہیں جیسے خمر اور خنزیر، جو چیز فی نفسہ حرام نہیں بلکہ وہ استعمال کرنے والے کے فعل سے حرام بن جاتی ہیں اس کا بیچنا حرام نہیں۔ جیسے انگور یا گیہوں وغیرہ شراب ساز جن چیزوں سے شراب بناتے ہیں، ان کی بیع جائز ہے، فعل ناجائز۔ یہ مسئلہ آیت مرقومہ ذیل سے استنباط ہو سکتا ہے،

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْہُ سَکَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ پ ۱۴ ع ۱۵ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۳)

سوال:۔ بکر غریب آدمی ہے اس نے زید سے مبلغ دس روپے نقد لئے اور ماہ جیٹھ، ہاڑ کو ۱۲ آثار بحنہ جنس فی روپیہ کے حساب سے زید کو دینے مقرر کر لیے اگر بکر کے چنے بوجہ نہ بارش کے خراب

ہو جائیں، تو زید نے مبلغ دس روپے اصل ماہ جیٹھ کو واپس لینے ہیں اور شرط یہ ہے کہ بکر نے چنے زید کے گاؤں میں لے جا کر دینے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔ یہ صورت بیع سلم کی ہے، یہ جائز ہے چنے نہ ملنے کی صورت میں اصل مال لے سکتا ہے حدیث شریف میں ہے:۔ لَا تَأْخُذْ اِلَّا سَلَمَكَ اَوْ رَأْسَ مَالِكَ

(فتاوی ثنائیہ جلد ۲ صـ ۲۲۴)

سوال:۔ زید امام مسجد ہے اور پابند شریعت ہے وہ اپنا کوٹہ۔ کھانڈ۔ تیل یا کپڑا وغیرہ۔ اپنے کارڈ پر حاصل کر کے زیادہ قیمت پر فروخت کر دیتا ہے، جب لوگوں نے اس سے کہا کہ ایسا کرنا قانون مروّجہ کی رو سے جرم ہے تو اس نے کہا کہ جرم ہے تو ہو۔ لیکن شریعت نے تجارت کو جائز قرار دیا ہے، اور یہ بھی تجارت ہے، اب سوال یہ کہ زید کا یہ جواب کہاں تک درست ہے؟

جواب:۔ قانون مروّجہ کے خلاف بلیک کرنا حرام ہے حدیث شریف میں مذکور ہے۔ اَلْاِثْمُ مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ۔ یعنی گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو برا سمجھے کہ لوگوں کو خبر ہو یہ حدیث بلیک پر صادق آتی ہے مگر بلوہ عام ہے۔

(فتاوی ثنائیہ جلد ۲ صـ ۴۵۹)

تشریح:۔ از حضرت العلام مولانا ابوسعید محمد شرف الدین صاحب محدث دہلوی۔

سوال:۔ جب اپنے مال کا ہر شخص کو اختیار ہے کہ جس قیمت سے چاہئے بیچے، تو پھر بلیک بیچنا کیوں ناجائز ہے جب کہ تراضی طرفین بھی ہو اور کنٹرول کیا اعتبار ہے۔ یہ تو حکومت غیر مسلمہ کا ہے اور تسعیر تو جائز نہیں اور اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا الآیۃ۔ میں بلیک کیوں نہ داخل ہو۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ اَقُوْلُ بِحَوْلِ اللّٰهِ وَتَوْفِيْقِهٖ وَهُوَ الْهَادِيْ اِلَى الصَّوَابِ بیع بلیک۔ یعنی چور بازاری جائز نہیں قطعاً حرام ہے اور وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ الآیۃ میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ بیع شرعی میں کسی شخص کا اور کے مال میں کسی قسم کا تصرف مطلقاً جائز نہیں تاوقتیکہ اس بیع یا دیگر تصرفات میں شرعی اجازت نہ ہو اس لئے کہ از روئے شرع ہر قسم کے تصرف خصوصاً بیع میں اس کے ارکان و شروط و ترک و موانع کا ہونا بھی لازم ہے اور تراضی طرفین تو اشیاء بستہ

منصوصہ فی الربا کی بیع میں بصورت عدم مساوات کبھی عہد نبوی میں ہوتی تھی۔ مگر پھر بھی حدیث نبوی میں اس کی حرمت کتب صحاح ستہ میں موجود ہے ایسے ہی اور کبھی کئی ایک قسم کی بیوع میں باوجود تراضی طرفین کے حرمت ثابت ہے جو علماء ربانیین پر مخفی نہیں۔ اور تراضی طرفین تو قمار یعنی جوئے میں بھی ہوتی ہے، مگر وہ قطعاً حرام ہے اور عہد نبوی کی عدم تسعیر پر حال کے کنٹرول کو قیاس کرنا غلط ہے اس لئے عہد نبوی میں قدرۃً جو قحط سالی ہوئی تھی وہ عرف عام ہو گیا تھا، اور ظاہر و علانیہ تھا چور بازاری نہ تھی، اس پر صحابہ رضوان اللہ علیہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارزانی کی درخواست کی، یعنی تسعیر و کنٹرول کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قدرتی عرف عام کو نہ توڑا نرخ مقرر نہ کیا۔ آپ کا نہ توڑنا بالکل صحیح تھا، اور زمانہ حال میں جو حکومت غیر مسلمہ نے کنٹرول کیا ہے وہ عرف عام کے درہم برہم ہونے کے بعد کیا ہے، اور اب مجبوراً یہی عرف عام ہو گیا ہے، اس لئے کہ عرف عام قدیم ارزانی کا تو رہا نہیں، پھر اگر اس پر بھی عمل نہ کیا جائے گا تو بلیک والوں کا ظلم حد سے زائد گرانی عوام الناس کی حق تلفی و محرومی اور تکلیف شدید ہو گی، جس سے نظام صالحہ کے درہم برہم ہونے کا اندیشہ ہے لہٰذا یہی حکومت کا مقرر کردہ نرخ مجبوراً عرف عام قرار پائے گا۔ اور نسبتاً بلیک سے اس میں رفاہ عامہ بھی ہے اور نسبتاً عرف عام کے قدرے قریب بھی ہے لہٰذا اسی کا اعتبار ہو گا اور عرف عام وہ ہوتا ہے جو ہر شخص مسلم غیر مسلم صالح غیر صالح سب میں بلا کسی اعتراض کے مروج ہوتا ہے اور ظاہر و علانیہ ہوتا ہے چوروں اور ڈاکوؤں کے معاملہ کی طرح چھپ کر نہیں ہوتا۔ جیسے کہ بلیک والے کرتے ہیں، لہٰذا بلیک عرف عام نہیں ہو سکتی پس ناجائز و حرام ہو گی، اب بلیک یا چور بازاری کے موانع یا اس کے ابطال کے دلائل ملاحظہ ہوں

دلیل اوّل یہ کہ اس میں چوری ہوتی ہے، اور اس کا نام ہی چور بازاری ہے، جو گناہ کبیرہ و حرام ہے اور بلیک والے حکومت کے بھی چور اور قانون شکن ہیں، اگرچہ وہ بعض اہل کاروں کو رشوت دے کر دن دھاڑے بلیک کرتے ہیں، وہ اہل کار حکومت کے چور ہیں، اور رعایا و عوام الناس کے بھی چور کہ ان کا حق کاٹ کر گرانی شدید سے دوسروں کو دیتے ہیں، اور غرباء بے چارے محروم رہ جاتے ہیں، ان کو کہا جاتا ہے کہ مال ہی نہیں آیا اور ردی مال ان کو دکھاتے اور دیتے ہیں حالانکہ اچھا مال دکان میں کافی ہوتا ہے، اور چوری کرنا حرام و ممنوع ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تُنْهِبَ قُوم۔ صحیح بخاری۔ مسلم و مشکوٰۃ صفحہ ۹ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا ہے لَا یَسۡرِقُ السَّارِقُ حِیۡنَ یَسۡرِقُ وَھُوَ مُؤۡمِنٌ۔ صحیح بخاری۔ مسلم و مشکوٰۃ ص۹۔
یعنی چور چوری کرتے وقت ایماندار نہیں رہتا۔

دلیل دوم یہ کہ اس میں جھوٹ بولا جاتا ہے۔ کہ حکومت سے کنٹرول نرخ پہ بیچنے کے لئے مال لاتے ہیں پھر اس کے مطابق نہیں بیچتے، تو ایک جھوٹ تو حکومت کے سامنے بولا، دوسرا یہ کہ جب غرباء و عوام الناس کنٹرول نرخ پر مال لینے آتے ہیں تو ان کو کہہ دیتے ہیں کہ مال نہیں آیا یا بک گیا حالانکہ مال دکان میں کافی ہوتا ہے جس کو وہ بلیک کرتے ہیں تیسرا جھوٹ یہ کہ جب کوئی تفتیش کے لئے آتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم بلیک نہیں کرتے کنٹرول ریٹ پر ہی بیچتے ہیں، اور جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ اور حرام ہے اور بحکم قول اللہ تعالیٰ۔ اِتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا پ۲۲ ع۵۔ اللہ سے ڈرو اور بات پکی سچی کہو، سچ بولنا فرض اور جھوٹ بولنا حرام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اُصۡدُقُوۡا اِذَا حَدَّثۡتُمۡ۔ رواہ احمد والبیہقی۔ مشکوٰۃ ص۴۱۷۔ جب بولو سچ بولو، صیغہ امر وجوب کے لئے ہے لہٰذا سچ بولنا فرض اور ترک فرض حرام قطعی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جھوٹ بدکاری اور بدمعاشی کا راستہ دکھاتا ہے، اور بدکاری و بدمعاشی دوزخ کی راہ دکھاتی ہے، صحیح بخاری و مسلم و مشکوٰۃ ص۴۱۲۔ پس بلیک کرنیوالے دوزخ کی طرف چلتے ہیں۔

دلیل سوم یہ بیع بلیک عہد شکنی بھی ہوتی ہے کہ حکومت سے کنٹرول نرخ کا عہد کرکے مال لاتے ہیں اور پھر عہد توڑ کر کنٹرول نرخ پر نہیں بیچتے اور بلیک بیچتے ہیں یعنی ایسی شدید گرانی سے بیچتے ہیں، جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، مال کیا بیچتے ہیں لوگوں کو لوٹتے ہیں۔ اور بحکم قول باری تعالیٰ۔ اَوۡفُوۡا بِالۡعَھۡدِ اِنَّ الۡعَھۡدَ کَانَ مَسۡئُوۡلًا۔ الآیۃ پارہ ۱۵ ع۴۔ عہد کو پورا کرنا فرض ہے، اور ترک فرض اور عہد شکنی ممنوع اور حرام قطعی ہے، بلکہ بحکم حدیث نبوی گناہ کبیرہ و نفاق و بے ایمانی ہے صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

دلیل چہارم اس میں خیانت اور عوام الناس کی حق تلفی ہے، کہ حکومت نے عوام و غرباء وغیرہ کے لئے کنٹرول نرخ بیچنے کے لئے ان کو مال دیا تھا، اور بلیک والے ان کا حق کنٹرول نرخ پر ان کو نہیں دیتے۔ دوسروں کو بلیک بیچتے ہیں، یہ کام بھی حرام و ناجائز اور نفاق و بے ایمانی کا ہے، جیسا کہ حدیث نبوی میں ہے صحیح بخاری و مسلم۔

دلیل پنجم اس میں رشوت کا لین دین بھی ہوتا ہے۔ بلیک والے حکومت کے اہل کاروں کو رشوت دے کر مال زائد لاتے ہیں۔ یا بہ سبب رشوت دینے کے بے دھڑک بیچتے ہیں یا پکڑے جانے پر رشوت دے کر چھوڑتے ہیں۔ اور رشوت سے بھی بعض فرضی پرمٹ بنا کر بلیک کرتے اور رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا بحکم حدیث شریف نبوی دونوں ملعون ہیں۔ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الرَّاشِیَ وَالْمُرْتَشِیَ رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ وغیرہم مشکوٰۃ ص ۳۲۶۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

دلیل ششم اس میں احتکار ہے جس کا معنیٰ مطلقاً اشیائے خوردنی و نوشیدنی و پوشیدنی وغیرہ ضروریات زندگی و مدار زندگی جن کے عدم یا قلت شدید و گرانی شدید سے انسان کی زندگی تلخ و برباد ہو جائے اور ان کو بوقت ضرورت گراں بیچنا ہے۔ اور مویشی وغیرہ جانوروں کی زندگی کی ضروریات چارہ وغیرہ بھی اس میں شامل ہے بلکہ ایسے زمانے کا غذ بھی اس میں داخل جو قرآن مجید و حدیث شریف اور دیگر کتب دینیات تفاسیر و شرح احادیث وغیرہ کے کام آتا ہے وہ بھی اس میں داخل ہے کہ دین پر روحانی زندگی کا دارومدار ہے اور دین کا قرآن و حدیث و دیگر کتب دینیہ اور وہ کاغذ پر چھپتے ہیں قاموس میں ہے، اَلْحُکْرُ الظُّلْمُ وَاِسَاءَۃُ الْمُعَاشَرَۃِ اِحْتَکَرَ اَیْ اِحْتَبَسَ اِنْتِظَارُ الْغَلَاءِ انتہی۔ حاصل یہ کہ حکرہ یا احتکار کا معنیٰ ظلم (کسی کی حق تلفی یا حق کی کمی)، و معاشرت و برتاؤ میں بد معاملگی ہے اور آگے جو حدیث میں بد معاملگی ہے اور آگے جو حدیث میں اس کا ذکر ہے۔ اس میں مطلب یہ ہے کہ اشیاء مذکور کو روک کر شدید گرانی سے بیچنا جس سے انسانی زندگی تلخ و برباد ہو جائے اور احتکار مذکور فی الحدیث طعام کے ساتھ مخصوص نہیں جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے (امام نوویؒ فرماتے ہیں، قَالَ اَصْحَابُنَا احتکار الْمُحَرَّمُ هُوَ الْاِحْتِکَارُ فِی الْاَقْوَاتِ خَاصَّۃً وَاَمَّا غَیْرُ الْاَقْوَاتِ فَلَا یَحْرُمُ الْاِحْتِکَارُ فِیْہِ بِکُلِّ حَالٍ نووی ص ۳۱)

اس لیے کہ حدیث نبوی عام ہے، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَکَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ رواہ مسلم وفی روایۃ سنن ابن ماجۃ الْمُحْتَکِرُ مَلْعُوْنٌ انتہی مشکوٰۃ ص ۲۴۲ و ص ۲۴۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ احتکار کرنے والا یعنی اشیائے ضروریہ انسانی زندگی کو روک کر گرانی سے بیچنے والا گنہگار و ملعون ہے دوسری حدیث اس سے بھی عام ہے،

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَخَلَ فِیْ شَیْءٍ مِنْ اَسْعَارِ الْمُسْلِمِیْنَ لِیُغْلِیَهُ عَلَیْهِمْ کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰهِ اَنْ یُّقْعِدَهٗ فِیْ مُعْظَمٍ مِنَ النَّارِ انتہی اَخْرَجَهٗ اَبُوْ دَاؤُدَ الطَّیَالِسِیُّ وَالْاِمَامُ اَحْمَدُ فِیْ مُسْنَدَیْهِمَا وَالطَّبْرَانِیُّ فِی الْکَبِیْرِ وَالْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَکِ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ سُنَنِ الْاَقْوَالِ الْاَفْعَالِ جلد ۲ ص ۲۱۳، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسلمانوں کی اشیائے کی خرید وفروخت کے نرخوں میں دخل دیگا تاکہ ان پر گرانی کرے، مقرر اللہ تعالیٰ اس کو الٹا کرکے دوزخ میں ڈالے گا، اسعار المسلمین میں اضافۃ الجمع الی الجمع المُحَلّٰی بالالام ہے، جو مفید استغراق ہے نیز شیٔ بھی نکرہ ہے جس سے عموم کی تاکید ہوتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی مسلمانوں کی اشیاء ضروریہ زندگی کی خرید وفروخت کے نرخوں میں دخل دے کر گرانی کرنے والا خواہ وہ اشیاء از قسم طعام ہوں یا غیر طعام الٹا کرکے دوزخ میں ڈالا جائے گا یعنی بلیک بیچنے والا، ایسے ہی ایک اور حدیث بھی عام ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَکَرَ حُکْرَةً یُرِیْدُ اَنْ یُّغَالِیَ بِهَا عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ فَهُوَ خَاطِئٌ انتہی رَوَاهُ الْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَکِ ذَکَرَهُ الْحَافِظُ وَسَکَتَ عَنْهُ تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۲۵۲، جو شخص اشیاء ضروریہ کو مسلمانوں پر گرانی کرنے کے ارادے سے روکتا ہے وہ گنہگار رہے یہ تمام حدیثیں ہر قسم کی اشیاء کے احتکار میں عام ہیں، اور قاموس سے بھی احتکار کا معنی عام ثابت ہو چکا ہے۔ تو اب بعض علماء کا احتکار کو طعام کے ساتھ خاص کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ان کا استدلال بعض روایات میں طعام کے ذکر سے ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ احتکار کے ایک فرد کی تنصیص ہے تخصیص نہیں جس کی تحقیق نیل الاوطار جلد ۵ ص ۸۰ میں ہے کہ اس قسم کی تنصیص وتصریح سے تخصیص وتنقید کا خیال مفہوم لقب ہے جو جمہور محدثین کے نزدیک معتبر نہیں۔ جیسا کہ اصول حدیث میں مصرح ہے انتہی۔ نیز اگر طعام کے ساتھ احتکار کو خاص کیا جائے تو پھر اوپر کی اسعار المسلمین والی حدیث کے ساتھ تعارض واقع ہوگا، لہٰذا تطبیق یا توجیہ یہی ہے کہ وہ احتکار کے ایک فرد کی تنصیص ہے تخصیص نہیں کما فی نیل الاوطار۔

پس ثابت ہوا کہ طعام کے ساتھ احتکار کو مخصوص کرنا حدیث نبوی وجمہور محدثین واصول حدیث کے خلاف ہے اور بلیک بالکل احتکار ہے، جو آج کل چاول، چینی، گیہوں، اور اس کے آٹے سوت کپڑے اور کاغذ وغیرہ میں ہو رہا ہے، بالکل حرام ہے شریعت کا اصل منشا احتکار سے منع کرنے کا

یہ ہے کہ عوام الناس کو زندگی کی ضروریات کے عدم یا قلت سے تکلیف نہ ہو کہ جس سے ان کی زندگی برباد یا تلخ ہو جاوے اور نظام مصالح کے درہم برہم ہونے کا اندیشہ ہو، چنانچہ اس امر کا ذکر دلیل ہفتم میں آئیگا اور جیسے کہ طعام کی بندش یا قلت وگرانی میں لوگوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے، ایسے ہی سوت کپڑے کا غذا دویہ وغیرہ ضروریات زندگی کے عدم یا قلت میں ہوتی ہے، لہٰذا ان کل اشیاء میں بلیک حرام ہے،

دلیل ہفتم ہر قسم کی اشیاء ضروریات زندگی کی بلیک میں مسلمانوں کو اور تکلیف میں ڈالنا ہوتا ہے، جو بحکم حدیث نبوی ناجائز وحرام ہے، قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ يُشَاقِقْ يَشْقُقِ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنْتَهٰى صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں پر مشقت ڈالے گا، اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کو مشقت میں ڈالے گا، وعید شدید بلیک کی حرمت میں بیّن دلیل ہے۔

دلیل ہشتم بلیک میں فریب دغابازی، جعل سازی اور دھوکہ بازی بھی ہوتی ہے کہ فرضی پرمٹ بنا کر دھوکہ دے کر مال وصول کر کے بلیک کرتے ہیں جو بحکم حدیث نبوی حرام و ناجائز ہے قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا اَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ فِيْ جَامِعِهٖ وَقَالَ حَسَنٌ صَحِيْحٌ (ترمذی ص ۱۶۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے یعنی مجھ سے اور میری امت سے الگ ہے، پس یہ بھی بلیک کی حرمت کی دلیل ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَلْعُوْنٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا اَوْ مَكَرَ بِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ (مشکوٰۃ ص ۴۲۸) یعنی جو شخص کسی مؤمن کو ضرر پہنچاتا ہے یا اس کے ساتھ مکر وفریب کرتا ہے، اور دھوکہ دیتا ہے وہ ملعون ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيْمٌ وَالْفَاجِرُ خِبٌّ لَئِيْمٌ رواہ ابوداؤد والترمذی والحاکم جامع صغیر ص ۱۳۸ مومن بھولا اور شریف الطبع ہوتا ہے سخی بامروت ہوتا ہے اور بدمعاش دھوکہ باز بخیل یہ حدیثیں بھی بلیک کی حرمت کی دلیل ہیں کہ بلیک کرنے والا دھوکہ بازی کرتا ہے۔

دلیل نہم بلیک میں حدیث نبوی اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ اِنْتَهٰى (صحیح بخاری ص ۱۳ جلد ۱) کی بھی مخالفت ہے، کہ حدیث میں مسلمانوں کی خیر خواہی بھلائی کی تعلیم ہے اور بلیک میں مسلمانوں کی بدخواہی و تکلیف اور حق تلفی ہے الہٰذا حرام ہے۔

دلیل دہم

بلیک میں حدیث نبوی لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ (صحیح بخاری ص ج ۱) کی بھی مخالفت ہے کہ حدیث سے ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ وہ مسلم بھائی کے لئے وہ امر پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور بلیک والا اپنے لئے بھائی و سرمایہ داری چاہتا اور دوسرے مسلم بھائی کے لئے بدخواہی اور اس کا مال لوٹنا لہٰذا ناجائز و حرام ہے۔

دلیل یازدہم

حدیث نبوی میں ہے، اَلْاِثْمُ مَا حَاكَ فِیْ صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ یَّطَّلِعَ عَلَیْهِ النَّاسُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ (مشکوٰۃ ص ۴۲۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ وہ ہے جس کا تیرے سینے میں کھٹکا و شبہ گذرے اور لوگوں کا اس پر مطلع ہونا تجھ کو ناگوار گذرے اور اسلام کے مدعی کو اس کے عدم جواز کا شبہ ضرور ہوتا ہے، خصوصاً تفتیش کرنے والوں سے تو ضرور ہی اس کو ناگوار ہوتا ہے اس سے تو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا یہ گناہ اور ناجائز و حرام ہے۔

دلیل دوازدہم

یہ کہ شریعت اسلامیہ میں بیع و شرا میں کتاب و سنت کے عموم یا خصوص کا اعتبار ہے یا عرف عام کا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ الآیۃ (پ ۹ ع ۱۴) اور صحیح بخاری میں ہے، بَابُ مَنْ اَجْرٰی اَمْرَ الْاَمْصَارِ عَلٰی مَا یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ فِی الْبُیُوْعِ وَالْاِجَارَةِ وَالْكَیْلِ وَالْوَزْنِ وَسُنَنِهِمْ عَلٰی نِیَّاتِهِمْ وَمَذَاهِبِهِمُ الْمَشْهُوْرَةِ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِهِنْدٍ خُذِیْ مَا یَكْفِیْكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی مَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ انتہٰی ملخص (ج ۱ ص ۲۹۶) خلاصہ یہ کہ بیع و شرا وغیرہ معاملات کا مدار و اعتبار کتاب و سنت یا عرف عام پر ہے اور یہ چور بہ سبب ادا مذکورہ بالا بلیک نہ کتاب و سنت کے مطابق ہے نہ عرف عام کے بلکہ ان کے مخالف ہے اس لئے کہ عرف عام قدیم ارزانی کا تو قطعاً نہیں اور نہ ہی عرف عام حال کا ہے جو بہ سبب کنٹرول حکومت کے مجبوراً عرف عام ہو گیا ہے اس لئے صرف عام اعلانیہ و ظاہر ہوتا ہے، اور بلیک چھپ کر چوری سے ہوتی ہے، لہٰذا یہ عرف عام نہیں ہو سکتی ہے، پس حکومت کا نرخ مجبوراً عرف عام ہو گا اس لئے اگر یہ بھی نہ ہو گا، تو پھر اور کیا عرف عام ہو گا، اور پھر بلیک حرام ہو گی،

دلیل سیزدہم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ الآیۃ پ ۲ : لوگو!

ایک دوسرے کے مال کو آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ باطل کا طریقہ بڑا وسیع ہے، اوراوپر ثابت ہوچکا ہے کہ بلیک امر باطل ہے لہٰذا ناجائز وحرام ہے۔

دلیل چہاردہم ادلہ مذکورہ وبالا یعنی براہین شرعیہ سے ثابت ہوچکا ہے کہ بلیک ناجائز و حرام ہے تو بحکم حدیث نبوی دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ ج ۲ ص ۷۳ وصححه النَّسَائِيُّ ج ۲ ص ۲۹۱ وَغَيْرُهُ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس امر میں تم کو شک اور قلق ہو اس کو چھوڑ کر یقینی امر پہ عمل کرو، اب کوئی بالکل ہی سیاہ قلب ہوگا کہ جس کا دل مسخ ہوگیا ہوگا وہی بلیک میں شبہ نہ کرے گا کہ شیطان کا اس پر پورا قبضہ ہے ورنہ مسلم کو ضرور کم از کم وہ دل میں کھٹکتی ہے۔ لہٰذا حرام ہے اور اس کا چھوڑنا فرض واجب ہذا واللہ اعلم۔

۲۵/جولائی ۱۹۴۷ء

سوال:۔ کیا جو شخص سنٹرل بنک قانون گورنمنٹ کا ممبر ہو اور خود بھی بنک کے ذریعے روپیہ سودی بوجہ استقراضاً لیتا ہو اور عوام الناس کو بھی اس سنٹرل بنک کی طرف رغبت دیتا ہو اور ایسے سود دینے کو جائز کہتا ہو اور رشوت وغیرہ اعلانیہ کھاتا ہو، اور حد درجہ کا غیبت گو ہو، حتیٰ کہ علماء کرام موجودہ کی بھی سخت سے سخت غیبت کرنے میں دریغ نہیں کرتا، اور نہایت قبیح، فحش اور فصیح ہو در آں حالیکہ شخص موصوف چند کتب حدیث بھی پڑھا ہو۔ اس کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے یا نہیں امامت اس کی اتفاقیہ ہو یا مقررہ؟

جواب:۔ شخص مذکور میں اگر واقعی یہ صفات قبیحہ پائی جائیں۔ تو امام نہ بنایا جائے۔ حدیث شریف میں ہے:۔ اِجْعَلُوا أَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ اپنے میں سے اچھے شخص کو امام مقرر کیا کرو، اور اگر اتفاقیہ پڑھا رہا ہے تو مل جانا چاہیے بحکم وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ[1]

تشریح:۔ بنک وغیرہ سے تعلق رکھنا کیسا ہے۔ سود کے حکم میں ہے یا نہیں۔ پس واضح ہو (۱) سیونگ بنک قائم کرنے کا منشا یہ ہے کہ وہ لوگ، جو تجارت پیشہ نہیں ہیں۔ اور ان کی رقم ان کے پاس فاضل پڑی ہے، اس بنک میں جتنا روپیہ چاہیں جمع کریں، اور سرکار اسے جس مصرف میں چاہے صرف کرکے فائدہ حاصل کرے، اور اس نفع میں سے بحساب سالانہ فی صدی انہیں بھی کچھ دے۔

[1] بنا بریں یہ فتویٰ یہاں درج کیا گیا ہے ۱۲ راز (مرحوم)

اس حالت میں روپیہ جمع کرنے والے کو بلا مشقت نفع ملتا ہے، یعنی وہ روپیہ دے کر روپیہ بڑھاتا ہے، جو یقینی ربا کی صورت ہے، جیسا صحیح حدیث سے صاف ظاہر ہے. لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ وَلَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ وَلَا تَبِيعُوا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ متفق علیہ۔

اور صحیح مسلم میں یوں ہے:۔ اَلدِّينَارُ بِالدِّينَارِ لَا فَضْلَ بَيْنَهُمَا وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ لَا فَضْلَ بَيْنَهُمَا۔

دوسری روایت میں اور بھی صاف کر دیا ہے:۔ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَزْنًا بِوَزْنٍ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَزْنًا بِوَزْنٍ مِثْلًا بِمِثْلٍ فَمَنْ زَادَ أَوِ اسْتَزَادَ فَهُوَ رِبًا۔ لیکن شراکت فی التجارت تو اسکی شکل ہی جدا ہے. کیونکہ اس میں نفع و نقصان پر حصہ لگتا ہے، اور بنک میں شرط نہیں پائی جاتی ہے. لہٰذا اس مد میں روپیہ لگانا تجارت کے تحت سے خارج ہو گیا. ربوٰ کا اصول ہے کہ اس سے ایک شخص بلا محنت فائدہ حاصل کرتا ہے. اور دوسرا مفت میں نقصان اٹھاتا ہے، اور یہ جزو:۔ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ۔ قابل غور ہے، اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ بنکوں میں اس کی مثال کہاں تک ملتی ہے. ظاہر ہے کہ سرکار روپیہ جمع کرنے والے کو انٹرسٹ دیکر اپنا نقصان نہیں کرتی ہے، بلکہ اس رقم سے نفع اٹھا کر کچھ دیتی بھی ہے.

اب یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ گورنمنٹ کو ہمیشہ فائدہ ہی ہوتا ہے یا کبھی نقصان بھی اس پہ صاحب علم اور وہ اشخاص جو اس معاملے سے واقف کار ہیں، روشنی ڈالیں، اگر گورنمنٹ کو نقصان بھی ہوتا ہے، تو وہ اس کی تلافی کی کوئی نہ کوئی صورت اختیار کرتی ہوگی یا روپیہ جمع کرنے والوں پر اس کا بار آتا ہوگا یا رعایا پر اس کا بوجھ ڈال کر اپنا نقصان پورا کرتی ہوگی. واللہ اعلم۔ اور یہ جبر و تشدد ہمارے روپیوں کی بدولت ہو. غرض یہ کہ ایسے بنکوں میں شرکت کسی طرح درست نہیں۔

(۲) ایک بنک وہ بھی ہیں جو مہاجنی اصول پر چلتے ہیں. امانت دار نہیں بلکہ سود خوار اس میں روپیہ جمع کرتے ہیں دبغرض حاصل کرنے سود) اور تجارت پیشہ والے اس سے سودی قرض حاصل

کرتے ہیں۔ گویا اس کے قائم کرنے کا خاص منشا یہی ہوتا ہے کہ سود لین اور دین۔ اور اس کی ضرورت نہیں کہ اس کا استعمال کہاں ہوتا ہے۔ اچھے کاموں میں یا برے۔ کیونکہ اس کی بنا ہی سود پر ہے جس طرح شراب کہ اس کی حرمت میں کچھ شک و شبہ نہیں۔ اس کا سرکہ بنانا دوا میں استعمال کرنا وغیرہ سب ممنوع۔

دوسری بات یہ کہ امانت (یعنی روپیہ جو بنک میں جمع رہتا ہے اس کا ذمہ دار بنک خود ہے اور خسارہ صرف حصہ داروں کو ہونا چاہیئے، لیکن چونکہ روپیہ جمع کرنے والے کو بنک سے سود ملتا ہے، لہٰذا دیوالہ نکل جانے پر اس کا خسارہ امانت داروں پر بھی پڑتا ہے۔ یہ ایک طرفہ ڈھنڈورا اور آخرت کا عذاب خدا کی پناہ سخت ہے امانت کی اگر سچ پوچھئے تو یہ صورت ہی نہیں امانت اصل میں اسے کہتے ہیں کہ جو چیز جس حالت میں اور جس قدر بطور امانت رکھی جاوے وہ اسی حالت میں اور اسی قدر واپس بھی کسی حالت سے اس میں بھی شرکت جائز نہیں۔

۳۔ بعض بنکوں میں یہ بھی دستور ہے کہ امانت دار جو ان سے سود نہ لے تو وہ اس سودی رقم کو عیسائی مشن کے سپرد کر دیتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ آج کل کے جتنے قسم کے بنک اور دیگر مختلف طریقے مروج ہیں سب میں شرکت کرنا قطعی ناجائز ہے [۱]

لیکن جو لوگ اس میں گرفتار ہیں ان کے لئے مناسب تو یہ ہے کہ باز آئیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ○ اے ایمان والو اللہ سے ڈر کر سودی کاروبار چھوڑ دو، اگر ایمان دار ہو ورنہ پھر اللہ سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، اس آیت کے آخری حصہ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ○ پر نظر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ موجودہ صورت پر چسپاں نہیں ہوتی۔ کیونکہ بنک خود سود دینے پر مجبور کرتے ہیں، اور نہ لینے پر عیسائی مشن کے سپرد کر دیتے ہیں، جو مذہب اسلام کے لئے مہلک ہے، اس کے متعلق اخبار اہلحدیث میں فتویٰ بھی نکل چکا ہے، واللہ اعلم بالصواب خلیل احمد ناظم انجمن اہلحدیث مرزاپور

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۱)

---

[۱] کاروبار میں جو مشکلات ہیں ان کو بھی حل کر دیتے تو اچھا تھا۔ (اہلحدیث)

سوال :۔ رنڈی کا مال توبہ کرنے کے بعد حلال ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ خاکسار کی ناقص تحقیق میں رنڈی کا مال جو زنا سے پیدا کیا ہے بعد توبہ کے پاک نہیں ہوتا۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۹)

سوال :۔ زید پیشہ وکالت کو انجام دیتا ہے۔ بکر اس پر یہ الزام لگاتا ہے کہ پیشہ وکالت کی مذہبًا سخت ممانعت ہے بلکہ حرمت کے حد تک پہنچ جاتی ہے، لہٰذا ترک کر دیا جائے۔ پس ایسی صورت میں بروئے قرآن و حدیث شریف میں آیا فی الواقعی پیشہ وکالت بموجب قول بکر مذہبًا ناجائز و قابل ترک ہے، اگر ہے تو کس شرط کے ساتھ، اگر نہیں ہے تو کس طرح۔ بصراحت و تفصیل اس فتاویٰ کو اخبار اہلحدیث میں شائع فرما کر آپ عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

جواب :۔ پیشہ وکالت کی دو حیثیتیں ہیں، اصل منصب وکیل، دوم طریق عمل، منصب وکیل ہے تو یہ ہے کہ عدالت کو صحیح قانونی مشورہ دے۔ اس منصب کے لحاظ سے تو جائز کاموں میں وکالت جائز ہے۔ اِلّا اُن مقدمات میں جن میں قانون ہی خلاف شریعت ہے۔ مثلاً دیوانی میں میعاد قرضہ، فوجداری میں شراب، خمر۔ اور زنا کا جواز۔ ایسے مقدمات میں بپابندی قانون پیروی کرنا بھی خلاف شریعت ہے، حق یہ ہے کہ طریق عمل نے اس پیشہ کو بہت کچھ مورد الزام بنایا ہے، جس کی تفصیل کی ضرورت نہیں، نہ مناسب ہے۔

در خانہ اگر کس است   یک حرف بس است

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۹)

سوال :۔ جو مسلمان مال رکھ کر کسی مسلمان کی عزت نہیں بچاتا۔ حالانکہ وہ زیور قرآن حدیث ضمانت و گرو میں دیتا ہے وہ مال دار خدا کے نزدیک کیسا ہے ؟

جواب :۔ قرض خواں کو قرض دینا نہ دینا دینے والے کی رائے پر ہے۔ اس لئے اس امر میں فتویٰ شرعی یہی ہے کہ حتی الوسع مسلمان مسلمان کی اعانت کرے تو اجر عظیم کا حقدار ہوگا۔ لیکن سوال سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ قرض خواہ کیسا ہے ادا کرنے والا ہے یا لے کر کھا ہی جاتا ہے، اس لئے جب تک اس کا حال معلوم نہ ہو فتویٰ مکمل نہیں ہو سکتا۔ اللہ اعلم

سوال :۔ زید نے بہ سبب اشد ضرورت کے اپنی کاشت کھیت اکو یعنی گذا پر سال آئندہ

کے واسطے روپیہ قرض لیا، اور قرض روپیہ لینے کے وقت یہ کہا کہ اس وقت میرا کمیت گنا تین ماہ کا بویا ہوا ہے، سال آئندہ کو گنا تیار ہونے پر یہ نرخ چھ آنہ یا آٹھ آنہ فی من بخوشی دوں گا، اس طرح کی خرید وفروخت شرعاً صحیح ہے یا نہیں۔ (ابو محمد عبداللہ لال پور رام پور اسٹیٹ)

جواب: صورت مرقومہ میں اس کو بیع سلم کہتے ہیں جو جائز ہے، نرخ اور جگہ مقرر ہونی چاہیئے۔

اللہ اعلم (اہلحدیث امرتسر جلد ۳۲ ص ۱)

شرفیہ: سوال کی عبارت سے اس کا بیع سلم ہونا میری سمجھ میں نہیں آیا اس لئے کہ بیع سلم میں رأس المال یعنی رقم قرض کی تعین لازم ہوتی ہے ایسے ہی مسلم فیہ اور اجل کی بھی، اور صورت مرقومہ میں کچھ بھی نہیں اور شئی معین میں بھی بیع سلم نہیں ہوتی اور اجل معلوم سے مراد سال، ماہ، دن کی تعیین ہوتی ہے، اور صورت مرقومہ میں تاریخ دن کی تعیین نہیں۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَسْلَفَ فِیْ شَیْءٍ فَلْیُسْلِفْ فِیْ کَیْلٍ مَعْلُوْمٍ وَوَزْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مَعْلُوْمٍ متفق علیہ

مشکوٰۃ ص ۲۵۰ وَقَالَ فِیْ نَیْلِ الْاَوْطَارِ قَوْلُہٗ فِیْ کَیْلٍ مَعْلُوْمٍ اِحْتَرَزَ بِالْکَیْلِ مِنَ السَّلَمِ فِی الْاَعْیَانِ وَقَوْلِہٖ مَعْلُوْمٍ عَنِ الْمَجْھُوْلِ مِنَ الْمَکِیْلِ وَالْمَوْزُوْنِ وَقَدْ کَانُوْا فِی الْمَدِیْنَۃِ حِیْنَ قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُسْلِفُوْنَ فِیْ ثِمَارِ نَخِیْلٍ بِاَعْیَانِھَا فَنَھَاھُمْ عَنْ ذٰلِکَ ج ۵ ص ۱۹۲۔ اور صورت مرقومہ فی السوال میں تعیین کھیت کی ہے، وَقَالَ فِی النَّیْلِ اِنَّ لِلسَّلَمِ شُرُوْطًا غَیْرَ مَا اشْتَمَلَ عَلَیْہِ الْحَدِیْثُ مَبْسُوْطَۃٌ فِیْ کُتُبِ الْفِقْہِ وَلَا حَاجَۃَ لَنَا فِی التَّعَرُّضِ لِمَا لَا دَلِیْلَ عَلَیْہِ اِلَّا اَنَّہٗ وَقَعَ الْاِجْمَاعُ عَلٰی اِشْتِرَاطِ مَعْرِفَۃِ صِفَۃِ الشَّیْءِ الْمُسْلَمِ فِیْہِ عَلٰی وَجْہٍ یَتَمَیَّزُ بِتِلْکَ الْمَعْرِفَۃِ عَنْ غَیْرِہٖ صفحہ مذکورہ۔ پس صورت مرقومہ جائز نہیں۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

تشریح: بیع سلم نام ہے اس بیع کا کہ بالفعل روپیہ دے دیا جائے اور جنس ٹھہرالی جائے کہ اتنی مدت تک لوں گا، مثلاً سو روپیہ ایک شخص کو بالفعل دے دیا اور اس سے ٹھہرایا کہ دو مہینے میں گیہوں سو من اس قسم کے لوں گا۔ اس کو عربی میں بیع سلم کہتے ہیں، پھر اگر شرطیں پائی جائیں تو یہ بیع درست ہے جو کوئی بیع سلم کرے اس چیز میں کہ بیچی جاتی ہے، تل کر جیسے زعفران وغیرہ تو وزن معلوم میں مثلاً اتنی سے ایک یا پانچ تولے اور مدت معلوم تک جیسے ایک مہینہ یا ایک

سال اور مثل اس کے اس سے معلوم ہوا کہ اس میں مدت کا معلوم ہونا شرط ہے۔ اور یہی مذہب ہے امام ابو حنیفہ و مالک و احمد کا حاشیہ ترمذی نو لکشور۔ (فتاوی ثنائیہ ج ۱ ص ۲۰۱)

شرائط بیع سلم

ملخص از بدور الاہلہ از نواب صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ۔

اول آنکہ قدر مسلم فیہ و جنس آں مذکور گردد زیراکہ جز باین ذکر معلوم نمی تواند شد و شارع معلومیت را شرط کردہ کما تقدم۔

دوم معرفت امکانش نزد حلول چہ اگر در سلم ذکر وصفے کند کہ دال بر عدم امکان باشد بر غرض مقصود از سلم عاید بہ نقض گردد و دال است بر انعدام آں در حال عقد حدیث۔ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بن ابزی وعبد اللہ بن ابی اوفی قالا کُنَّا نُصِیبُ الْمَغَانِمَ مَعَ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَانَ یَأْتِینَا اَنْبَاطٌ مِنْ اَنْبَاطِ الشَّامِ فَنُسْلِفُهُمْ فِی الْحِنْطَةِ وَالشَّعِیرِ وَ الزَّیْتِ اِلٰی اَجَلٍ مُسَمًّی قِیلَ اَکَانَ لَهُمْ زَرْعٌ اَمْ لَمْ یَکُنْ قَالَا مَا کُنَّا نَسْأَلُهُمْ عَنْ ذٰلِکَ دَنِیْ رِدَایَةٍ وَکُنَّا نُسْلِفُ عَلٰی عَهْدِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبِی بَکْرٍ وَعُمَرَ فِی الْحِنْطَةِ وَالشَّعِیرِ وَالزَّیْتِ وَالتَّمْرِ وَمَا نَرَاہُ عِنْدَهُمْ اَخْرَجَہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ۔ وسکوت نبوی تقریر است۔

سوم آنکہ ثمن مقبوض باشد در مجلس ولا بدست ازین شرط بلکہ سلم تمام نمی شود مگر باین قبض ورنہ از بیع کالی بکالی باشد واز آں نہی آمدہ و صحیح است بہر حال زیراکہ ادلہ دلالت ندارند مگر بہ اشتراطیت معلومش از برا مسلم و مسلم الیہ واین در ہمہ احوال ممکن است و در انکشاف ردی ہماں حکم است کہ گذشت در خیار عیب و در صرف چہ دلیل دال است بر رد کردن بر صاحب ردی بنابر عیب۔

چہارم آنکہ اجلش معلوم باشد واین منصوص علیہ نص و مدلول علیہ دلیل متقدم است ص ۲۹۲۔

خلاصہ یہ کہ جس چیز کی بدھنی کی جارہی ہے اس کا وزن اور وہ جنس معلوم ہونی چاہیئے، وقت مقرر پر اس کی وصول یابی کا یقین ہونا بھی ضروری ہے، قیمت مقررہ طے شدہ کو وقت بیع ادا کر دینا بھی ضروری ہے اگر قیمت مقررہ ادا نہ کی گئی تو ادھار کی بیع ادھار کے ساتھ لازم آگئے[1]

---

[1] ادھار کی بیع ادھار کیساتھ اس طور پر کہ زید نے بکر کو کچھ مال ادھار فروخت کیا اور وقت مقررہ پر جب وقت قیمت ادا نہ کرسکا تو زید نے پھر دوبارہ ایک مدت کیلئے اس کو بکر کے ہاتھ بیچ دیا واصلہ النھی عن بیع مالم یقبض۔ سدات

اور یہ منع ہے۔ اور ہر قسم کے مال میں بدھنی درست ہے۔ مگر گھٹیا بڑھیا کی تشریح ہونی چاہیئے۔ ورنہ مال والا مختار ہے، کہ مال ردی دیکھ کر اس کو رد کر دے۔ اور وقت بھی مقرر ہو کر معلوم ہو جانا شرائط میں سے ہے۔

مصنف عون المعبود قدس سرہ فرماتے ہیں۔ قَدِ اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِیْ جَوَازِ السَّلَمِ فِیْمَا لَیْسَ بِمَوْجُوْدٍ فِیْ وَقْتِ السَّلَمِ اِذَا اَمْکَنَ وُجُوْدُہٗ فِیْ وَقْتِ حُلُوْلِ الْاَجَلِ فَذَھَبَ اِلٰی جَوَازِہِ الْجُمْھُوْرُ وَقَالُوْا وَلَا یَضُرُّ انْقِطَاعُہٗ قَبْلَ الْحُلُوْلِ الیٰ آخرہ عون المعبود جلد ۳ ص۲۹۲)

مؤلف:۔ بیع سلم یعنی بدھنی کرنا کاشتکار وغیرہ سے ساتھ نرخ معلوم کے گندم ہو یا جو ہو بصفت معاومہ اور ساتھ اجل معلوم کے درست ہے بلا کراہت جیسا کہ کتب احادیث اور فقہ سے واضح ہوتا ہے۔ اور یہ شرط کر کر بدنی کرنا کہ بر وقت فصل کے بازار کے نرخ سے سیر دو سیر مثلاً زیادہ لیں گے۔ جائز نہیں ہے شرعاً۔ سید نذیر حسین عفی عنہ

(فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص۱۱)

سوال:۔ مَا قَوْلُکُمْ رَحِمَکُمُ اللّٰہُ۔ اس صورت میں کہ ان شہروں میں بیع سلم رس میں اکثر لوگ مبتلا ہیں، اور عند العقد کسی جگہ موجود نہیں ہوتا، اور امام الہمام حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع سلم میں موجود ہونا مسلم فیہ کا وقت عقد سے استحقاق تک شرط ہے۔ بخلاف امام شافعیؒ کے کہ ان کے نزدیک مسلم فیہ کا موجود ہونا عند العقد شرط نہیں وقت استحقاق کے ہونا اس کا شرط ہے، سو رس مذکورہ وقت استحقاق کے بکثرت موجود ہوتا ہے، اس صورت میں حنفی المذہب کو برائے رفع حرج اور ضرورت صحت بیع سلم کے قول امام شافعی پر عمل کرنا از روئے اصول حنفیہ کے جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ملخص۔ معاملہ بیع سلم رس میں اوپر مذہب امام شافعی کے بلا تردد کریں، کیونکہ التزام ایک مذہب معین کا فرض و واجب نہیں۔ چنانچہ مسلم الثبوت و تحریر ابن الہمام و شرح بحر العلوم عبد العلی و مولانا نظام الدین و امیر الحاج۔ و عقد الفرید و شرنبلالی۔ و طحطاوی۔ و رد المختار وغیرہ میں مذکور ہے۔ کَمَا لَا یَخْفٰی عَلَی الْعَالِمِ الْمَاھِرِ بِالْاُصُوْلِ

دالف،وغ واللّٰہ اعلم۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

(فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۱۶)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۱۴)

سوال:۔ ایک شخص کو واسطے چاندی خریدنے کے کچھ روپیہ دیا گیا، بعد اس شخص نے دہلی سے واپس آ کر یہ بیان دیا کہ چاندی میں نے کچھ اپنے واسطے خرید کی تھی، اور کچھ چاندی دوسرے شخص کے واسطے خریدی تھی وہ بھول میں کسی جگہ کم ہو گئی اس صورت اس چاندی کے روپیہ مطابق شرع کے لینے چاہیئے یا نہیں؛

جواب:۔ جس کو روپیہ دیا تھا، وکیل بنا کر دیا تھا، یا بطور بیع سلم دیا تھا، وکیل بنانے کا مطلب یہ ہے کہ جس بھاؤ سے چاندی اس کو ملی ہے وہ مالک کی ہوگی اس میں نفع نقصان کا سارا ذمہ مالک پر ہوگا یہ صورت ہے تو نقصان کا عوض اس پر واجب الادا نہ ہوگا، اور بطور بیع سلم دینے کا مطلب یہ ہے کہ خرید کردہ چاندی اس شخص کی ہے روپے والا اس سے بھاؤ کرکے لے گا، دہلی میں مشتری تھا تو یہاں بائع۔ ایسی صورت میں نقصان اس کا ہے روپیہ دینے والے کا نہیں اللّٰہ اعلم۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۴۴)

سوال:۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان کو غلہ کی تجارت نہ کرنی چاہیئے اس سے ایمان بدل جاتا ہے یہ قول صحیح ہے یا غلط اور مسلمان غلہ فروشی کرنے کے شرعاً مجاز ہیں یا نہیں؛

جواب:۔ مسلمان کو غلہ کی تجارت جائز ہے منع ہوتی تو طبقہ اولیٰ کے مسلمان کیوں کرتے حدیث شریف میں احتکار منع ہے احتکار کہتے غلہ بند رکھنا جس سے لوگوں کو تکلیف ہو اور گراں بکے قدرتی موسمی بیشی سے فائدہ اٹھانا منع نہیں۔

تشریح مفید

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تجارت غلّہ کی عموماً حرام ہے یا نہیں، زید کہتا ہے کہ تجارت غلّہ کی عموماً حرام ہے کیونکہ وہ احتکار ہے اور احتکار حرام ہے آیا یہ قول صحیح ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

جواب:۔ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا قول زید کا بدیہی البطلان ہے کیونکہ تجارت غلہ کی عموماً ہرگز حرام نہیں اور نہ وہ احتکار۔ البتہ خریدنا غلہ وغیرہ کا جو قوت ہو آدمیوں کا یا بہائم کا گرانی میں فروخت کیا جائے

احتکار ممنوع اور حرام ہے، امام نووی منہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج ص۳۱ میں فرماتے ہیں:۔ قَالَ أَهْلُ اللُّغَةِ الْخَاطِئُ بِالْهَمْزَةِ هُوَ الْعَاصِي الْآثِمُ وَهٰذَا الْحَدِيْثُ صَرِيْحٌ فِيْ تَحْرِيْمِ الْاِحْتِكَارِ قَالَ أَصْحَابُنَا الْاِحْتِكَارُ الْمُحَرَّمُ هُوَ الْاِحْتِكَارُ فِي الْأَقْوَاتِ خَاصَّةً وَهُوَ أَنْ يَشْتَرِيَ الطَّعَامَ فِيْ وَقْتِ الْغَلَاءِ لِلتِّجَارَةِ وَلَا يَبِيْعُهُ فِي الْحَالِ بَلْ يَدَّخِرُهُ لِيَغْلُوَ ثَمَنُهُ انْتَهٰى اور طیبی مرحوم شرح مشکوٰۃ المصابیح میں لکھتے ہیں:۔ اَلْاِحْتِكَارُ الْمُحَرَّمُ هُوَ فِي الْأَقْوَاتِ خَاصَّةً بِأَنْ يَشْتَرِيَ الطَّعَامَ فِيْ وَقْتِ الْغَلَاءِ وَلَا يَبِيْعُهُ فِي الْحَالِ بَلْ يَدَّخِرُهُ لِيَغْلُوَا انْتَهٰى اور مجالس الابرار میں مرقوم ہے:۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ هٰذَا الْحَدِيْثُ مِنْ صِحَاحِ الْمَصَابِيْحِ رواه عمر بن عبد الله ومعناه اِنَّ مَنْ يَجْمَعُ الطَّعَامَ الَّذِيْ يُجْلَبُ اِلَى الْبِلَادِ وَيَحْبِسُهُ لِيَبِيْعَهُ فِيْ وَقْتِ الْغَلَاءِ فَهُوَ اٰثِمٌ لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْعَامَّةِ بِهٖ وَهُوَ بِالْحَبْسِ وَالْاِمْتِنَاعِ عَنِ الْبَيْعِ يُرِيْدُ اِبْطَالَ حَقِّهِمْ وَتَضْيِيْقَ الْاَمْرِ عَلَيْهِمْ وَهُوَ ظُلْمٌ عَامٌّ وَصَاحِبُهُ مَلْعُوْنٌ كَمَا رُوِيَ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ الْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ فَاِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَيَّنَ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ اِنَّ الَّذِيْ يَجِيْئُ اِلَى الْبِلَادِ وَيَحْبِسُهُ لِيَبِيْعَهُ فِيْ وَقْتِ الْغَلَاءِ فَهُوَ مَلْعُوْنٌ بَعِيْدٌ مِنَ الرَّحْمَةِ وَلَا يَحْصُلُ لَهُ الْبَرَكَةُ مَادَامَ فِيْ ذٰلِكَ الْفِعْلِ انْتَهٰى۔ وَفِيْ مَجْمَعِ الْبِحَارِ مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا اَيْ اِشْتَرَاهُ وَحَبَسَهُ لِيَقِلَّ فَيَغْلُوَا وَالْحُكْرُ وَالْحُكْرَةُ الْاِسْمُ مِنْهُ وَفِيْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ بِالْهَمْزَةِ الْمُحَرَّمُ مِنَ الْاِحْتِكَارِ مَا هُوَ فِي الْاَقْوَاتِ وَقْتَ الْغَلَاءِ لِلتِّجَارَةِ وَيَدَّخِرُ لِلْغَلَاءِ انْتَهٰى۔ وَفِي الْفَتْحِ فِيْهِ اِشْعَارٌ بِاَنَّ الْاِحْتِكَارَ اِنَّمَا يُمْنَعُ فِيْ حَالَةٍ مَخْصُوْصَةٍ انْتَهٰى۔ اور اگر بازار سے خرید نہ کرے، بلکہ اس کی زمین کا ہو یا ارزانی میں کرے، لیکن اس کو روکے نہیں بلکہ فوراً بیچ ڈالے یا گرانی میں اس کو روکے لیکن تجارت مقصود نہ ہو بلکہ مصارف روزمرہ کے لئے اس نے مول لیا ہو یا جنس قوت بشر اور بہائم سے خارج ہو تو ان سب صورتوں میں تجارت مذکور حرام نہیں بلکہ جائز اور درست ہے بالاتفاق حنفیہ اور شافعیہ الخ۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد۲ ص۳۴۷، ۳۴۸) بحوالہ فتاویٰ نذیریہ جلد۲ ص۲۶۔

سوال:۔ زید اور اس کی زوجہ ہندہ نے بحالت ذات وثبات عقل بخوشی کل اپنی جائیداد کو بدست اپنی دو لڑکیوں کے مبلغ ۱۵ ہزار روپیہ پر بیع کیا، اور بیع نامہ مطابق قانون انگریزی

کے لکھ دیا، ایک ماہ کے بعد زید کا انتقال ہوگیا، اب زید کے دونوں بھی حقیقی داد خواہ ہیں کہ ہم کو جائیداد زید سے شرعاً حصہ ملنا چاہیئے کیونکہ یہ بیع فرضی واسطے عدم مقدمہ کے زید نے کی ہے، ورنہ لڑکیوں کو اتنی مقدرت نہیں جو پندرہ ہزار دیں اور نہ زید اور ہندو کی بجز ان دو لڑکیوں کے اور کوئی اولاد ہے، مگر زوجہ زید جس نے اپنی بھی جائیداد بیع کی ہے، اور اقرار کرتی ہے کہ مجھ کو اور میرے شوہر کو روپیہ مل گیا، چنانچہ اسی وجہ سے میں نے مہر کا دعویٰ نہیں کیا، مگر عقلاً یہ کہ زید اور ہندو نے بیع تو ضرور کی ہے مگر روپیہ نہیں لیا، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ معاف کر دیا۔ پس بحالت مذکور برادر حقیقی زید حصہ پا سکتے ہیں یا نہیں اور مورث اعلیٰ کو اپنی جائیداد کا اختیار ہے یا نہیں کہ جس کو چاہیئے وہ دیدے، اور اگر یہ بیع ناجائز ہے، تو زوجہ مہر پا سکتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ یہ بیع واقعی ہے یا فرضی اس کا فیصلہ کرنا حاکم وقت کا کام ہے جو واقعات کی تحقیق کر سکتا ہے مسئلہ یہ ہے کہ کسی وارث کو محروم کرنے کی نیت سے نہ بیع جائز ہے نہ ہبہ درصورت بیع ناجائز ہونے کے جیسے اور وارث حق پائیں گے عورت بھی پاوے گی۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۴۲۹)

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی گائے دودھ والی دس روپیہ کے بدلے گرو رکھے اور کہے کہ جب میں روپیہ دے دوں گا تب گائے واپس لے لوں گا، اور دودھ مرتہن لے لے، اور وہی خوراک دیوے، تو یہ درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ حدیث میں اس کا خاص ذکر آیا ہے، اس لئے جائز ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۴۲۹)

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی گائے دودھ والی دس روپیہ کے بدلے گرو رکھے، اور کہے کہ جب میں روپیہ دے دوں گا، تب گائے واپس لے لوں گا، اور دودھ مرتہن لے دے، اور وہی خوراک دیوے تو یہ درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ حدیث میں اس کا خاص ذکر آیا ہے، اس لئے جائز ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۴۲۰ طبع دہلی)

سوال:۔ ایک شخص نے دوسرے شخص کے پاس سو روپیہ کے عوض اپنی زمین گرو رکھی اس

شرط پر کہ تین برس کے بعد ہم روپیے دے کر زمین واپس کریں گے، اور اس مدت میں جو کچھ پیداواری کا منافع ہو وہ اپنے مصرف میں لادے، اور مالگزاری ادا کرتا رہے؟

جواب:۔ بعض علماء اس صورت کو گائے والی صورت پر قیاس کرتے ہیں کہتے ہیں کہ زمین کا لگان مرتہن کے ذمے مثل گائے کی خوراک کے برابر ہے بعض اس سے منکر ہیں، اختلاف سے نکلنے کے لئے مالک کو بھی کرایہ زمین کے طور پر کچھ دے دیا کرے خواہ تھوڑا ہی ہو جائز ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۴۴۹)

سوال:۔ ایک شخص نے کچھ روپیہ لیا، اور دینے والا اس شرط پر دیوے کہ فصل پر کچھ ہی بھاؤ ہو میں ایک روپیہ من کے حساب سے غلّہ لوں گا، اس نے منظور کر لیا تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ یہ صورت بیع سلم کی ہے اگر اس میں جنس اور ادائے جنس اور مکان تعین کر دی گئی ہے، تو بحکم حدیث جائز ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۴۵۰)

سوال:۔ ایک شخص نے تیس روپیہ من کے حساب سے اور لینے کا بھاؤ مقرر نہیں کیا، اور نہ وقت اور جب لینا چاہا تو اس وقت بھاؤ دو روپے من کا ہے اور وہ اسی وقت کے بھاؤ سے لینا چاہتا ہے، یعنی دو روپے من کے حساب سے تو اس طرح لینا درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے تیس روپے والے غلّے کے عوض میں یہ سودا ہے، تو جائز نہیں اس سودے کو بالکل الگ سمجھنا چاہیئے، اور یہ سودا بالکل الگ تو جائز ہے، مگر جب مقرر نہیں تو جو بھاؤ بازار کا ہوگا، اسی سے لے سکے گا۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۴۵۰)

سوال:۔ بینک میں روپیہ رکھ کر سود سے بچ نہیں سکتے، سود کا روپیہ ہم اپنے مصرف میں نہیں لاتے، اور لوگوں کو یوں ہی دے دیتے ہیں، بغیر بینک کے ہمارا کاروبار نہیں چل سکتا ایسی صورت میں بینک میں روپیہ رکھنا کیسا ہے؟

جواب:۔ غریب غرباء کو یا قومی کاموں میں دے دیا کریں۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۴۵۱)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نوٹ کرنسی جس کو چلنی بولتے ہیں، بمنزلہ روپے کے جاری ہیں، اور اکثر ان کے نرخ میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اگر کوئی مسلمان اس کو بحصول

منفعت ارزانی میں خریدے اور بروقت گرانی وغیرہ کے اس کو بحصول منافع فروخت کرے، تو از روئے شرع شریف اس میں کمی بیشی جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ درصورت مرقومہ اولاً معلوم کرنا چاہئیے کہ سرکاری نوٹ دو قسم کے ہوتے ہیں، سو ایک قسم کے نوٹ کا سود سرکاری بینک سے ملتا ہے، دو قسم کا نوٹ بحکم سرکار انگریزی کی واسطے معاملات روزمرہ رعایا کے کہ وہ اسے خرید و فروخت کریں رواج دیا گیا۔ پس ہر دو قسم نوٹ حکم روپیہ انگریزی عملداری میں رکھتے ہیں، چنانچہ اصل تجارت نوٹ کو بمنزلہ روپیہ کے سمجھے ہیں، اور اس سے مال خریدتے ہیں۔ اور نیز باہم اس کی بیع و شرع کرتے ہیں۔

ثانیاً بیع و شرع ہر دو قسم نوٹ سے مقصود متعاقدین کا صرف کاغذ کی بیع و شرع نہیں ہے بلکہ بیع و شرع اس زر کی مقصود ہے جو اس میں مرقوم ہے اور ثمنیت اس میں بحکم ترویج حاکم وقت قرار پاتی ہی سو خرید و فروخت کمی اور بیشی کے ساتھ بمقابلہ روپیہ کے یا بیع و شرع نقدین کے بالنسیہ اور تملیک الدین من غیر من علیہ الدین حرام اور ناروا ہوگا شرعاً اور اس کو از قسم سفتجہ یعنی ہنڈوی درشنی قرار دیجئے، اور یہ بات اس پر صادق ہے کہ مثل ہنڈی درشنی جس مہاجن اور تاجر اور سرکاری بینک والوں کو دیا جاوے تو وہ بلا تامل زر مرقوم اس کا یا اسباب مالعوض اس کے حوالے کر دے گا، پس سفتجہ کہ اولاً قرض ثانیاً حوالہ ہے بدوں کمی و بیشی کے مکروہ اور کمی و بیشی کے ساتھ حرام ہے۔

لِاَنَّ کُلَّ دَیْنٍ وَقَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ رِبٰوا كَذَا يُسْتَفَادُ مِنَ الْهِدَايَةِ وَغَيْرِهَا

لہٰذا اگر نوٹ مثل ہنڈی کے قرار دیا جاوے تو یہ بھی ممکن نہیں اس لئے کہ ہنڈی کے تلف سے روپیہ تلف نہیں ہوتا اور اس کے عوض میں مہاجن مثنی دیتا ہے، جیسے منی آرڈر یعنی سرکاری ہنڈی کے تلف ہونے سے سرکاری خزانے سے مثنی ملتا ہے غرض روپیہ اس کا کسی نہج سے تلف نہیں ہوتا بخلاف نوٹ کے کہ اس کے تلف ہونے سے سرکار ہرگز مثنی نہیں دیتی، اور جب وہ تلف ہو جاویگا تو روپیہ بھی اس کا تلف ہو جاوے گا، اور جو کوئی نوٹ کو اسٹامپ و ٹکٹ پر قیاس کرکے اس کی بیع و شرع میں جواز کمی و بیشی کا سمجھے تو یہ قیاس کرنا اس کا قیاس مع الفارق ہے اس واسطے کہ واضع اسٹامپ و ٹکٹ نے اس کو واسطے ثمنیت کے وضع نہیں کیا، بلکہ خاص اپنی عدالتوں میں اس کو رواج قرار دیا ہے کہ بذریعہ اس کے دعوئی مدعی یا مدعی علیہ کا عند السرکار مسموع ہوگا،

دراہم فلا۔ چنانچہ عرفاً یہ بات ثابت ہے کہ تمام تجاروں میں خرید و فروخت مال کی اسٹامپ و ٹکٹ سے نہیں ہوتی اور نہ کوئی ان کو خرید کر اپنے پاس سرکاری بنک میں رکھتا ہے، اور نہ کوئی فائدہ ان سے سوائے عدالت انگریزی کے حاصل کرتا ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ اسٹامپ و ٹکٹ بحکم سرکار روپیہ قرار نہیں دیا گیا۔ اور نوٹ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ تفصیل اس کی اوپر بیان ہو چکی۔ حاصل کلام حکم نوٹ کا مثل دراہم متعین کے ہوگا، اور نیز بیع و شرع اس میں مثل دراہم کے جاری ہوگی، کما لا یخفی علی العالم الماهر بالفقه والله اعلم بالصواب۔ (حررہ السید شریف حسین عفی عنہ)۔ (سید شریف حسین)

درحقیقت کمی بیشی اس میں جائز نہیں ہے واللہ اعلم۔ کتبہ ابوالاخیار محمد نعیم عفی عنہ ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۰۸ھ

ہو المصوب۔ فی الواقع بیع و شرع نوٹ کی مثل بیع و شرع اثمان کے ہے کیونکہ مقصود متعاقدین کا صرف بیع کاغذ کی نہیں ہوتی ہے، بلکہ بیع دراہم و دنانیر کی والعبرۃ فی العقود للمعانی لا للالفاظ پس زیادتی و کمی ممنوع ہو گی واللہ اعلم۔ حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی لا تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی وحفظہ عن موجبات الغی۔ (ابوالحسنات محمد عبدالحی)

ہو الموفق:۔ فی الحقیقت کرنسی نوٹ کی بیع و شرع مثل بیع و شرع دراہم و دنانیر کے ہے اس میں کمی بیشی درست نہیں واللہ اعلم بالصواب نمقہ خادم الاولیاء الکریم محمد ابراہیم غفرہ اللہ الکریم بن مولانا علی محمد مرحوم۔ (محمد ابراہیم) (فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص ۲۳-۲۲) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۴۵۰ و ۴۵۱)

سوال:۔ زید نے بکر کو روپیہ دیا، کہ اس سے تم تجارت کرو، ایک مہینہ تک اس روپیہ سے جس قدر مال خرید و گے، اس کو اسی مہینہ میں فروخت کر دینا مگر ایک مہینہ کے اندر سب کاروائی کر لینا دوسرے مہینے میں بھی اسی طرح کرنا، غرض ہر ماہ یہ سلسلہ جاری رہا، پس ایسی تجارت جائز ہے یا کہ نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے مالک کو ہر ایک جائز شرط لگانے کا اختیار ہے گماشتہ کو منظور نہ ہو تو نہ مانے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۴۵۲)

سوال:۔ ایک شخص مسلمان سور کا گوشت بیچتا ہے جو ولایت سے ٹین میں رکھ کر خوب صورت لیبل سے مزین ہو کر آتا ہے اور یوں بھی گوشت بقر وغیرہ ماکول اللحم جو وہاں سے ٹینوں میں بند ہو کر آتا ہے خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- سور کے گوشت کا اگر یقین ہے تو مسلمان کو اس کی بیع جائز نہیں۔ مشکوک حالت میں بھی یہی پرہیز واجب ہے حدیث شریف میں ہے :- مَنِ اتَّقَی الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ۔ جو شبہات سے بچے گا وہ اپنا دین بچائے گا۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۲)

سوال :- ایک شخص معازف و مزامیر کے پرزے بیچتا ہے۔ آیا یہ بیع و شرع جائز ہے یا حرام؟

جواب :- معازف و مزامیر چونکہ خود جائز نہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ مجھے ان کے توڑنے کا حکم ہے اس لئے ان کے پرزوں کی بیع و شرع بھی جائز نہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۳)

سوال :- بیع بالمضاربت کی تعریف کیا ہے اور اس کے انعقاد کے مکمل شرائط کیا ہیں، ہمارے یہاں غریب طبقہ کے لوگ مہاجن سے اس شرط پر ادھار لاتے ہیں کہ تیار کردہ مال پر فی تھان آنہ یا دو آنہ کمیشن دیں گے، پھر اپنا کاروبار کرتے ہیں مال کا مالک اپنی اصلی رقم کے ساتھ باہم معینہ منافع لیتا ہے، گھاٹے اور نقصان سے اس کا کوئی مطلب نہیں، کیا یہ صورت جائز اور بیع بالمضاربہ سے ہے یا نہیں؟

جواب :- بیع مضاربت کی تعریف یہ ہے کہ ایک شخص کی رقم ہو اور دوسرے کی محنت ہو صورت مرقومہ بیع مضاربت نہیں ہے، بلکہ دلالی ہے۔

مسئلہ :- کوئی شخص کسی مفلس شخص سے یہ بات کہے کہ میں تجھ کو سو روپے اپنے پاس سے دیتا ہوں اس شرط پر کہ تو تجارت کر اور چار آنہ فی روپیہ مجھ کو نفع دینا، اور کسی سے اسی شرط پر دلوا دیئے تو صورت اولیٰ میں دو حال سے خالی نہیں، کہ قرض کے طریق سے دیا ہو سو روپیہ پھر اس میں چار آنے یا کمی بیشی اپنے واسطے نفع ٹھہرائے تو یہ ربا سود ہے،[1] كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ رِبًا كَذَا

---

[1] قوله كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا الخ حاصل ما قال الزيلعي م انه اَخْرَجَهُ الْحَارِثُ عَنْ اَبِيْ اُسَامَةَ فِيْ سَنَدِهٖ اَبُوا الْجَهْمِ فِيْ جُزْءِهٖ الْمَعْرُوْفِ عَنْ عَلِيٍّ مَرْفُوْعًا وَابْنُ عَدِيٍّ فِي الْكَامِلِ عَنْ جَابِرٍ وَسَنَدُ هُمَا ضَعِيْفٌ وَرَوَى ابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ فِيْ مُصَنَّفِهٖ حَدَّثَنَا اَبُوْخَالِدِ الْاَحْمَرُ عَنْ حَجَّاجٍ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ كَانُوْا يَكْرَهُوْنَ كُلَّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً انتهى نصب الراية جلد ۲ صفحہ ۱۹۸۔ وَفِي التَّلْخِيْصِ حديث اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً - وَفِيْ رِوَايَةٍ كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ

فِی الْھِدَایَةِ وَغَیْرِھَا اور یہ جو بطور شرکت مضاربت کے سو روپے دیئے ہوں تو اس صورت میں نفع باخود یا نصف نصف مقرر کرلے یا دو ثلث رب المال اور ایک ثلث مضاربت یعنی روپیہ لینے والا اور محنت تجارت میں کرنے والا لے، تو اس طرح سے عقد مضاربت صحیح اور درست ہے، اور جو صاحب مال اپنے واسطے نفع معین کرلے کہ پانچ روپیہ یا دس روپے مثلاً میں لے لیا کرونگا باقی نفع تم لے لیجیئو. تو یہ صورت مضاربت فاسد کی ہے، اور قاطع شرکت ہے روا نہیں چنانچہ تمام کتب فقہ ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے اور صورت ثانیہ دلوا دینے میں غیر سے اپنی معرفت سے تو اس صورت میں دلوانے والا محض اجنبی ہے اور جو شخص متوسط کسی طرح سے مستحق نفع کا نہیں ہو سکتا کَمَا لَا یَسْتَحِقُّ الْاَجْنَبِیُّ نَفْعًا وَالْعَقْدُ فِی الْعِنَایَةِ وَغَیْرِھَا۔ (سید محمد نذیر حسین)

(فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ صٰٓ)

(بقیہ صفحہ گذشتہ کا) مَنْفَعَةً فَھُوَ رِبًا قَالَ عُمَرُ بْنُ بَدْرٍ فِی الْمُغْنِیْ لَمْ یَصِحَّ فِیْہِ شَیْءٌ وَاَمَّا اِمَامُ الْحَرَمَیْنِ فَقَالَ اِنَّہٗ صَحَّ وَتَبِعَہُ الْغَزَالِیُّ وَقَدْ رَوَاہُ الْحَارِثُ بْنُ اَبِیْ اُسَامَةَ فِیْ مُسْنَدِہٖ مِنْ حَدِیْثِ عَلِیٍّ بِاللَّفْظِ الْاَوَّلِ وَفِیْ اِسْنَادِہٖ سَوَّارُ بْنُ مُصْعَبٍ وَھُوَ مَتْرُوْکٌ وَرَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِی الْمَعْرِفَةِ
ںْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَیْدٍ مَوْقُوْفًا بِلَفْظِ کُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَھُوَ وَجْہٌ مِّنْ وُجُوْہِ الرِّبَا وَرَوَاہُ
ب السُّنَنِ الْکُبْرٰی عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَاُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ وَعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَلَامٍ مَوْقُوْفًا عَلَیْھِمْ انتہی
لخیص جلد ۲ صہ ۲۲۵ ۔ وَقَالَ الْحَافِظُ فِیْ بُلُوْغِ الْمَرَامِ بَعْدَ ذِکْرِہٖ عَنْ عَلِیٍّ مَرْفُوْعًا وَلَہٗ شَاھِدٌ
ضعِیْفٌ عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَیْدٍ عِنْدَ الْبَیْھَقِیِّ وَاٰخَرُ مَوْقُوْفٌ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَلَامٍ عِنْدَ الْبُخَارِیِّ
نتہٰی ۲ قُوْلُ اَخْرَجَہُ الْبُخَارِیُّ فِیْ مَنَاقِبِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَلَامٍ مِنْ طَرِیْقِ سُلَیْمَانَ بْنِ
ب حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ اَتَیْتُ الْمَدِیْنَةَ فَلَقِیْتُ
بْدَ اللّٰہِ بْنَ سَلَامٍ فَقَالَ اَلَا تَجِیْءُ فَاُطْعِمُکَ سَوِیْقًا وَتَمْرًا وَتَدْخُلُ ثُمَّ قَالَ
لکَ بِاَرْضٍ الرِّبَا بِھَا فَاشٍ اِذَا کَانَ لَکَ عَلٰی رَجُلٍ حَقٌّ فَاَھْدٰی اِلَیْکَ
لَ تِبْنٍ اَوْ حِمْلَ شَعِیْرٍ اَوْ حِمْلَ قَتٍّ فَلَا تَاْخُذْ فَاِنَّہٗ رِبًا انتہٰی
ارِیْ ۔ مِصْرِیْ جلد ۲ صہ ۱۹۳ ۔ ابوسعید محمد شرف الدین ۔ مصحح ۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صہ ۴۵۳ و ۴۵۲)

توضیح البیان:۔ مندرجہ بالا عبارات سے واضح ہوا کہ حدیث کل قرض جر منفعۃ کا اصل ہے اگرچہ سنداً مرفوع ضعیف ہے لیکن تعدد طرق اور صحابہ کرام کے اقوال و افعال سے اس حدیث کی تائید ہے لہٰذا حدیث کا اصل ہے۔ فافہم و تتبلد الراقم علی محمد سعیدی جامع سعیدیہ خانیوال۔

سوال:۔ بیع سلم سونا۔ چاندی میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ بیع سلم میں دام پہلے دے کر چیز پیچھے جاتی ہے، اور سونے، چاندی میں ایسا کرنا جائز نہیں، کیونکہ وہ بیع صرف ہے، بیع صرف میں دست بدست لیا جاتا ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۴۴۱)

سوال:۔ ایک شخص نے ایک مکان ناجائز روپے سے تعمیر کرایا اب جس شخص کو یہ علم ہو کہ یہ مکان ناجائز روپے سے تعمیر کرایا گیا ہے، اس کو اس مکان میں کرایا دے کر رہنا اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے کہ نہیں؟

جواب:۔ مالک مکان متکلف ہے اس کا حکم یہ ہے کہ کرایہ دار بالعوض رہے تو اس کو جائز ہے، مالک گنہگار ہے یہ مضمون حدیث هَلْ تَرَكَ لَنَا عَقِيلٌ شَيْئًا سے ماخوذ ہے واللہ اعلم۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۴۴۱ و ص ۴۴۲)

سوال:۔ زید نے اپنی ضرورت کو ایک ہزار روپیہ بکر سے لیا جس کے عوض میں اپنا دو ہزار روپے کا مکان لکھ دیا، اور اقرار نامہ بکر سے علیحدہ لکھ لیا کہ اگر تین سال میں یہ مبلغ تم کو واپس کر دوں، تو اسی مبلغ پر اپنا گھر میرے نام واپس کر دینا۔ پھر زید نے بکر کو اسی مکان کا ایک کرایہ نامہ بھی لکھ دیا کہ مکان مذکور کا کرایہ میں دس روپیہ دیا کروں گا، تین سال تک ایک روپیہ فی سینکڑہ کا حساب دل میں ہے کیا بکر کا ایسا سلوک زید سے از روئے قرآن و حدیث حلال ہے یا حرام؟

جواب:۔ بکر کی نیت تو یہ ہے کہ سود سے بچے اور فائدہ بھی اُٹھائے مگر صورت بیع کی اس لئے بیع کے تمام حکم اس پر مرتب ہوں گے۔ یعنی جائز ہے، واللہ اعلم۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۴۴۲)

سوال:۔ ایک شخص زید، عمرو کا ملازم ہے، عمرو نے اس کو سفر میں بھیجا اور کہا کہ ریل کے سفر کا ڈیوڑھے درجے کا ٹکٹ لینا اور آگے گاڑی کرایہ پر کر لینا، زید نے تیسرے درجے کا ٹکٹ

لیا، اور گاڑی کے سفر میں پیدل گیا، عمرو یعنی مالک سے کرایہ ڈیوڑھا مجرا لیا، اور کرایہ گاڑی کا جو پیدل گیا تھا لیا چونکہ حکم تو آقا کا یہی تھا، جو مجرا لیا، مگر خرچ اتنا نہیں کیا کہتا کہ میں نے پیدل تکلیف خود اٹھائی ہے میرا حق ہے اب شرع شریف کا کیا حکم ہے۔

(راقم عبداللہ ساکن راولپنڈی)

جواب:۔ مالک نے کرایہ کا مالک اس کو نہیں بنایا، بلکہ اس کرایہ کو استعمال کیلئے دیا ہے، تاکہ وقت بھی کم ملے اور بعض صورتوں میں مالک کی عزت بھی اسی میں ہوتی ہے کہ اس کا نوکر عزت سے جائے اس لئے نوکر اگر اس کرایہ کو بچا کر اپنائے تو مالک کی مرضی کے خلاف ہے، ہاں اگر مالک اجازت دے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۴۴۲)

سوال:۔ اگر کوئی حکیم یا ڈاکٹر طوائف کا علاج کرے تو اس کو فیس اور قیمت دوا کی لینا جائز ہے یا نہیں، اور فیس اور دوا کی قیمت میں کچھ فرق ہے۔ یا برابر ہے، اور اسی طرح جو عطار نسخہ باندھتا ہو یا اور کوئی مسلمان دوکاندار جو ان کے ہاتھ سودا کرے تو اس کی قیمت لینی کیسی ہے، اور اس دوکاندار یا حکیم ڈاکٹر میں کچھ فرق ہے یا برابر ہیں اگر فرق ہو تو وجہ بھی ضرور بیان فرمائی جاوے ورنہ ان کے علاج وغیرہ کی کیا صورت ہے؟

جواب:۔ طوائف کا مال جو زنا وغیرہ ناجائز طریقوں سے کمایا ہو، چونکہ از روئے شریعت ان کی ملک نہیں ہے، اس لئے علاج کی فیس یا کسی چیز کی قیمت میں لینا جائز نہیں، قیمت اور جنس میں کوئی فرق نہیں، دونوں برابر ہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۴۴۲ و ۴۴۳)

سوال:۔ ایک شخص نے سود کے ساتھ بہت سا روپیہ جمع کیا ہے۔ بعد ازاں سود سے توبہ کی کہ آگے سود نہ لوں گا سابقہ روپیہ سودی جمع شدہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ سود کی بابت قرآن مجید میں ارشاد ہے، فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ سود کے بارے میں خدا کی طرف سے جس نصیحت آپہنچے، پھر وہ باز آئے تو جو گذرا وہ اس کا ہوا اور جو رقم ابھی مقروض کے ذمہ ہے اس کی بابت ارشاد ہے، فَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ الآیہ اگر تم توبہ کرو تو تم اصل مال کے مالک ہوں گے، سود تم کو نہیں ملے گا۔

تشریح:۔ از مولانا عبدالسلام صاحب شیخ الحدیث ریاض العلوم دہلی۔

سوال :- زید دس سال سے سودی لین دین کر رہا ہے آج خدا سے ڈر کر توبہ کرتا ہے اور اپنے کل مال زکوٰۃ نکالتا ہے، لوگوں کے ذمے باقی ماندہ سود کو چھوڑ دیتا ہے لیکن جو مال اس نے سود لے کر جمع کیا ہے، اس میں اصل بھی ہے آیا یہ مال پاک ہے یا ناپاک؟

جواب :- سود کا لینا دینا ہر صورت میں حرام ہے توبہ کرنے سے معاف ہو جائے گا، قبل از توبہ حلال و مخلوط از سود مال توبہ کے بعد پاک ہو جائے گا، توبہ کرنے سے شرک و کفر تک معاف ہو جاتے ہیں، انہیں گناہ کبائر میں سے سود بھی ہے وہ بھی معاف ہو جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ۔ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

مسئلہ مذکور میں قرآن اپنے ان الفاظ میں ناطق ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ فَمَنْ جَآءَہٗ مَوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ فَانْتَھٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُہٗٓ اِلَی اللّٰہِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ البقرۃ - ترجمہ :- جو لوگ سود کھاتے ہیں، نہیں اُٹھتے ہیں، مگر جیسے وہ شخص جس کو شیطان نے اچک لیا ہو (یعنی مجنون) یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے خرید و فروخت اور سود کو ایک کہا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال کیا، اور سود کو حرام۔ تو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت آ جانے کے بعد باز رہے، تو وہ مال اسی کا ہے جو اس نے پہلے لیا اس کا امر خدا کے سپرد ہے لیکن جو باز نہ آئے وہی اہل نار میں سے ہے جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے قول فَلَہٗ مَا سَلَفَ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مال توبہ سے پہلے اور حرمت سے پہلے لے چکا ہے اس کا رکھنا اس کے لئے جائز ہے اس کے واپس کرنے کا صراحۃً حکم نہیں، چنانچہ حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں :-

فَمَنْ جَآءَہٗ مَوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ فَانْتَھٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُہٗ اِلَی اللّٰہِ الآیۃ ای من بلغہ نھی اللّٰہ عن الربٰو فانتھی حال وصول الشرع الیہ فلہ ما سلف من المعاملۃ لقولہ عفا اللّٰہ عما سلف وکما قال النبی صلی اللّٰہ علیہ

وسلم یوم فتح مکۃ وکل ربا فی الجاھلیۃ موضوع تحت قدمی ھاتین واول ربا اضع ربا العباس ولم یامرھم برد الزیادات الماخوذۃ فی الجاھلیۃ بل عما سلف کما قال اللہ فلہ ما سلف وامرہ الی اللہ الخ۔ اور تفسیر مواہب الرحمن میں آیت کریمہ کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے۔ یعنی جس شخص کے پاس آگئی نصیحت اس کے رب عزوجل کیطرف سے پس وہ باز رہا یعنی بیاج کھانے سے تو جو گزر چکا ہے وہ اس کے لئے ہے۔

فائدہ:۔ یعنی وہ بیاج اس سے واپس نہیں کیا جائے گا، جو حکم الٰہی کے پہنچنے سے پہلے وہ جمع کر چکا ہے الخ اور اگر توبہ کے وقت اصل رقم اور سود کے مال سے لوگوں کے ذمے باقی ہے تو توبہ کے بعد اپنی اصل رقم کو لے اور سود کو چھوڑ دے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین ۝ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم رءوس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون ۝ (البقرہ ع)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو رہ گیا ہے سود سے اگر تم کو یقین ہے، پھر اگر نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اگر توبہ کرو گے تو تم کو پہنچتے ہیں اصل مال، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ الحدیث دہلی۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۳۴۴-۳۴۳)

سوال:۔ ایک عورت نے ہاتھ کی چوڑی بنوانے کے لئے بکر کو سوا اڑتالیس روپے تین نے وزن کا سونا دیا، بکر اس سونے کو سنار کے ہاں لے کر گیا، اور کہا کہ اس سونے کی فلاں عورت کے لئے چوڑی بنا دے، سنار نے وہ سونا بکر کے ہاتھ چوڑی بنانے کے لئے لے لیا، اور بحفاظت لوہے کے ٹرنک میں لیا، اس کے چند روز بعد سنار مذکور کے ہاں چوری ہو گئی جس میں علاوہ دیگر گاہکوں کی اشیاء کے عورت مذکور کا بکر کے ہاتھوں بھیجا ہوا سونا بھی چوری ہو گیا، جس کی اطلاع سنار نے پولیس کو کی پولیس کی تفتیش و تحقیق میں شہر کے باہر میدان وغیرہ گاہکوں کی چیزوں میں سے چند چیزیں دستیاب ہوئیں، نیز جس ٹرنک میں عورت مذکور کا سونا بحفاظت رکھا ہوا تھا وہ ٹرنک بھی شکستہ حالت میں وہیں سے دستیاب ہوا لیکن بالکل خالی تھا، پولیس کے روزنامچے میں یہ رپورٹ

جواب :- عورت مذکورہ نے بعد اطلاع بکر سے دعویٰ کیا اور اپنا سونا طلب کیا اس پر بکر نے انکار کیا، اور کہا کہ تمہارے کہنے کے مطابق سنار کو سونا چوڑی بنوانے کے لیے میں نے دے دیا تھا، اب جب کہ اس کے ہاں چوری ہوگی/جس میں تمہارا سونا بھی باوجود حفاظت تمام چوری ہوگیا تو مجھے کیا میں اس کا ذمہ دار نہیں۔

لہٰذا غور طلب امر یہ ہے کہ سونے مذکور کا شرعاً ذمہ دار کون ہے بکر یا سنار یا دونوں میں سے ایک بھی نہیں، بینوا توجروا۔

جواب :- عورت مذکور نے بکر کو بنوانے کا وکیل کیا تھا، تو بکر پر تاوان نہ آئے گا، صرف سنار پر آئے گا، اور بکر خود سنار ہے یا ٹھیکہ دار ہے اور کام بنانے یا بنوانے کا ذمہ دار ہے تو بکر پر تاوان آئے گا، اور وہ سنار سے لے گا، بہرحال امر تفصیل طلب ہے واللہ اعلم۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۴۴۵)

سوال :- نوٹ کی قیمت میں کمی بیشی لانا دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- نوٹ نہ چاندی ہے نہ سونا بلکہ در اصل ایک سرکاری رسید قرضہ ہے۔ اور عرف عام میں ایک مبیعہ چیز ہے اس کی کمی بیشی جائز ہے۔

اطلاع :- فتووں کی غلطی پر ہر ایک صاحب اطلاع دے سکتے ہیں (خاکسار ابوالوفا ثناء اللہ)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۴۵۰)

سوال :- اس سنار کے متعلق کہ جس کے ہاں سے اپنے گاہکوں کا سونا باوجود حفاظت و نگہداشت کے چوری کیا گیا تھا، اس کو گاہک یا وکیل گاہک جس کہ سونا سنار کے ہاں سے چوری کیا گیا تھا، یوں سمجھائے اور چھوٹ کہے کہ تو نے اگر میرے چوری شدہ سونے کی قیمت ادا کر دی تو میں بہت سی اشیاء تجھ سے بنواؤں گا، یعنی آرڈر دلواؤں گا، بایں طور سنار مذکور سے اپنے چوری شدہ سونے کے دام وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب :- شریعت میں اجیر (کاریگر) دو قسم کے ہیں ایک اجیر خاص۔ دوسرا اجیر مشترک، مثلاً کسی شخص نے ایک دھوبی خاص اپنے لئے نوکر رکھا ہے، دوسری قسم یہ ہے کہ دھوبی بہت سے لوگوں کے کپڑے دھوتا ہے قسم اول میں کوئی نقصان اس کی لاپرواہی یا خیانت کے بغیر ہو جائے تو اس

پر تاوان نہیں ہوتا۔ قسم دوم پر ہوتا ہے، پس صورت مرقومہ میں سُنار سے جو مشترک اجیر ہے گم شدہ سونے کا عوض لینا جائز ہے، ہاں اس کو آرڈر کا طمع دینا۔ دو وجہیں رکھتا ہے، ایک تو یہ کہ اس کو نیت سے کہتا ہے کہ معاملہ صاف رہے گا، تو کام بھی ملے گا ورنہ نہیں، یہ بھی جائز ہے، اور اگر محض دھوکہ دے کر اصل چیز وصول کرنا مقصود ہے، تو ایسا کرنا ناجائز بہرحال نیت پر موقوف ہے اس قسم کے معاملات کی بابت ایک ہی اصول ہے اَللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ اور حدیث شریف میں ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۲۲۵ و ص ۲۲۶)

سوال:۔ زید نے بکر کی گائے چورا لی اور کسی دوسرے گاؤں میں لے جا کر بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر ذبح کر لی، اس وقت بکر بھی چور کی تلاش کرتا ہوا آگیا جس وقت بکر آیا اس کو گاؤں کے لوگوں نے بتا دیا کہ زید نے تیری گائے چورا کر یہاں لا کر ذبح کر لی ہے، جھٹ بکر زید کو جا کر پکڑ لیا، ابھی تک گائے کا گوشت پڑا فروخت ہو رہا تھا، جب بکر آیا زید نے اقرار چوری کا کر لیا، اور بکر کو قیمت گائے دے کر خوش کر لیا، آیا اب یہ گائے مسلمانوں کو کھانی حلال ہے یا حرام اور ذبح کیا حکم ہے؟

(حافظ فضل الرحمٰن از علیکا ضلع حصار)

جواب:۔ گوشت کی حرمت مالک کی حق تلفی کی وجہ سے تھی جب اس نے اپنا حق لے لیا تو اب گوشت حلال ہے مگر ذبح کا فعل چونکہ ایسے وقت میں ہوا ہے جس وقت گائے مسروقہ تھی اور اس سے متعلق تھا، اس لئے ذبح گنہگار ہے اس کو توبہ نصوح کرنی چاہیئے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۲۲۶)

سوال:۔ ٹھیکہ تاڑی اور خمر کا درست ہے یا نہیں اور جو شخص کہ ٹھیکہ لیوے اس کی دعوت اور امامت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب:۔ تاڑی اور خمر کا ٹھیکہ مثل خرید و فروخت اس کے ہے شرعاً مَا یُسْلِمُ ثَمَنًا یُسْلِمُ اُجْرَۃً کَذَا فِیْ کُتُبِ الْفِقْہِ جَازَ اَخْذُ دَیْنٍ عَلٰی کَافِرٍ مِنْ ثَمَنِ خَمْرٍ لِصِحَّۃِ بَیْعِہٖ بِخِلَافِ دَیْنٍ عَلَی الْمُسْلِمِ لِبُطْلَانِہٖ کَذَا فِی الْمُتُوْنِ وَالشُّرُوْحِ الْحَنَفِیَّۃِ لِاَنَّہٗ مَالٌ مُتَقَوَّمٌ فِیْ حَقِّ الْکَافِرِ فَھَلَکَہُ الْبَائِعُ فَیَحِلُّ الْاَخْذُ مِنْہُ قَوْلُہٗ لِبُطْلَانِہٖ لِاَنَّ الْخَمْرَ لَیْسَ بِمَالٍ مُتَقَوَّمٍ فِیْ حَقِّ الْمُسْلِمِ فَبَقِیَ الثَّمَنُ عَلٰی مِلْکِ الْمُشْتَرِیْ فَلَا یَحِلُّ لَہٗ اَخْذُہٗ مِنَ الْبَائِعِ کَذَا فِی الطَّحْطَاوِیْ وَھٰکَذَا فِی الْھِدَایَۃِ وَغَیْرِھَا پس اس صورت

پس مال اور طعام تاڑی و شراب کے ٹھیکہ لینے والے کا حرام اور لینا مال اس کا اور کھانا اس کا اور دعوت اس کی قبول کرنی حرام ہے شرعاً اگر بذریعہ تاڑی اور خمر یا بوجہ اور حرام کے حاصل کیا ہو، وَلَا يُجِيبُ دَعْوَةَ الْفَاسِقِ الْمُعْلِنِ يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرُ رَاضٍ بِفِسْقِهِ وَكَذَا دَعْوَتُ غَالِبِ مَالِهِ حَرَامٌ مَالَمْ يُخْبِرُ أَنَّهُ وَبِالْعَكْسِ يُجِيبُ مَالَمْ يَعْلَمُ أَنَّهُ حَرَامٌ وَأَكْلُ الرِّبٰوا وَكَاسَبُ الْحَرَامِ لَوْ أُهْدِيَ إِلَيْهِ أَوْ أَضَافَهُ وَغَالِبُ مَالِهِ حَرَامٌ لَا يَقْبَلُ وَلَا يَأْكُلُ إِلَى آخِرِ مَا فِي الطَّحْطَاوِيِّ وَالْعَالَمْگِيرِيَّةِ وَغَيْرِهِمَا مِنْ كُتُبِ الْفِقْهِ - اور ایسے شخص مذکور کو امام نہ بنادے اس لئے کہ فاسق قابل اہانت کے ہے، لَا يُقَدَّمُ الْفَاسِقُ لِلْإِمَامَةِ كَذَا فِي الْمُسْتَمْلِيِّ وَغَيْرِهِ مِنْ كُتُبِ الْفِقْهِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ (سید محمد نذیر حسین عفی عنہ)

(فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ صـ ۵۵) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صـ ۴۲۵ و صـ ۴۳۶)

سوال:- مہوا جو ایک بڑے درخت کا پھل ہے علاقہ بہار میں بہت ہوتا ہے مثل کشمش کے بہت میٹھا اور سستا ہوتا ہے، دیہات کے غریب لوگ کھاتے ہیں بکثرت اس سے شراب بنتی ہے پانی میں بھلا کر مویشی کو کھلایا جاتا ہے، دو چار روز پانی میں رکھنے سے اس میں کچھ نشہ لانے کا اثر بھی ہوجاتا ہے، مویشی کے مانڈے میں چارے کے ساتھ مہوا کھلی وغیرہ ملا کر رکھ دیا جاتا ہے جو اکثر دو چار روز تک کھلایا جاتا ہے، اس طرح جانور کو کھلانے میں کچھ شرعی ممانعت ہے یا نہیں؟

جواب:- مہوا کی جو کیفیت لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گیہوں انگور اور گڑ وغیرہ کی طرح ہے گیہوں اور انگور سے بھی شراب بنتی ہے تو جس طرح گیہوں اور انگور کی غذا جائز ہے مہوا کی بھی جائز ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صـ ۴۳۶)

سوال:- مہوا جس کا اوپر ذکر ہوا، اس کی خریداری شراب کے ٹھیکہ داروں کی طرف سے ہوتا ہے یہ مہوا شراب میں بھی استعمال ہوتا ہے اور غذا میں بھی شراب کے ٹھیکہ دار سے فروخت کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب:- جس حالت میں کوئی چیز بیچی جاتی ہے اس حالت میں وہ نشہ آور نہیں ہے تو اس کا بیچنا جائز ہے فقہا نے صاف لکھا ہے کہ شراب ساز کے پاس انگور بیچنا جائز ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ثانی صـ ۴۳۶)

سوال:۔ گڑ راب کی بھی یہی حالت ہے اسی حالت میں اس کا فروخت کرنا کیسا ہے؟

جواب:۔ جواب شرح صدر۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ثانی ص ۴۳۶)

سوال:۔ شراب بیچنے والے اس کی تجارت کے واسطے مکان کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ شراب کی وجہ سے دس آدمیوں پر لعنت آئی ہے مکان کرایہ پر دینے والا ان میں نہیں لیکن معین اور مجیز ہے، اس واسطے مکان دینا جائز نہیں۔ لَا تَعَاوَنُوا عَلَی الْاِثْمِ الایۃ۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ثانی ص ۴۳۶ و ص ۴۳۷)

سوال:۔ زید درمے چند بہ بازی لاٹری یافت او خواہد درمہا در کار خیر صرف کند چوں مسجد۔ مسافر خانہ لنگر خانہ شرعاً جائز است یا نہ؟

جواب:۔ لاٹری از قسم قمار است قرآن مجید بنص صریح قمار را حرام قرار دادہ است۔ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ثانی ص ۴۳۷)

جواب:۔ لاٹری از قسم قمار ہے اور قمار کو بنص قرآن مجید بنص صریح قمار را ہم حرام قرار دادہ است۔ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ من عَمَلِ الشیطان فاجتنبوہ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (۲۹/ جنوری ۱۹۳۲ء فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۴۳۷)

سوال:۔ رجسٹری آفس میں دستاویز لکھنے والا کاتب اور دفتری میں سرکاری رجسٹری پر دستاویز مذکور کو نقل کرنے والا نقل نویسی پر سودی کاغذ کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب:۔ رجسٹری کا محکمہ اس حدیث کے ماتحت نہیں ہے جس میں محرر ربا کے لئے وعید آئی ہے ان شاء اللہ فعل نقل تحریر ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ثانی ص ۴۳۷)

سوال:۔ کیا بوجہ مجبوری بلیک مارکیٹ سے خریدنے والا بھی گنہگار ہے؟

جواب:۔ بلیک مارکیٹ سے خریدنے والا اگر مجبور ہے تو وہ بحالت اضطراری مردہ خور کے حکم میں ہے بلیک کرنے والا گنہگار ہے، اللہ اعلم۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ثانی ص ۴۳۷)

سوال:۔ دو تین سال قبل باغات کے ثمر خریدنے جائز ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ جس حدیث میں ثمر پختہ ہو جانے سے پہلے بیع کرنا منع آیا ہے، امام نے اس کو مشورہ

قرار دیا ہے میں بھی اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔

شرفیہ:۔ امام بخاری نے اس کو مشورہ قرار نہیں دیا صحیح میں باب یہ ہے:۔ بَابُ بَیْعِ الثِّمَارِ قَبْلَ اَنْ یَبْدُوَ صَلَاحُھَا انتہیٰ۔ پھر حدیث زید بن ثابت لائے ہیں:۔ عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ النَّاسُ فِیْ عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَبَایَعُوْنَ الثِّمَارَ فَاِذَا اَجَذَّ النَّاسُ وَحَضَرَ تَقَاضِیْھِمْ قَالَ الْمُبْتَاعُ اِنَّہٗ اَصَابَ الثَّمَرَ الدَّمَانُ اَصَابَہٗ مَرَضٌ اَصَابَہٗ۔ قُشَامٌ عَاھَاتٌ یَحْتَجُّوْنَ بِھَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا کَثُرَتْ عِنْدَہُ الْخُصُوْمَۃُ فِیْ ذٰلِکَ فَاَمَّا لَا فَلَا تَبْتَاعُوْا حَتّٰی یَبْدُوَ صَلَاحُ الثَّمَرِ کَالْمَشُوْرَۃِ یُشِیْرُ بِھَا لِکَثْرَۃِ خُصُوْمَتِھِمْ انتہیٰ ج ۱ ص ۲۹۲، حدیث مرفوع نہیں زید بن ثابت راوی کا قول و اجتہاد ہے اور اپنا فہم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مشورہ یہ فرمایا آپ نے فرمایا کہ یہ میں نے تم کو مشورہ کے طور پر کہا ہے اور شرعی حکم میں خصوصاً جو حکم نہی کا ہو جس کا اصل حرمت ہے اور قرینہ حرمت قطعی کا دوسری حدیث میں ہے:۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ بِعْتَ مِنْ اَخِیْکَ ثَمَرًا فَاَصَابَتْہُ جَائِحَۃٌ فَلَا یَحِلُّ لَکَ اَنْ تَاْخُذَ مِنْہُ شَیْئًا بِمَا تَاْخُذُ مَالَ اَخِیْکَ بِغَیْرِ حَقٍّ رواہ مسلم مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۴۷۔ یہ سب حدیثیں حرمت کی صریح دلیل ہیں، مشورہ کا فہم صحیح نہیں ہے، اور نہ ہی امام بخاری نے اسے مشورہ قرار دیا ہے ورنہ وہ ترجمۃ الباب میں اس کی طرف اشارہ کرتے اِذْ لَیْسَ فَلَیْسَ۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ثانی ص ۲۳۷ و ص ۲۳۸)

سوال:۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ۔ اس آیت شریفہ کی تفسیر و شان نزول کا خلاصہ بیان فرمائیں؟

جواب:۔ دنیا کے لوگ ایک دوسرے کا مال بے وجہ کھاتے تھے، اور اب بھی کھاتے ہیں، ان کی اصلاح کے لئے یہ آیت اتری ہے کہ جائز طریق سے کھاؤ جو تجارت ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۲۳۸)

سوال:۔ تاڑی کے خمیر سے ڈبل روٹی یا بسکٹ وغیرہ بنا کر اس کی تجارت کرنا جائز ہے یا ناجائز اور ان کے کھانے کا حکم ہے۔ کیونکہ بعض کارخانوں میں بعض دفعہ تاڑی کے خمیر سے روٹی بسکٹ

وغیرہ تیار ہو کر انگریزوں وغیرہ کو فروخت ہوتے ہیں، اس کی تجارت کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ایسے بسکٹوں کی بابت میں نے علمائے یورپ کا طرزِ عمل دو اصولوں پر پایا ہے مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری تو نہیں کھاتے تھے یہ تو اس اصول پر تھے کہ تاڑی بذاتِ خود چونکہ متشی چیز ہے اس کے بسکٹ بھی ناقابل اکل ہیں۔

مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کھاتے تھے یہ اس اصول پر تھے کہ خمیر کے بعد جو آٹا تیار ہوا ہے اس مجموعہ میں نشہ نہیں اس لئے حرام نہیں یہ ہیں دو مختلف اصول جس سے جس عمل پر ہو سکے کرے۔

شرفیہ:۔ میں کہتا ہوں کہ دوسرا اصول بالکل غلط ہے کہ مجموعہ میں نشہ نہیں لہٰذا جائز، یہ اصل حدیث نبوی کے خلاف ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَسْكَرَ كَثِيْرُهُ فَقَلِيْلُهُ حَرَامٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ ۔ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَسْكَرَ مِنْهُ الْفَرَقُ فَمِلْأُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ (مشکوٰۃ ص۳۱۷)

یہ امر بدیہی ہے کہ جب فرق اَسْکَرَ تو ملأ الکف مسکر نہیں اور حرام ہے اس سے قلیل میں شرط نشہ باطل ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص۴۳۸)

سوال:۔ ایک گاؤں میں پانچ روپے من گڑ فروخت ہوتا ہے، اور اسی گاؤں میں ایک آدمی زمیندار سے ساڑھے پانچ روپے فی من لے کر چھ روپے فی من فروخت کرتا ہے، لیکن پانچ روپے فی من عام بکتا ہے اور وہ چھ روپے ایک من کے لیتا ہے، اور کہتا ہے کہ جس کی مرضی ہو لیوے جس کی مرضی ہو نہ لیوے، اور دیگر اجناس بھی مثلاً لیتے وقت فی روپیہ دس سیر لیتا ہے، اور دیتے وقت فی روپیہ نو سیر دیتا ہے، یہ لین دین جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:۔ جائز ہے تجارت ہے کہ ہے کے لئے صرف نفع کمانے کے لئے اس میں دھوکہ فریب نہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص۴۳۹)

سوال:۔ آڑھت کرنی جائز ہے یا ناجائز یعنی کسی کی گندم فروخت کر دینی اور اس سے فی روپیہ ایک پیسہ وصول کرنا جائز یا ناجائز؟

جواب:۔ جائز ہے، اس کو دلالی کہتے ہیں۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص۴۳۹)

سوال:۔ جس چیز کا نرخ زمانہ گذشتہ میں ارزاں تھا، اور اب موجودہ زمانے میں نرخ گراں ہے، تو کیا مشتری کو یہ حق شرعاً حاصل ہے کہ بائع کو مجبور کریں کہ بموجب نرخ زمانہ گذشتہ ارزاں فروخت کرو، اگر بائع اس کو نامنظور کرے تو اس کو ہر طرح سے ضرر پہنچانے کی کوشش کریں گے؟

جواب:۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا حضورؐ! آپ نرخ مقرر کر دیں لوگ کم و بیش دیتے ہیں، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ میں کسی پر ظلم کرنا نہیں چاہتا، اللہ کے اختیار میں ہے گذشتہ بھاؤ پر بیچنے کے لئے نہ کوئی مجبور کر سکتا ہے نہ ہو سکتا ہے جو کرے وہ بموجب حدیث سراسر ظلم ہے۔ (فتاوی ثنائیہ جلد ۲ صـ ۳۳۹)

سوال:۔ سودی معاملات میں سود خوار سے سود وصول کرنے کے لئے مدد کرنا کیسا ہے جب کہ دونوں مسلمان ہوں، اور اگر کوئی شخص بقیہ سود چھوڑ دینے کا مشورہ دے تو مستحق ثواب ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جو کام گناہ ہے اس میں مدد کرنا بھی گناہ ہے۔ سود چھوڑ دینے کا مشورہ دینے والے کو ثواب ہے۔ (فتاوی ثنائیہ جلد ۲ صـ ۳۴۰)

سوال:۔ زید نے بکر سے اس کے حصہ کی زمین رہن اس شرط پر لی ہے کہ جب زر اصلی بکر ادا کر دے تو اپنی زمین پر قبضہ کر لے زید اس مرہونہ زمین میں کاشت کرتا ہے۔ اور مالگزاری سرکاری جو بکر ادا کرتا تھا، وہ اب زید اپنے پاس سے ادا کرتا ہے، اور جو زمین اسامیوں کے قبضہ میں ہے ان سے مالگذاری وصول کرکے سرکاری لگان ادا کر کے بقیہ اپنے تحت و تصرف میں لاتا ہے کوئی مقررہ منافع نہیں ہے زید کو کبھی فائدہ ہوتا ہے کبھی نقصان، لہٰذا سوال یہ ہے کہ اس طرح زمین رہن لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ صورت مرقومہ سود ہے۔ (فتاوی ثنائیہ جلد ۲ صـ ۳۴۲)

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ جو شخص کسی کی زمین ظلماً ایک بالشت دبائے گا۔ قیامت میں اس کے سر پر ساتوں زمینوں کا بوجھ رکھا جاوے گا، یہ مضمون حدیث شریف کا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ یہ حدیث شریف کا مضمون ہے، حدیث یہ ہے:۔ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ
وْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِيْنَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵۴۔

ترجمہ:۔ وہی ہے جو سائل نے نقل کیا ہے۔

تعاقب:۔ آپ نے اپنے اخبار ۲۲ ر رجب کے صفحہ فتاویٰ پر ایک سوال کا جواب دیا ہے اور اس مہوہ کی شراب بنتی ہے، اس کو شراب ساز ٹھیکہ دار کے پاس فروخت کرنا جائز ہے، اور اس پر آپ نے دلیل صرف یہ دی ہے کہ جس حالت میں کوئی چیز بیچی جاتی ہے اس حالت میں نشہ آور نہیں تو اس کا بیچنا جائز ہے، اور اس پر فقہا کا قول بھی پیش کیا کہ شراب ساز کے پاس انگور بیچنا جائز ہے؛

ہمیں اس پر اعتراض ہے کیونکہ اس پر حدیث دال ہے کہ شراب ساز کے پاس انگور بالکل نہ بیچے جائیں۔

مَنْ حَبَسَ الْعِنَبَ أَيَّامَ الْقِطَافِ حَتّٰى يَبِيْعَهٗ مِمَّنْ يَتَّخِذُهٗ خَمْرًا فَقَدْ تَقَحَّمَ النَّارَ عَلٰى بَصِيْرَةٍ۔ الطبرانی فی الاوسط باسناد حسن۔ یعنی جو شخص انگوروں کو بند رکھتا ہے اس نیت پر کہ شراب ساز کے پاس بیچے تو اس نے سمجھ سوچ کر اپنے آپ کو جہنم میں گرایا۔ (عطاء الرحمٰن طالب علم امرتسر)

جواب:۔ معترض نے نہ حدیث پر پوری نظر کی نہ اس کی شرح پر۔ جلدی میں تعاقب لکھ مارا سنیئے۔ حدیث میں حتّٰی کا لفظ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بیچنے والا شراب ساز کی تلاش میں رہے، اس کے حق میں یہ حدیث ہے، نیز اس کو یقین ہو کہ وہ اس چیز سے ضرور شراب بنائیگا لیکن اگر یہ دونوں قیود نہ پائی جائیں تو یہ وعید بھی نہیں، معترض نے اس حدیث کو بلوغ المرام میں پڑھا ہوگا، اس لئے بلوغ المرام ہی کے حواشی میں اسے دیکھنا چاہیئے هُوَ يَدُلُّ عَلٰى اِعْتِبَارِ الْمَقْصَدِ اِلٰى يَتَّخِذُهٗ خَمْرًا۔ حاشیہ مولانا سید احمد حسن دہلوی سبل السلام میں بھی تقریباً یہی ہے اخباری سوال میں ایسا نہیں بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں، مہوہ شراب کے ٹھیکہ دار کی طرف سے ہوتی ہے یہ مہوہ شراب میں بھی خرچ ہوتا ہے اور غذا میں بھی اور جانور کے چارے میں بھی شراب کے ٹھیکہ دار سے فروخت کرنا جائز ہوگا یا ناجائز؟

پس اس کی صورت بعینہٖ گیہوں کی بولی، جو بازار میں بکتی ہے، جو عام انسانوں کی غذا ہے،

اور شراب بھی اس سے بنتی ہے، کوئی شراب ساز گیہوں خریدے تو کیا اس کو گیہوں دینا منع ہے؟ گیہوں غذا بھی ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صـ۳۴۰ و صـ۳۴۱)

سوال:۔ اشیاء خوردنی اگر مسلمان کے یہاں نہ مل سکیں۔ یا ملیں مگر گراں ملیں تو اس صورت میں ہندو دکاندار سے خرید سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ خوردنی اشیاء میں دکاندار کی طرف سے نجاست کا یقین اور گمان نہ ہو تو غیر مسلم سے خریدنے اور کھانے میں حرج نہیں اللہ اعلم۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صـ۱۳۲)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے اندر کہ رشوت کا کھانا اور سود کا کھانا اور بیاج کا کھانا اور شراب کا پینا اور غیر اللہ کے نام کا کھانا اس میں کچھ فرق ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

جواب:۔ درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے کہ رشوت کا کھانا۔ اور سود کا کھانا۔ اور سور کا کھانا اور شراب کا پینا حرام ہے اور سب حرام ہونے میں برابر ہیں، اور علماء کا اتفاق ہے کہ مخلوق کی نذر کے حرام ہونے پر۔ اور یہ نذر منعقد نہیں ہوتی اور وہ حرام ہے اور جائز نہیں، اس کا لینا اور کھانا۔ بحرالرائق میں مذکور ہے اِنْعَقَدَ الْاِجْمَاعُ عَلٰی حُرْمَةِ نَذْرِ الْمَخْلُوْقِ وَلَا يَنْعَقِدُ نَذْرُ الْمَخْلُوْقِ وَاَنَّهٗ حَرَامٌ بَلْ سُحْتٌ وَلَا يَجُوْزُ اَخْذُهٗ وَاَكْلُهٗ انتہیٰ اور دلیل الصالحین میں مرقوم ہے۔ اَلنَّذْرُ لَا يَجُوْزُ اِلَّا لِلّٰهِ تَعَالٰی وَمَنْ نَذَرَ لِنَبِيٍّ وَوَلِيٍّ لَا يَلْزَمُ عَلَيْهِ شَيْءٌ فَاِنْ اُعْطِيَ ذٰلِكَ الشَّيْءُ لِاَحَدٍ مِنَ النَّاسِ عَلٰی تِلْكَ النِّيَّةِ لَا يَجُوْزُ اَخْذُهٗ اِنْ عَلِمَ الْاٰخِذُ بِذٰلِكَ فَاِنْ كَانَ طَعَامًا لَا يَحِلُّ اَكْلُهٗ وَاِنْ كَانَ ذَبِيْحَةً فَهُوَ مَيْتَةٌ فَاِنْ اَكَلُوْا وَسَمَّوُا اللّٰهَ تَعَالٰی عَلَيْهَا كَفَرُوْا جَمِيْعًا وَاِنْ نَذَرُوْا لِلّٰهِ تَعَالٰی فَاَكَلُوْا ثُمَّ وَهَبُوْا ثَوَابَهٗ لِاَحَدٍ مِنَ النَّاسِ فَتِلْكَ تَجُوْزُ انتہیٰ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ۔ حررہ السید شریف حسین عُفِیَ عَنْہُ۔

۱۲۸۱ سید محمد نذیر حسین

خادم شریعت رسول الثقلین للطیف حسین	از شرافت سید کونین شد شریف حسین

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صـ۱۳۴ ۱۳۵)

سوال:۔ سودی روپیہ لے کر تجارت کرنا حرام اور گناہ ہے یا نہیں اور مال حاصل کردہ سودی روپیہ سے طیب و پاک ہے یا ناپاک بینوا توجروا۔

جواب:۔ سودی روپیہ لے کر تجارت کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اس واسطے کہ سود حرام قطعی ہے، اور لینے والے اور دینے والے اور گواہ ہونے والے اور تمسک لکھنے والے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے، عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ قَالَ هُمْ سَوَاءٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ كَذَا فِي الْمِشْكٰوةِ۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سود کے گناہ ستر حصے ہیں ان کا آسان حصہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلرِّبٰوا سَبْعُوْنَ جُزْءًا اَيْسَرُهَا اَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ بِاُمِّهٖ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ كَذَا فِي الْمِشْكٰوةِ۔ اور مال حاصل کردہ سودی روپیہ سے ناپاک ہے اس واسطے کہ جب سبب حرام ونامشروع ٹھہرا تو جو چیز اس سے حاصل ہوگی وہ بھی اس کے حکم میں ہوگی کما لا یخفی علی المتامل واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید شریف حسین۔

زشہاف سید کونین شد شریف حسین

سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۱۲۵)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بیع وشرا وداد وستد کرنا دانستہ یا نادانستہ سود خوار سے کہ اکثر مال اس کا جائز ہے یا ناجائز بحوالہ کتب فقہ جواب تحریر فرمایا جاوے، بینوا توجروا۔

جواب:۔ دانستہ بیع وشرا وداد وستد سود خوار سے کہ اکثر مال اس کا حرام ہے جائز نہیں، اور نادانستہ موجب حرمت ومعصیت کا نہیں اَلْحُرْمَةُ تَنْتَقِلُ بِالْعِلْمِ كَذَا فِي الدُّرِّ الْمُخْتَارِ وَغَيْرِهٖ، واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص ۱۶۲)

سید محمد نذیر حسین

زشہاف سید کونین شد شریف حسین

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۱۲۵)

سوال:۔ دوبارہ خرید وفروخت یعنی ایک وقت میں دو بیع کرنا نقد پر بیشی کے ساتھ اور ادھار پر کمی کے ساتھ دینا اس طرح کی خرید وفروخت درست ہے، یا نہیں، اس کے جواب میں آپ کے ہاں سے فتویٰ آیا کہ نقد پر کم قیمت لینا اور ادھار پر زیادہ قیمت لینا درست ہے یہ مسئلہ ترمذی اور نیل الاوطار میں ملتا ہے اور اسی طرح کا فتویٰ اخبار اہلحدیث قبل رمضان ۱۳۳۲ھ میں دیکھا گیا، مگر اس کے ثبوت میں کچھ شک پڑتا ہے، کیوں کہ ترمذی میں کوئی دلیل کافی نہ پائی

گئی، اور نیل الاوطار یہاں موجود نہیں مگر برعکس اس کے ملتا ہے، یعنی تلخیص الصحاح باب البیوع جلد اول ص۱۳۲ مترجم مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور کہ ایک وقت میں دو بیع کرنا درست نہیں ہے اور کیونکہ ادھار پر زیادہ قیمت لینا ربا ہوگا۔ اس واسطے مکرر عرض ہے کہ اس مسئلہ میں قرآن و حدیث سے جواب ملنا چاہئے کسی کی رائے اور اجتہاد کی ضرورت نہیں، (عبدالمجید اہلحدیث از وھورہ ٹانڈہ)

جواب:۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے، اس حدیث کی تشریح میں اقوال مختلف[1] ہیں جس صاحب کو جو قول پسند[2] ہوتا ہے اس پر وہ نتائج مرتب کر دیتا ہے، نیل الاوطار میں ایک قول یوں بھی مرقوم ہے کہ اگر کوئی یہ کہے نقد پر سو روپیہ اور ادھار پر دو سو روپیہ لوں گا خریدار کہے میں نے نقد کی صورت یا ادھار کی صورت قبول کی تو جائز ہے (جلد ۵ ص۲۲۵) ترمذی میں بھی مرقوم ہے کہ صورت مرقومہ میں خرید جب ایک صورت کو اختیار کرے تو جائز ہے۔ (باب النہی عن بیعتین فی بیعۃ[3]) غرض صورت مرقومہ کے منع پر کوئی آیت یا حدیث صاف دلالت نہیں کرتی اس[4] لئے جائز معلوم ہوتا ہے۔ (۲۵ فروری ۱۹۱۲ء)

سوال:۔ ایک دیہاتی مدرسہ دینی کے لئے محکمہ تعلیم سے گرانٹ ملتی ہے ایک واقف حال کا بیان ہے، کہ گرانٹ (امداد) کی رقم آبکاری (منشیات) کی آمد سے ملا کرتی ہے مینجر سکول کہتا ہے مجھے اس کا علم نہیں اور تجسس کرنے سے منع آیا ہے۔ اس صورت میں وہ گرانٹ لینی جائز ہے یا نہ؟

جواب:۔ شراب اور شراب کی آمدنی سب حرام ہے، بیان مذکور صحیح ہونے کی صورت میں ایسی رقم کا لینا جائز نہیں حدیث شریف میں ہے۔ مَنِ اتَّقَی الشُّبُهَاتِ

[1] جب اقوال مختلف ہیں تو حدیث مشترک المعنی ہوئی اور مشترک المعنی لفظ کی تعیین کے لئے قرآن و حدیث سے کوئی قوی دلیل پائی جائے تو قابل عمل ہے ورنہ نہیں۔ (سعیدی)

[2] اپنی مرضی کا قول پسند کرنا کوئی دلیل نہیں۔ (سعیدی)

[3] یہ حدیث مشترک المعنی ہے، تفسیر کی تعیین کیلئے کوئی صریح حدیث یا صحابہ کا تعامل چاہئے۔ (سعیدی)

[4] جواز پر کوئی حدیث صریح نہیں اور عدم جواز پر حدیث۔ صرایح کُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا۔ (سعیدی)

فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ۔ (اہلحدیث جلد ۳۳ ص۲۵)

شرفیہ:۔ اصل یہ ہے کہ سرکاری خزانہ میں صرف شراب وغیرہ کی حرام آمدنی ہی نہیں ہوتی بہت قسموں کی آمدنی ہوتی ہے تا وقتیکہ تعین آمدنی گرانٹ ثابت نہ ہو ممنوع نہیں، ورنہ سرکاری ملازمت بھی حرام ہوگی، وَإِذْ لَيْسَ فَلَيْسَ، اہل کتاب سے جزیہ لینا کتاب و سنت سے ثابت ہے، اور ان کے مال میں ہر قسم کی آمد تھی، اور شراب کی بھی تھی شرعاً اس کی تفتیش ثابت نہیں لہٰذا صورت مرقومہ میں منع کی دلیل نہیں پائی جاتی، (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص۱۳۲)

سوال:۔ کیا کوئی انجمن اپنے بیت المال میں ہر قسم کے صدقات، خیرات، زکوٰۃ، جمع کر کے اس سے کتابیں چھاپ کر اس کی تجارت کر سکتی ہے؟ (مولنا عبید اللہ صاحب رحمانی مبارک پوری)

جواب:۔ صدقات، خیرات کی رقم فقراء و مساکین و دیگر مصارف منصوصہ کا حق ہے، انجمن یا جمعیت وصول کر کے وکالۃً ان اصول کو ان کے مصارف میں صرف کرنے کی ذمہ دار ہے، اس رقم میں ایسی تجارت جس میں اصل رقم کے اندر نقصان و خسارہ کا ذرہ بھر کی اندیشہ ہو قطعاً درست نہیں ہے، خاص صدقات کی رقم سے تجارت کرنے کے بارہ میں خلافت راشدہ کے زمانہ کا کوئی واقعہ نظر سے نہیں گذرا۔ ہاں حضرت ابوموسیٰ اشعری امیر بصرہ نے حضرت عمرؓ کے دو صاحبزادے عبید اللہ اور عبداللہ کو بطور قرض کے بیت المال کی کچھ رقم جو غالباً جزیہ یا خمس غنائم کی تھی، دی تھی، کہ اس سے تجارت کا مال خرید کر مدینہ لے جائیں، اور فروخت کر کے اصل رقم امیر المؤمنین کے حوالہ کر دیں، اور نفع خود رکھ لیں، حضرت عمرؓ نے اس کو پسند نہیں کیا، پھر بعض مصاحبین کے مشورہ سے اس کو مضاربت قرار دے کر اصل رقم سے آدھا نفع بیت المال میں داخل کر دیں، اور آدھا نفع دونوں لڑکوں کو مضارب ہونے کی حیثیت سے دے دیا۔

(الاعتصام جلد ۶ شمارہ ۲۲)

سوال:۔ چنگی لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی شخص باہر سے مال لاتا، یا منڈیوں میں فروخت کرتا تھا تو اس سے اعوان دولت، چنگی، ٹیکس وصول کرتے تھے، جب اسلام آیا تو اس نے رفاہ عام کے خلاف سمجھتے ہوئے اس کو نہایت سختی کے ساتھ منع کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس فعل کے مرتکب کے حق میں ارشاد فرمایا ہے لَا یَدْخُلُ صَاحِبُ مَکْسٍ الْجَنَّۃَ۔ یعنی چنگی لینے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ترغیب مصری جلد اول ص ۲۲۲ (حررہ ابو محمد عبد الغفار دہلوی نائب مفتی)

(فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ ص ۱۳)

توضیح:۔ مخفی نہ رہے کہ چنگی لینا رفاہ عام کے خلاف نہیں بلکہ یہ رقم رفاہ عامہ پر ہی صرف ہوتی ہے لَا یَدْخُلُ صَاحِبُ مَکْسٍ الْجَنَّۃَ۔ سے وہ مراد ہے جو کمیٹی کے اصول مقررہ سے کم یا زیادہ وصول کرے، مثلاً اگر صاحب مال نے اس کی کچھ خدمت کی تو بجائے ایک روپیہ کے ۱۴ آنہ وصول کیے اگر تاجر نے خدمت نہ کی تو بجائے ایک روپیہ کے ۲ روپے وصول کیے دونوں صورتوں میں حقوق العباد کا چور ہے ایسا نہ صاحب مکس جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ والعلم عند اللہ! راقم علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال ۱۲-۱۲-۹۰

سوال:۔ میری دکان پر سائیکلوں کی مرمت ہوا کرتی ہے میں سائیکل ورکس ہوں، بوقت مرمت گاہک کی کئی چیزیں فٹ کرنے کے بعد بھول سے رہ جاتی ہیں، اور گاہک کو میں جانتا نہیں کہ کہاں کا رہنے والا ہے۔ اور جو چیز دکان پر رہ جاتی ہے عموماً وہ ایسی ہوتی ہے کہ اس کے بغیر سائیکل چلتا رہتا ہے اور وہ چیز بھی معمولی کم قیمت کی ہوتی ہے، اور کبھی اتفاقیہ چیزیں قیمتی بھی بھول جاتے ہیں مثلاً پمپ خالی۔ تھیلا، رینچ وغیرہ ان چیزوں کی حفاظت بہت مشکل ہے۔ ایسی چیزوں کے متعلق شریعت محمدیہ کا کیا حکم ہے، اور ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ (امانت اللہ سائیکل ورکس بہاولپور)

جواب:۔ مذکورہ بالا اشیاء کی حفاظت اگر مشکل ہے تو استعمال کر سکتا ہے، بعد میں جس وقت مالک آجائے تو اس کی قیمت ادا کرے یا وہی چیز خرید کر دے دے۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد اول ص ۲۹ و ص ۳۰)

توضیح:۔ بعض علمائے کرام نقطہ کے حکم میں شمار کر کے استعمال کی اجازت دی ہے، افضل ہے کہ کچھ مدت انتظار کے بعد اس کی طرف سے اس کو صدقہ کیا جائے کہ وہ چیز اس کو ثواب کی صورت میں اس کو حاصل ہو جائے۔ فقط الراقم ابو الحسنات علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال۔

سود خوار

سوال:۔ سود خوار اور زانی دونوں گناہ میں برابر ہیں یا کچھ فرق ہے؟

جواب:۔ سود خوار اور زانی دونوں گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں، اور رسول کے عاصی ہیں، اگرچہ سود خوار پر حد شرعی نہیں، لیکن وہ شخص بہت بڑا مجرم ہے، کیونکہ حدیث میں ماں کے ساتھ زنا سود کا ادنیٰ جرم بیان ہوا ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۱۴۲)

گمشدہ چیز کا اعلان

سوال:۔ اگر کسی شخص کو کچھ نوٹ دستیاب ہوں تو وہ ان کا اعلان کس طرح کرے کہ حقدار کو مل جائیں اور اعلان کب تک کرے؟

جواب:۔ گم شدہ چیز کا اعلان حسب فرمان نبوی ایک سال تک ہونا چاہیئے آج کل اعلان کا ذریعہ اخبارات ہیں مگر چیز کا پورا نشان نہ لکھے جہاں سے دستیاب ہوئی ہو اس جگہ کا نام اور تاریخ دستیابی اور چیز کا نام مثلاً نوٹ وغیرہ ظاہر کر کے اعلان کرے، نوٹوں کی پوری کیفیت تعداد وغیرہ وہ شخص تحریر کرے جس کے گم ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ۱۴ اپریل ۱۹۳۹ء (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۳۹۹)

سوال:۔ آج ایک شخص کو مکی دے کر ہاڑی کو جو، چنے مکی کے برابر مقرر کر لینی جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ برابر ہو یا کم و بیش ہو دونوں حالتوں میں جائز ہے کیونکہ جنس مختلف ہے

تعاقب:۔ مفتی صاحب اہلحدیث نے ۲۰ ربیع الاول کے پرچہ اہلحدیث میں لکھا ہے کہ آج چیت کا مہینہ ہیں ایک شخص مکی دے کر ہاڑی کے موقع پر گندم برابر ہو یا کم بیش ہر دو صورتوں میں لے سکتا ہے، غالباً مفتی صاحب نے مسلم کے الفاظ فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ. پر سارا دارو مدار رکھا ہے اور فتویٰ دیا ہے، جس میں انہوں نے مسامحت کی ہے، کیونکہ مختلف اجناس کی صورت میں جہاں کہیں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کرنے کی اجازت فرمائی ہے وہاں یَدًا بِيَدٍ۔ نقد بیع کرنے کی تاکید کی ہے اور ادھار کو ناجائز قرار[1] دیا ہے،

چنانچہ دیگر مقامات پر مختلف الفاظ نقل کر کے یداً بید کے ساتھ مقید فرمایا ہے مسند امام شافعی میں عبادہ بن صامت سے مرفوع حدیث ہے لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ. الحدیث۔ کے آخر میں ہے کہ گندم کو جو سے اور نمک کو کھجور سے مختلف اجناس جس طرح چاہو بیچو، مگر نقد کی صورت ہونی

[1] جو شخص بھوکا مر رہا ہو اور نقد لینے کی اس کو طاقت نہ ہو وہ کیا کرے اس کو متعاقب نے حل نہیں کیا۔ (مؤلف)

چاہیئے۔ حتیٰ کہ بخاری شریف اصح المطابع ص۲۹۱ جلد اول کے الفاظ بِيعُوا الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ وَ الْفِضَّةَ بِالذَّهَبِ كَيْفَ شِئْتُمْ کی شرح میں علامہ کرمانی اور علامہ عینی فرماتے ہیں مُتَسَاوِيًا وَمُتَفَاضِلًا بِشَرْطِ التَّقَابُضِ فِي الْمَجْلِسِ صرف ایک مجلس میں نقد کی صورت میں جائز ہے چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بَابُ بَيْعِ الدِّينَارِ بِالدِّينَارِ نَسِيئًا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ لَا رِبَا إِلَّا فِي النَّسِيئَةِ کی تشریح میں لائیں هٰذَا عِنْدَنَا فِي الذَّهَبِ بِالْوَرِقِ وَالْحِنْطَةِ بِالشَّعِيرِ مُتَفَاضِلًا وَلَا بَأْسَ بِهِ يَدًا بِيَدٍ وَلَا يَبِيعُهُ نَسِيئَةً نقد تفاضل جائز ہے اور مذکورہ سوال کی صورت میں اُدھار میں قطعاً جائز نہیں اگرچہ اجناس میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو علیٰ ہذہ القیاس مولوی عبدالرحمٰن صاحب شرح ترمذی جلد ۲ ص۲۳۹ بَابُ مَا جَاءَ إِنَّ الْحِنْطَةَ بِالْحِنْطَةِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَكَرَاهِيَةِ التَّفَاضُلِ فِيهِ عبادہ بن صامت کی حدیث کے لفظ بِيعُوا الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ وَبِيعُوا الْبُرَّ بِالتَّمْرِ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ کی شرح میں فرماتے ہیں حَالًا مَقْبُوضًا فِي الْمَجْلِسِ قَبْلَ افْتِرَاقِهِمَا عَنِ الْآخَرِ اسی وقت مجلس ہی میں جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے سے کم و بیش چیز لے سکتا ہے ادھار کی صورت میں جائز نہیں، چنانچہ اسی پر امام ترمذی نے کافہ اہل علم کا عمل ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے، فَإِذَا اخْتَلَفَ الْأَجْنَاسُ فَلَا بَأْسَ أَنْ يُبَاعَ مُتَفَاضِلًا إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ۔ مکی کو جو سے نقد بیچنے کی صورت میں کم و بیش جائز ہے، اور ادھار جیسا کہ مفتی صاحب نے فرمایا ناجائز ہے، إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ۔ راقم محمد داؤد ارشد عثمان والا ضلع لاہور۔ ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۶۲ھ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص۴۵۳ و ص۴۵۵)

اضافہ تشریح مفید۔ از حضرت مولانا عبدالسلام۔ مولوی فاضل۔ بستوی۔

سوال: آج جب کہ عام طور سے مسلمانوں کی معاشی حالت بہت ہی مایوس کن ہے غریب کسانوں کے پاس اساڑھ اور کاتک کے مہینوں میں بونے کے لیے بیج نہیں رہتا ہے، مالدار مسلمان ان غریبوں کے حال زار پر توجہ نہیں کرتے مجبوراً مسلمان ہندوؤں کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، ہندو اس شرط پر بیج دیتے ہیں کہ فصل تیار ہونے پر ایک سیر کا سوا سیر لیں گے کسان چار ناچار ہندو کے ہاں سے سوائی پر بیج لاتا ہے ایسے نازک موقع پر اگر مسلمان ہندوؤں سے سوائی پر بیج نہ لیں۔ تو کھیت پرتی پڑ جائے۔ یعنی خالی رہ جائے نیز خود فاقہ کریں، اور لگان کی عدم ادائیگی میں کھیت سے

بے دخل ہو جائیں؟

جواب:۔ یہ سود ہے. سود کا لینا دینا حرام ہے اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا. حدیث میں ہے لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰکِلَ الرِّبٰوا وَمُوْکِلَہٗ الحدیث (مسلم) اَلذَّھَبُ بِالذَّھَبِ وَالْفِضَّۃُ بِالْفِضَّۃِ یَدًا بِیَدٍ الخ اضطراری حالت میں، جس وقت خنزیر کھانا جائز ہو جاتا ہے، جائز ہے جیسا کہ سوال سے پتہ چلتا ہے واللہ اعلم بالصواب

(اہلحدیث دہلی ۱۵ر جنوری ۱۹۵۲ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص۲۵۲)

سوال:۔ آج سلامی کا رواج عام ہے، مکان کا مالک اپنے کرایہ داروں سے ہزار دو ہزار پہلے وصول کر لیتا ہے اور بعد میں ستر اسی روپے ماہوار کرایہ پر مکان دیتا ہے، جو روپیہ سلامی کے طور پر پہلے وصول کر لیتا ہے اس کو کرائے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، یہ سلامی کا روپیہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز

(ابو نعیم عبدالحکیم قصوری جامع اہلحدیث رنگون)

جواب:۔ اس قسم کا سودا ناجائز ہے کیونکہ یہ رشوت کے حکم میں ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص۲۵۱)

توضیح:۔ رشوت کے معنی ہیں. کسی شخص کو کچھ مال اس غرض سے دینا کہ وہ شخص امر باطل اور ناحق پر اس کی اعانت کرے اور اس غرض سے جو مال دیوے وہ راشی ہے اور حدیث میں ان تینوں پر لعنت آئی ہے اور امر حق کے حاصل کرنے کے لیے یا ظلم ظالم کے دفع کرنے کے لیے مال دینا رشوت نہیں ہے مجمع البحار میں ہے:۔ وَالرِّشْوَۃُ بِالْکَسْرِ وَالضَّمِّ وُصْلَۃٌ اِلَی الْحَاجَۃِ بِالْمُصَانَعَۃِ مِنَ الرِّشَاءِ لِتَوَصَّلَ بِہٖ اِلَی الْمَاءِ وَمَنْ یُّعْطِیْ تَوَصُّلًا اِلٰی اَخْذِ حَقٍّ اَوْ دَفْعِ ظُلْمٍ فَغَیْرُ دَاخِلٍ فِیْہِ رُوِیَ اَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ اُخِذَ بِاَرْضِ الْحَبْشَۃِ فِیْ شَیْءٍ فَاَعْطٰی دِیْنَارَیْنِ حَتّٰی خُلِّیَ سَبِیْلُہٗ وَرُوِیَ عَنْ جَمَاعَۃٍ مِنْ اَئِمَّۃِ التَّابِعِیْنَ قَالُوْا لَا بَأْسَ اَنْ یُّصَانِعَ عَنْ نَفْسِہٖ وَمَالِہٖ اِذَا خَافَ الظُّلْمَ انتہیٰ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص۳)

ایضاً:۔ از حضرت العلام مولانا عبدالسلام دہلوی۔

امر حق کے حصول کے لیے یا ظالم کے ظلم کے دفعیہ کے لیے مال دینا رشوت سے خارج ہے۔ (اہلحدیث دہلی یکم نومبر ۱۹۵۱ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص۲۵۱)

---

[1] عرف عام میں آج کل اس کو پگڑی کہتے ہیں۔ (سعیدی)

سوال:۔ یہاں کشمیر میں بیع دو طرح سے ہوتی ہے، پہلی صورت یہ ہے کہ ایک ہی وقت بذریعے تحریر کئی کئی سالوں کے لئے فصل خرید لیتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔ صورت مرقومہ کا نام اِجَارَۃُ الْاَرْضِ ہے آج کل سرکاری بندوبست کے کاغذوں میں اس کو مستاجری کہتے ہیں، یہ جائز ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ زمین نقدی معاوضے پر لی جاتی ہے جس کو کِرَایَۃُ الْاَرْضِ کہتے ہیں اس کے ثبوت میں حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں اَمَرَ بِالْمُؤَاجَرَۃِ قَالَ لَابَأْسَ بِھَا (صحیح مسلم ومشکوٰۃ باب الاجارۃ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کرایہ پہ دینے کی اجازت فرمائی۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۴۵۷)

سوال:۔ بصورت دیگر فصل ابھی بالکل تیار نہیں ہوئی بعض اوقات شگوفہ ہی ہوتا ہے، اور بسا اوقات کچھ بھی نہیں۔ غرض یہ کہ نادیدہ سودا ہوتا ہے کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟ (سائل مذکور)

جواب:۔ اس صورت کی ممانعت کے لئے جتنے الفاظ آئے ہیں، ان کے ساتھ لفظ کالمشورۃ بخاری شریف جلد اول مطبوعہ ہند ص ۲۹۲ بھی آیا ہے، اس لفظ نے ساری حدیثوں کی تشریح کر دی کہ ممانعت بطور مشورہ کے ہے حرمت شرعی کے طور پر نہیں اس لئے یہ صورت جائز ہے اللہ اعلم۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۴۵۸)

توضیح:۔ قولہ کالمشورۃ اس پر حضرت محشی کے قلم سے تشریح پہلے گذر چکی ہے۔ فافہم (سعیدی)

سوال:۔ پنجاب یا دیگر علاقوں میں جو آدمی عورتوں کو۔ خواہ مسلمات ہوں یا غیر مسلمات اغوا کر کے فروخت کر دیتے ہیں یا مسلمان کر کے خود نکاح کر لیتے ہیں اس مسئلہ میں کیا حکم ہے اغوا کرنے والا گنہگار ہے یا نہیں اور وہ روپیہ جو اس نے فروخت کر لیا ہے وہ حرام ہے یا حلال اور غیر مسلمہ کو اغوا کر کے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو اس کی عدت کتنی ہے؟

جواب:۔ کسی آزاد انسان کا فروخت کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے مسلم ہو یا غیر مسلم اغوا سے ہو یا رضامندی سے اس کے دام بھی حرام ہیں اغوا کردہ عورت کو مسلمان کرنا بھی منع ہے، برضائے خود مسلمان ہو تو جائز ہے ایک ماہ عدت گذار کر اس کا نکاح بھی جائز ہے (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۴۵۸)

سوال:۔ کیا اسلام مسلمانوں کو شراب اور خنزیر کا گوشت فروخت کرنے کی کسی حالت میں اجازت دیتا ہے، یہاں پر ایک مسلمان نے خورد ونوش کی دکان کھول رکھی ہے جس میں وہ شراب اور خنزیر

کا گوشت بھی فروخت کرتا ہے، اعتراض کرنے پر جواب دیتا ہے کہ میں نے یہ دو چیزیں صرف غیر مسلم گاہکوں کو ہاتھ میں رکھنے کے لیے رکھی ہیں۔ (خواجہ ضیاء الدین گنائی۔ از افریقہ)

جواب:۔ جو چیز حرام ہے اس کی بیع بھی قطعی حرام ہے چاہے یہ کافروں کے پاس ہی فروخت کی جائیں (حدیث شریف)۔

سوال:۔ ایک شخص نے کسی بازاری طوائف سے ایک بکرا قربانی کے لئے خریدا جو حرام کی کمائی سے پلا ہوا تھا۔ اس کا بھائی اس کو کہتا ہے کہ ایسے جانور کی قربانی ناجائز ہے اس کا جواب وہ یہ دیتا ہے، کہ مسلمان شیر فروش اکثر دودھ طوائفوں سے خرید کرتے ہیں جس کو سب مسلمان پیتے ہیں، اگر دودھ اس طرح پینا جائز ہے تو اس طرح کا بکرا قربانی میں ذبح کرنا کیوں ناجائز ہے جواب قرآن و حدیث سے مطلوب ہے؟

جواب:۔ بکرا مذکور حرام ہے حدیث شریف میں ہے كُلُّ لَحْمٍ نَبَتَتْ بِالسُّحْتِ فَالنَّارُ اَوْلٰى بِهٖ جو گوشت حرام سے پلا ہو وہ آگ ہی کے لائق دودھ طوائفوں سے خرید کرنا سمجھ میں نہیں آیا البتہ طوائفوں کے پاس بیع کیا کرتے ہیں، اگر خرید بھی ہوتا تو وہ بھی حرام ہے پھر حرام پر کیوں کر قیاس ہوتا ہے۔ (اہلحدیث امرتسر ۵ محرم ۲۹ھ)

تشریح:۔ كُلُّ لَحْمٍ نَبَتَتْ الخ حدیث دلیل نہیں، بلکہ یہ حدیث دلیل ہے۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَ مَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۴۱۔ (ابو سعیدی شرف الدین دہلوی) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۳۱)

سوال:۔ ایک بازاری عورت فاحشہ جو زنا کی کمائی سے گذارہ کرتی ہے مسجد میں تیل ڈالتی ہے، اور اس کو اپنے گناہوں کا کفارہ خیال کرتی ہے کیا یہ عمل اس کے گناہوں کا کفارہ ہو سکتا ہے اور کیا اس صریحاً ناپاک کمائی کا تیل دوسرے لوگوں کی مسجد میں ڈالے ہوئے تیل میں شامل ہو کر مسجد میں نماز و تلاوت قرآن شریف کے واسطے شرعاً استعمال ہو سکتا ہے کیا امام مسجد یا کوئی اور حاضر الوقت مسلمان اس فاحشہ عورت کو تیل ڈالنے سے روک دے اور اگر وہ عورت نہ رکے تو ایسی صورت میں متولی مسجد کو کیا کرنا لازم ہے قرآن و حدیث سے جواب مطلوب ہے اور اس سوال کے جس قدر پہلو یا حصے ہیں ان میں سے جواب دیتے وقت کوئی بھی نظر انداز نہ کیا جاوے؟

جواب:۔ بحکم حدیث مَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيثٌ۔ مشکوٰۃ باب الکسب، زانیہ کی کمائی حرام ہے اور بحکم حدیث لَا تُقْبَلُ اِلَّا الطَّيِّبَ ایضاً باب الکسب۔ حرام کمائی قبول نہیں یعنی اس کا ثواب مطلق کوئی نہیں دونوں حدیثوں کے ملانے سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے تیل سے انفراداً یا دوسرے سے لاکر بھی کسی طرح اس کو مسجد میں جلوانا یا اس سے فائدہ اٹھانا حلال نہیں، ہر ایک مسلمان شخص کا فاحشہ عورت کو روکنے کا اسی طرح حق ہے جس طرح کتے اور سور کو مسجد میں آنے سے روکنے کا حق حاصل ہے اگر نہ رکے تو متولی اس کے تیل کو نالی میں پھینک دے جیسے کہ حدیث میں ایک نومسلم کے حق میں آیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تیرا ایمان تو قبول کرتا ہوں تیرا مال قبول نہیں کرتا۔ (اہلحدیث امرتسر ۲ رجب ۱۳۳۶ھ)

(فتاوی ثنائیہ جلد ۲ ص ۳۹۱ و ص ۳۹۲)

سوال:۔ دو اشخاص اس طرح شراکت میں کام کرتے ہیں کہ ایک شخص کا محض روپیہ ہے دوسرا صرف کاروباری دیکھ بھال، خرید و فروخت کرتا ہے۔ نفع و نقصان کا حصہ اسی طرح مقرر ہے۔ فریق اول کا دو تہائی یا نصف مقرر ہے علی ہذا القیاس دوسرے کا ایک تہائی یا نصف ہے اب سوال یہ ہے کہ اس طرح کا کاروبار ہر دو فریق کو جائز ہے یا ناجائز اگر ناجائز ہے تو کس فریق کو آیا فریق اول کو یا دوم کو؟

جواب:۔ بالاتفاق جائز ہے۔ (اہل حدیث امرتسر ۱۵ اگست ۱۹۳۰ء)

(فتاوی ثنائیہ جلد ۲ ص ۳۹۲ طبع لاہور)

سوال:۔ اکثر جگہوں پر زندہ جانور کا چمڑا قبل ذبح خرید و فروخت ہوتا ہے۔ اس طرح کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ یہ بیع جائز نہیں۔ لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ (الحدیث) ترجمہ:۔ جو چیز تمہارے پاس نہیں اس کی بیع نہ کر (اس صورت کو بھی شامل ہے۔ (اہلحدیث امرتسر ۲۴ محرم ۱۳۵۵ھ)

(فتاوی ثنائیہ جلد ۲ ص ۳۹۲)

سوال:۔ زید نے اپنا مکان اپنے چچا عمر کو ہبہ کر دیا۔ اور قبضہ ملازکا نہ بھی دے یا عرصہ آٹھ سال کے بعد عمر موہوب نے مکان بحق خالد بیع رجسٹری کر دیا۔ اس کے بعد زید نے بھی مکان موہوبہ کسی اور کے حق میں بیع کر دیا۔ از روئے شرع شریف مکان موہوبہ کا مالک زید ہے یا عمر اور کس کی بیع صحیح ہے؟

جواب :- مکان کا مالک موہوب ہے جب کہ وہ با قبضہ مالک بھی ہو چکا ہے، اب واہب کو کوئی اختیار نہیں کہ اس مکان کو بیع وغیرہ کرے، اور نہ ہی واپس لے سکتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ہبہ کو واپس لینے والا کتے کی طرح ہے جو قئے کر کے کھا لیتا ہے واللہ اعلم۔ (اہلحدیث امرتسر ۱۵ر نومبر ۱۹۲۵ء)

(فتاوی ثنائیہ جلد ۲ ص ۳۹۳)

سوال :- ایک شخص اس شرط پہ روپیہ دیتا ہے کہ فی من غلہ یا اور کسی چیز میں مقررہ فی من آٹھ آنے یا چھ آنے کے حساب سے کمیشن لیں گے، روپے دینے کے عوض اور غلہ میں نفع ہو یا نقصان ہو سو ہمارے ذمہ رہا کیا شرع شریف میں اس قسم کا لین دین جائز ہے؟

جواب :- جائز ہے، کمیشن فروخت کرنے کی دلالی ہے سود نہیں۔ (۲۶ر جون ۱۹۳۶ء)

(فتاوی ثنائیہ جلد ۲ ص ۳۹۳)

سوال :- ایک صاحب اناج کی منڈی رکھتے ہیں، ان کی تجارت کا طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ اناج لاتے ہیں اس کو نیلام کر کے اپنی کمیشن کاٹ کر اناج کا روپیہ اپنے پاس سے ادا کر دیتے ہیں، اور اناج کے خریداروں سے اپنی کمیشن بڑھا کر روپیہ روپیہ وصول کر لیتے ہیں کیا اس طرح دونوں طرف سے کمیشن لینی جائز ہے؟ (عبدالحکیم)

جواب :- بعض مسائل عرف عام پر مبنی ہوتے ہیں اگر اس منڈی میں دونوں طرف سے کمیشن لینے کا رواج ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، اگر نہیں ہے تو دو طرف سے نہ لے، بہر حال منڈی کے حالات پر موقوف ہے۔ (اہلحدیث جلد ۴۳ ص ۳۳)

شرفیہ :- صورت مرقومہ میں حکم جواز ثابت نہیں۔ رہا آڑھت کا معاملہ تو اس کے جواز کی یہ صورت ہے کہ آڑھتی صاحب سے اپنے مکان دوکان پر مال یا خود صاحب مال کے ٹھہرانے کا کرایہ لے سکتا ہے کہ معاوضہ مکان کا ہے، ایسے ہی تلوائی مال کا معاوضہ یا کسی چیز ٹھیلہ وغیرہ سے نکلوا کر بوریوں وغیرہ میں بھروانے لدوانے کا انتظام کرنا وغیرہ کی اجرت لے سکتا ہے۔ جو شرعاً جائز ہے مگر یہ سب مال والے سے ہے کہ توں جو کچھ مالک مکان کے ذمہ ہے، بحکم حدیث إِذَا ابْتَعْتَ فَاكْتَلْ وَإِذَا بِعْتَ فَكِلْ رواہ احمد قال في مجمع الزوائد إسناده حسن كذا في النيل جلد ۵ ص ۱۳۶ اب اس اجرت کا نام کمیشن رکھ لو یا اجرت وکرایہ غرض یہ جائز ہے اور مشتری سے کمیشن

یا اجرت لینا جائز نہیں ہاں اگر مشتری کو بھی اپنی دوکان ، مکان پر ٹھہرانے یا مال لدوانے بوریوں یا ٹیلوں وغیرہ میں رکھوانا یا اور کسی قسم کا انتظام کرنا ہو تو اس سے ان امور کا معاوضہ و اُجرت لینی جائز ہے ورنہ نہیں واللہ اعلم ۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۳۹۳ و صفحہ ۳۹۴)

سوال :۔ آج کل جو دوکاندار بازار سے چیزیں خرید کر محلہ کی دوکانوں میں فروخت کرتے ہیں، اس طریقہ پر کہ بازار ۔ منڈی سے سستا لیتے ہیں ، اور اپنی دوکان پر مہنگا بیچتے ہیں ، مثلاً بازار سے دس سیر چیز خرید کر دوکان پر ۸ سیر فی روپیہ بیچتے ہیں ، اور اس چیز کا نرخ بازار میں دس سیر فی روپیہ ہے اس حالت میں ان کا بازار کے نرخ سے نقدی پر کم دینا جائز ہے یا سود ہے ہر دو مسائل کا جواب تسلی بخش عنایت فرمادیں ؛

(اس طرح ، زید ایک دوکاندار ہے ، گندم کا نرخ بازار میں ۲۰ سیر فی روپیہ نقد ہے ، مگر جب بکر زید سے نقد گندم لینے آتا ہے تو زید اس کو پورے بیس سیر گندم دیتا ہے ، اور جب بکر اس سے ادھار گندم لینے آتا ہے تو فی روپیہ ادھار پر ۱۶ سولہ گندم دیتا ہے تو یہ چار سیر کی کمی سود ہو گی یا نہیں ؟

(غلام محمد ڈار گوجرانوالہ)

جواب :۔ دونوں صورتیں جائز ہیں ، نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۱۲ ملاحظہ ہو ۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ بھاؤ بتلانے میں دغا نہ کرے ، بلکہ صاف صاف کہے ۔ یعنی یہ نہ کہے کہ منڈی میں بھی یہی بھاؤ ہے ، بلکہ صاف کہے یہ بھاؤ دوں گا ، خرید کی مرضی ہووے یا نہ لے ۔ (۱۹ فروری ۱۹۱۵ء)

تشریح :۔ ایسی بیع جائز ہے ۔ لِعُمُوْمِ الْاَدِلَّةِ الْقَاضِیَةِ بِجَوَازِہٖ کَقَوْلِہٖ تَعَالٰی اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا وَقَوْلِہٖ تَعَالٰی یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْۤا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ وَغَیْرِ ذٰلِکَ مِنَ النُّصُوْصِ قَالَ فِی النَّیْلِ صفحہ ۱۳ جلد ۵ ۔

وَھُوَ مَذْھَبُ الشَّافِعِیَّۃِ وَالْحَنَفِیَّۃِ وَالْجُمْھُوْرِ الخ ۔ وَمَنْ قَالَ یَحْرُمُ بَیْعُ الشَّیْئِ بِاَکْثَرَ مِنْ سِعْرِ یَوْمِہٖ لِاَجْلِ النَّسَاءِ تَمَسَّکَ بِحَدِیْثِ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ مَرْفُوْعًا مَنْ بَاعَ بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَۃٍ فَلَہٗ اَوْکَسُھُمَا اَوِ الرِّبٰوا رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ ۔ وَفِیْہِ اَنَّ فِیْ اِسْنَادِہٖ

مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَلْقَمَةَ قَالَ فِي النَّيْلِ ص۱۲ جلد ۵۔
وَقَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ غَيْرُ وَاحِدٍ قَالَ الْمُنْذِرِيُّ وَالْمَشْهُورُ عَنْهُ مِنْ رِوَايَةِ الدَّرَاوَرْدِيِّ
وَمُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي
بَيْعَةٍ قَالَ ص۱۳ جلد ۵۔ وَلَا حُجَّةَ فِيهِ عَلَى الْمَطْلُوبِ وَلَوْ سَلَّمْنَا اَنَّ تِلْكَ
الرِّوَايَةَ الَّتِي تَفَرَّدَ بِهَا ذَالِكَ الرَّاوِي صَالِحَةٌ لِلْاِحْتِجَاجِ لَكَانَ اِحْتِمَالُهَا
لِتَفْسِيرٍ خَارِجٍ عَنْ مَحَلِّ النِّزَاعِ كَمَا سَلَفَ ص۱۲ جلد ۵۔ عَنْ ابْنِ رَسْلَانَ رَادٍ
هُوَ اَنْ يُسْلِفَهُ دِينَارًا فِي قَفِيزِ حِنْطَةٍ اِلَى شَهْرٍ فَلَمَّا حَلَّ الْاَجَلُ طَلَبَهُ بِالْحِنْطَةِ
قَالَ بِعْنِي الْقَفِيزَ الَّذِي لَكَ عَلَيَّ اِلَى شَهْرَيْنِ بِقَفِيزَيْنِ فَصَارَ ذَلِكَ...
بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ لِاَنَّ الْبَيْعَ الثَّانِي قَدْ دَخَلَ عَلَى الْاَوَّلِ فَيُرَدُّ اِلَيْهِ اَوْكَسُهُمَا
وَهُوَ الْاَوَّلُ كَذَا فِي شَرْحِ السُّنَنِ لِابْنِ رَسْلَانَ قَادِحًا فِي الْاِسْتِدْلَالِ
بِهَا عَلَى الْمُتَنَازَعِ فِيهِ عَلَى اِنَّ غَايَةَ مَا فِيهَا الدَّلَالَةُ عَلَى الْمَنْعِ مِنَ الْبَيْعِ
اِذَا وَقَعَ عَلَى هٰذِهِ الصُّورَةِ وَهِيَ اَنْ يَقُولَ نَقْدًا بِكَذَا وَنَسِيئَةً بِكَذَا
لَا اِذَا قَالَ مِنْ اَوَّلِ الْاَمْرِ نَسِيئَةً بِكَذَا فَقَطْ وَكَانَ اَكْثَرَ مِنْ سِعْرِ يَوْمِهِ مَعَ اَنَّ
الْمُتَمَسِّكِينَ بِهٰذِهِ الرِّوَايَةِ يَمْنَعُونَ مِنْ هٰذِهِ الصُّورَةِ وَلَا يَدُلُّ الْحَدِيثُ عَلَى
ذَلِكَ فَالدَّلِيلُ اَخَصُّ مِنَ الدَّعْوَى وَقَدْ جَمَعْنَا رِسَالَةً فِي هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ
وَسَمَّيْنَاهَا شِفَاءُ الْغُلَلِ فِي حُكْمِ زِيَادَةِ الثَّمَنِ لِمُجَرَّدِ الْاَجَلِ وَحَقَّقْنَاهَا تَحْقِيقًا
لَمْ نُسْبَقْ اِلَيْهِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ كَتَبَهُ محمد عبد اللہ۔ سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص۱۶۲) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص۳۹۴ و ۳۹۵)

سوال: زید بیس روپیہ کا سوت خرید تا ہے اور بکر کے ہاتھ ادھار اکیس روپے کا بیچتا ہے اور روپیہ دینے کی کوئی مدت معین نہیں کرتا جب بکر مال یعنی کپڑا تیار کر کے فروخت کر لیتا ہے تو روپیہ خرید کا ادا کرتا ہے (دوسری صورت) زید مندرجہ بالا صورت کے مطابق سوت بکر کو دیتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ کچھ روپیہ بھی ادھار ہی دیتا ہے جب بکر مال تیار کر لیتا ہے تو تمامی مال زید کے گھر دے آتا ہے۔ زید اس کو فروخت کر کے اپنا تمام روپیہ لے لیتا ہے اور بقایا منافع

بکر کو دے دیتا ہے، آیا ان صورتوں کے مطابق بیع جائز ہے یا نہیں؟

جواب: صورت مرقومہ جائز ہے منع کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی مگر بحکم قرآن مجید مدت مقررہ کی تحریر ہونی چاہیئے۔ بِقَوْلِهِ تَعَالَىٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ (پ ۳ سورۃ بقرہ) والعلم عند اللہ (اہلحدیث جلد ۲۰ ص ۳۷)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۳۹۵)

سوال: اگر کوئی شخص کوئی جانور بوجہ تنگی خوراک مویشی کو ہنکا دیوے کہ وہ جہاں چاہے جا کر گذر اوقات کرے ان مویشی کو اگر کوئی مسلمان پکڑ کر پرورش کرے تو اس کا دودھ وغیرہ مسلمان کیلئے جائز ہے یا نہیں اگر ان مویشی کو مسلمان ذبح کر دیوے تو مسلمانوں کے لئے اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ مویشی ملک غیر ہیں اس لئے بغیر اس کے مالک ان کا استعمال کرنا یا کھانا جائز نہیں لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ۔ (اہلحدیث امرتسر ۲۰ رمئی ۱۹۳۲ء)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۴۰۵)

سوال: اگر کسی شخص پر کسی کا کچھ روپیہ بطور قرض واجب ہو۔ اور وہ شخص کا روپیہ قرض ہے، مر گیا یا لاپتہ ہے، کیا وہ شخص دیندار اس روپے کو خیرات کر دے تاکہ اس کا مواخذہ نہ ہو یا کیا کرے کیونکہ قرض خواہ کے وارثوں کا بھی پتہ نہیں اور کافر کی طرف سے خیرات قبول نہ ہوگی؟

جواب: میرے خیال میں یہ نقطہ گری پڑی چیز۔ کے حکم میں جس کی بابت حکم ہے کہ ایک سال تک مالک انتظار کرے، ازاں بعد استعمال کر کے اصل مالک کا انتظار کرے آئے تو دیدے ورنہ نیت ادا کی رکھے اور بس (۸ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۴۰۵)

سوال: یہاں افریقہ میں پونڈ کی قیمت دس روپے ہے۔ اور ہندوستان پندرہ روپیہ جب بھی کوئی آدمی افریقہ سے انڈیا کو روپے روانہ کرتا ہے تو اس کو جتنی کہ اس کی اصل رقم افریقہ کی ہے اس سے ڈیڑھ گنا یعنی روپے کا ڈیڑھ روپیہ ہندوستان میں ملتی ہے یہ قانون گورنمنٹ کی طرف سے افریقہ میں ہے اور سب آدمی اسی طرح سے روپیہ ملتا ہے، یہ لینا مسلمان کے لئے شرعاً جائز ہے، یا نہیں دیگر اگر کوئی آدمی ہندوستان سے ایک سو روپیہ افریقہ میں لائے تو اس کو ایک سو ہندوستان

روپے یہاں افریقہ کا مبلغ ۶، ۷ روپے آٹھ آنہ گورنمنٹ منظور کرتی ہے؟

جواب :۔ پونڈ سونے کا اور روپیہ چاندی کا اس لیئے اس میں کمی بیشی جائز ہے، افریقہ میں ایک پونڈ یا نوٹ دس روپیہ کا دے کر ہندوستان کے ۱۵ روپے لے سکتا ہے، منع نہیں۔ افریقہ میں ایک سو کے مبلغ ۶، ۷ روپے آٹھ آنے چونکہ سرکار نے مقرر کیئے ہیں، جس کا سکہ ہے اس رعیت کو اختیار نہیں۔ لہٰذا وہ بھی جائز ہے زیادہ احتیاط مدنظر ہو تو روپے کے بدلے میں وہاں چلتے ہوئے نوٹ لے لیا کریں۔ (اہل حدیث امرتسر ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۱۶۲)

سوال :۔ تمباکو، سگریٹ اور حقہ کا سامان فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب :۔ تمباکو چونکہ مکروہ ہے اس کی بیع کا بھی یہی حکم ہے۔ (۱۶ فروری ۱۹۴۰ء)

شرفیہ :۔ حقے کو مکروہ بھی کہا گیا ہے، اور حرام بھی مگر ترجیح حرمت کو معلوم ہوتی ہے اس لیئے کہ اس میں فتور ہے اور ابو داؤد کی روایت میں مفتر شئی کی نہی وارد ہے اور اس میں تشبیہ باہل النار بھی ہے ۔اِنَّمَا یَأْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا۔ اور اس میں اسراف و تبذیر بھی ہے جس سے آدمی اخوان الشیاطین میں داخل ہوتا ہے، اور خصوصاً حقہ کے سڑے پانی خبیث اور بحکم وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبَائِثَ الایۃ پ ۹۔ جو حرام ہے۔ مگر جھوٹ فریب وعدہ خلافی وغیرہ وغیرہ کی طرح یہ بلا بھی عام ہے۔ لوگ برا نہیں جانتے۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۲۰۳ و ص ۲۰۴)

جس میں آپ نے یہ نہ فرمایا ہو۔ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۵)۔ جو امانت میں خیانت کرے اس کا ایمان نہیں اور جو اپنے اقرار کی پاسداری نہ کرے، اس کا دین نہیں۔ (راز مرحوم) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۲۰۳)

سوال :۔ کوئی مسلمان دوکاندار ذیل کے دو قسم کے مال فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں، قسم اول سگریٹ تاش، قسم دوم صورتیں یعنی تصویریں جو مٹی وغیرہ سے بنائی ہوتی ہیں، جن سے بچے کھیلتے ہیں، اور ایک اور قسم کی بازی جو منہ سے لڑکے بجاتے ہیں اور یہ سب چیزیں مٹی۔ کاغذ اور ٹین وغیرہ کی بنتی ہیں؟

جواب:۔ تصویر یا بت یا نشہ آور چیز کا بیچنا مسلمان کو جائز نہیں۔ واللہ اعلم عند اللہ تعالیٰ۔

(اہلحدیث ۱۰ محرم ۱۳۳۴ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۲۰۳)

سوال:۔ زید نے اپنا جنگل لاکھ کا ایک شخص کو ٹھیکہ پر دیا جس کا زر ثمن زید پا چکا بعدہ اس کے دو لڑکے ٹھیکیدار مذکور کے یہاں سو روپے ملازم ہوئے اور اس سے تنخواہ لیتے ہیں، مذکورہ بالا جنگل کی حفاظت کے لئے۔ اور پھر پانچ پانچ من چرا کر توڑ کے فروخت کر ڈالتے ہیں۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ملازم کو سرقہ کرنا ناجائز ہے اور حرام ہے، ایک تو سرقہ دوم خیانت کیونکہ مالک اس پر اعتبار کر کے اس کے سپرد کرتا ہے۔ (۱۹ ذی قعدہ ۱۳۴۳ھ)

سوال:۔ قرآن و حدیث پڑھانے کا عوض مزدوری یا تنخواہ لینی جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ صحیح حدیث میں آیا ہے، اَحَقُّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ. (سب سے اچھی مزدوری کتاب اللہ پر ہے) اس لئے اگر کوئی مزدوری کے لئے پڑھاوے تو جائز ہے، اگر کوئی فی سبیل اللہ پڑھاوے تو پھر مزدوری مانگنا جائز نہیں۔ از خود وہ احسان کریں، تو قبول کرے۔ منع کے متعلق کوئی صحیح حدیث نہیں۔ (۱۳ مارچ ۱۹۱۶ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۲۰۳)

سوال:۔ ٹھیکہ شراب کی ملازمت جائز ہے یا نہیں، ملازم شراب نہیں پیتا اور اس کو حرام سمجھتا ہے؟

جواب:۔ شراب کی وجہ سے دس آدمیوں پر لعنت آئی ہے، ان میں سے ایک صورت یہ بھی ہے اس لئے جائز نہیں۔ (اہلحدیث ۱۵ صفر ۱۳۶۳ھ)

تشریح:۔ حدیث شریف میں آیا ہے، لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمْرِ عَشَرَةً عَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ اِلَيْهِ وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَاٰكِلَ ثَمَنِهَا وَالْمُشْتَرِيَ لَهَا وَالْمُشْتَرٰى لَهٗ رواه الترمذی وابن ماجۃ۔ مشکوٰۃ۔

یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شراب کی وجہ سے دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے شراب بنانے والے اور بنوانے والے، پینے والے، اٹھانے والے۔ (مزدور) اور جس کی طرف اٹھا کر لے جائی جاوے، پلانے والے، بیچنے والے اس کا دام کھانے والے، خریدنے والے اور جس کیلئے

خریدی جاوے ان سب پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، مطلب حدیث مذکور کا یہ ہے کہ جس کو شراب کے ساتھ ذرا بھی تعلق ہو بنانے میں ہو یا بیچنے میں یا پکوانے، یا ترغیب دینے میں یہ سب لعنت کے مورد ہیں۔ (اہلحدیث ۱۵ر محرم ۱۳۵۶ھ)

سوال:۔ جو شخص زمین کو رہن لیوے اپنا روپیہ دے کر اور اس سے فائدہ اٹھاوے خود کاشت کرے یا دیگر لوگوں کو کاشت کرنے کے واسطے دیوے، نیز زمینداروں اور کاشتکاروں کے گھروں میں جو آلات کاشت کاروں کے استعمال میں ہوتے ہیں ان کو نحوست تصور کرنا جائز ہے، یا ناجائز؟ (ایم خلیل دہلوی)

جواب:۔ قرآن مجید میں کھیتی باڑی کا ذکر بلکہ ترغیب ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:۔ أَفَرَأَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُونَ۔ یہ کھیتی باڑی کا سامان اسباب رزق میں سے ہے اس کو نحوست کہنا غلطی ہے، اراضی مرہونہ سے فائدہ اٹھانے میں اختلاف ہے بعض علماء جواز کے بھی قائل ہیں، چونکہ سرکاری محلہ مرتہن کے ذمہ ہوتا ہے اس لئے جواز کی جانب راجح معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم (۲۴ر محرم ۱۳۶۲ھ)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۴۰۰)

سوال:۔ ایک شخص ایک من دھان اس شرط پر دے رہا ہے کہ ہم اتنے دھان کا آئندہ فصل پر ڈیڑھ من لیں گے ساتھ ہی ایک آنہ پیسہ دیتا ہے کہ سود کے لئے دافع ہے بقیاس فقہ آیا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ یہ صورت جائز نہیں ہے، قیمت مقررہ کر کے دیدے اور وقت پر قیمت ہی وصول کرے، واللہ اعلم۔ ۳رجمادی الاول ۱۳۶۲ھ۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۴۰۰)

سوال:۔ ایک تاجر کا دعویٰ ہے کہ اپنی چیز یعنی روپیہ ایک روپیہ کی چیز کو دو یا تین روپیہ میں ہم فروخت کریں گے جس کا دل چاہے لے یا نہ لے ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ اگر بازار نرخ کسی چیز کا ۲ سیر ہے اور ہم ۱۰ سیر دیں تو کوئی گرفت شرعاً نہیں۔ تو کیا اس کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا غلط؟

جواب:۔ تجارت میں دغا فریب منع ہے، اپنی چیز کی قیمت جتنی چاہے لے سکتا ہے خریدار کو منظور ہے تو لے ورنہ اختیار ہے لیکن مقررہ وزن یا مقدار میں کمی نہیں کرنی چاہیئے، البتہ چیزوں کی قیمتوں کا سرکاری نرخ مقرر ہو چکا ہے ان کی پابندی کرنی بھی ضروری ہے۔ اہلحدیث ۲۰ر شعبان ۱۳۶۲ھ

توضیح البیان:۔ ایک ایک روپیہ کی چیز دو دو روپیہ میں بیچنے کی اس وقت اجازت ہے جب کہ وہ بازار میں عام ملتی ہو ورنہ جائز نہیں، جنس احتکار کو اسی لئے حرام قرار دیا گیا ہے، فافہم وتدبر۔ (سعیدی)

سوال:۔ دباغت سے پہلے چمڑا مردار کی بیع جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ دباغت سے پہلے مردار کے چمڑے کی بیع کرنے میں اختلاف ہے ایک قول جواز کا بھی ہے (شرح مسلم للنووی) میں بھی اس کو جائز سمجھتا ہوں، البتہ استعمال اس کا دباغت پر موقوف ہے۔ (اہلحدیث ۱۲ر جنوری ۱۹۴۲ء)

تشریح:۔ سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مردار کا چمڑا بلا مدبوغ خرید وفروخت کرنا اور منفعت وقیمت کھانے اور پہننے میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں!

الجواب:۔ جائز نہیں ہے، جواز کے لئے دباغت شرط ہے فی المنتقی مث۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ تُصُدِّقَ عَلٰی مَوْلَاةٍ لِمَیْمُوْنَةَ بِشَاةٍ فَمَاتَتْ فَمَرَّ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلَّا اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا فَدَبَغْتُمُوْهُ فَانْتَفَعْتُمْ بِهٖ فَقَالُوْا اِنَّهَا مَیْتَةٌ فَقَالَ اِنَّمَا حَرُمَ اَكْلُهَا رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ اِلَّا ابْنَ مَاجَةَ قَالَ فِیْهِ عَنْ مَیْمُوْنَةَ جَعَلَهٗ مِنْ مُسْنَدِهَا وَلَیْسَ فِیْهِ لِلْبُخَارِیِّ وَالنَّسَائِیِّ ذِكْرُ الدِّبَاغِ بِحَالٍ وَفِیْ لَفْظٍ لِاَحْمَدَ اِنَّ دَاجِنًا لِمَیْمُوْنَةَ مَاتَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا انْتَفَعْتُمْ بِاِهَابِهَا اَلَا دَبَغْتُمُوْهُ فَاِنَّهٗ ذَكَاتُهٗ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَیُّمَا اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ وَابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِیُّ۔ وَعَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ اَنْ یُّنْتَفَعَ بِجُلُوْدِ الْمَیْتَةِ اِذَا دُبِغَتْ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ اِلَّا التِّرْمِذِیَّ وَلِلنَّسَائِیِّ۔ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ جُلُوْدِ الْمَیْتَةِ فَقَالَ دِبَاغُهَا ذَكَاتُهَا وَلِلدَّارَقُطْنِیِّ عَنْهَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ طَهُوْرُ كُلِّ اَدِیْمٍ دِبَاغُهٗ قَالَ الدَّارَقُطْنِیُّ اِسْنَادُهٗ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ مَاتَتْ شَاةٌ لِسَوْدَةَؓ بِنْتِ زَمْعَةَ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاتَتْ فُلَانَةُ تَعْنِی الشَّاةَ فَقَالَ فَلَوْلَا اَخَذْتُمْ مَسْكَهَا فَقَالُوْا اَنَاْخُذُ مَسْكَ شَاةٍ قَدْ مَاتَتْ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی

اللہ علیہ وسلم إنما قال اللہ تعالیٰ قل لا أجد فيما أوحي إلي محرما على طاعم يطعمه إلا أن يكون ميتة أو دما مسفوحا أو لحم خنزير وأنتم لا تطعمونه إن دبغتموه تنتفعوا به فأرسلت إليها فسلخت مسكها فدبغته فاتخذت منه قربة حتى تخرقت عندها رواه أحمد بإسناد صحيح، فإن اختلج في صدرك أنه قد ورد في رواية البخاري ومالك في الموطا وأحمد في مسنده وبعض طرق النسائي وغيرهم أن النبي صلى اللہ علیہ وسلم قال في شاة مولاة ميمونة هلا انتفعتم بإهابها قالوا إنها ميتة قال إنما حرم أكلها ولم يذكر الدباغ فدل ذلك على أن جلد الميتة يحل الانتفاع به من غير حاجة إلى دباغه أزيح ذلك بأنه قد ورد التقييد بالدباغ في روايات أخرى صحيحة والأخبار تفسر بعض طرقها بعضا فيجب الأخذ به والله تعالى أعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین	محمد بشیر مدرسہ احمدیہ آرہ

(فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص ک) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۲۰۱ ص ۲۰۲)

سوال:۔ کیا مشترکہ سرمایہ سے لمیٹڈ تجارتی کمپنی بنانا شرعاً جائز ہے؟

جواب:۔ کمپنی کے اصول صحیح ہوں تو کوئی حرج نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے حق میں تجارت میں نفع کی دعا کی تھی لوگ اس کے ساتھ مل کر تجارت کرتے تھے آج کل اسی کو کمپنی کہتے ہے۔ ۲۵/ مارچ ۱۹۳۰ء (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۲۰۲)

سوال:۔ گائے وغیرہ ادھیارے پر دیتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے منع کی کوئی دلیل نہیں۔ (۳۱ مارچ ۱۹۱۶ء)

تشریح:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بنگلہ میں دستور ہے کہ بچھڑا خرید کر دوسرے کو دے دیتے ہیں جب وہ بڑا ہو جاتا ہے تو خریدنے والا اس کو بیچ کر پوری قیمت کے دو حصے کر کے ایک حصہ خود اور ایک حصہ پالنے والے کو یا بعد اصل قیمت کے ایک حصہ خود لیتے ہیں، اور ایک پالنے والے کو دیتے ہیں، پس یہ کیا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ معاملہ مذکورہ جائز ہے کیونکہ یہ منجملہ صور شرکت کے ہے، اور شرکت کا جواز نصوص کثیرہ سے ثابت ہے عن أبي هريرة مرفوعا قال اللہ تعالیٰ أنا ثالث الشريكين الحديث

اخرجہ ابو داؤد اور کوئی وجہ اس کی ممانعت کی پائی نہیں جاتی، و نیز حدیث اَلْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِهِمْ الحدیث اخرجہ التِّرْمِذِيُّ وَغَيْرُهَا اس کی صحت و جواز پر دال ہے واللہ اعلم

سید محمد نذیر حسین (فتاوی نذیریہ جلد ۲ ص ۸۴)

(فتاوی ثنائیہ جلد ۲ ص ۴۴۳)

سوال:۔ ایک چیز دس روز کے وعدے پر رکھی گئی تو بعد گذرنے میعاد دس یوم کے مرتہن کے لئے رکھ لینی جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ بیع الوفا، ہے تو جائز ہے اگر بیع بالوفا نہیں تو جائز نہیں۔

(فتاوی ثنائیہ جلد ۲ ص ۴۴۷)

سوال:۔ بیع الوفار بالمعنی الثانی جس کی حرمت متفق علیہ سے حدیث نَهٰى عَنْ بَيْعٍ وَ شَرْطٍ سے شبہ ہوتا ہے اس کا دفعیہ کیا ہے؟

جواب:۔ بیع الوفا شافعیہ اور اہلحدیث کے نزدیک رہن بالقبض ہے یعنی ناجائز اس لئے نَهٰى عَنْ بَيْعٍ وَشَرْطٍ اس کے معارض نہیں بلکہ مؤید ہے۔

(فتاوی ثنائیہ جلد ۲ ص ۴۴۷)

نوٹ:۔ بیع الوفار یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ میرے ذمہ جو آپ کا قرض ہے اس کے بدلے میں یہ چیز آپ اس شرط پر بیع کرتا ہوں کہ رقم ہو جانے پر میں آپ کا قرض ادا کر دوں گا، اور اپنی چیز واپس لے لوں گا۔

سوال:۔ چہ می فرمائید علمائے دین و شرع متین کہ بیع بالوفار عند الشارع جائز است یا نہ بینوا توجروا۔

جواب:۔ ارباب فطانت و دیانت پر مخفی نہیں کہ رسم ورواج و تعامل بیع الوفار کا قرون ثلٰثہ مشہور لہا بالخیر میں نہیں پایا گیا بعد مدت دراز قرون ثلٰثہ کے چند علمائے متاخرین بخارا و سمرقند وغیرہ نے صورتیں بیع الوفا کی اختراع کیں اور نکالی ہیں، اور قواعد و ضوابط آئمہ اربعہ وغیرہ سے بیع الوفار کا واضح ہوتا ہے اور جس چیز کی اصل شرع سے پائی نہ جاوے، وہ چیز منہی عنہ اور غیر مشروع قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ

ردٌّ كما رواه البخاري وغيره من المحدثين هذا الحديث معدود وقاعدة من قواعده فان معناه من اخترع في الدين ما لا يشهد له اصل من اصوله فلا يلتفت اليه وقال النووي شارح مسلم هذا الحديث مما ينبغي حفظه واستعماله في ابطال المنكرات واشاعة الاستدلال به كذلك انتهى ما في فتح الباري شرح البخاري مختصرا

اور باوجود اس احداث واختراع کے رائے مخترعین کی بھی اس میں مختلف ہے اب بیان اختلاف چند علمائے متاخرین مخترعین کا سنو کہ صدر شہید تاج الاسلام وصدر شہید حسام الدین نے بیع الوفاء کو بمنزلہ بیع المکرہ کے گردانا ہے۔.... ثم من يجعل بيع الوفاء بمنزلة بيع المكره الصدر الشهيد تاج الاسلام وصدر الشهيد حسام الدين لان الفساد باعتبار فوت الرضاء كذا في الهداية والكفاية والعيني شارح الكنز۔ اور دوسری وجہ فساد بیع الوفا کی یہ کہ بیع مذکورہ بشرط فسخ واسترداد اور واپسی مبیعہ کے منعقد ہوتی ہے۔ بيع الوفاء وهو ان يقول البائع للمشتري بعت منك هذا بما لك علي من الدين على اني متى قضيت الدين فهو لي كذا في الكفاية وغيرها ثم اذا ذكرا الفسخ فيه او قبله او زعماه غير لازم كان بيعا فاسدا۔ ترجمہ:۔ پھر جبکہ عاقدین نے بیع الوفاء کے اندر ماقبل اس کے فسخ کو ذکر کیا یعنی شرط کیا یا دونوں نے اس کو بیع غیر لازم گمان کیا تو بیع فاسد ہوگی۔ ولو بعده على وجه الميعاد جاز وفي الظهيرية لو ذكرا شرط بعد العقد يلحق بالعقد عند ابي حنيفة ولم يذكر انه في مجلس العقد او بعده۔ اور ظہیریہ میں ہے کہ اگر شرط مذکور ہوئی بعد عقد کے تو وہ شرط عقد کے ساتھ لاحق ہوگی نزدیک ابوحنیفہ کے اور صاحب ظہیریہ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ذکر شرط مجلس عقد میں ہو یا بعد اس کے یہ در مختار میں مذکور ہے اور کہا صاحب طحطاوی محشی در مختار نے کہ جب شرط فسخ امام کے نزدیک ملحق عقد سے ہوئی بیع فاسد ہوگی، اگرچہ بعد مجلس ہو انتہی کلامہ۔

تیسری وجہ فساد کی یہ کہ شرط خیار فسخ کا بیع الوفا میں زیادہ تین دن سے معمول رہا ہے، اور زیادہ تین دن سے عام ہے کہ چار دن زیادہ یا چار مہینے یا چار برس ہو مثلاً حالانکہ شرط وخیار فسخ کا بیع میں زیادہ تین دن سے نہیں ہے، پس اگر زیادہ تین دن سے خیار فسخ کا ہوگا تو بیع فاسد ہوگی، چنانچہ

اس بات میں تمام متون و شروح و فتاوی حنفیہ مظہر و شاہد ہیں۔ قَالَ فِی الْهِدَايَةِ خِيَارُ الشَّرْطِ جَائِزٌ فِي الْبَيْعِ لِلْمُشْتَرِي وَالْبَائِعِ وَلَهُمَا الْخِيَارُ ثَلٰثَةُ أَيَّامٍ فَمَا دُونَهَا وَالْأَصْلُ فِيهِ مَا رُوِيَ إِنَّ حِبَّانَ بْنَ مُنْقِذِ بْنِ عَمْرٍو الْأَنْصَارِيَّ كَانَ يُغْبَنُ فِي الْبِيَاعَاتِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ وَلِيَ الْخِيَارُ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ وَلَا يَجُوزُ أَكْثَرُ مِنْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّ شَرْطَ الْخِيَارِ يُخَالِفُ مُقْتَضَى الْعَقْدِ وَهُوَ اللُّزُومُ وَإِنَّمَا جَوَّزْنَاهُ بِخِلَافِ الْقِيَاسِ لِمَا رَوَيْنَاهُ مِنَ النَّصِّ فَيُقْتَصَرُ عَلَى الْمُدَّةِ الْمَذْكُورَةِ فِيهِ وَانْتَفَتِ الزِّيَادَةُ انْتَهٰى مَا فِي الْهِدَايَةِ مُخْتَصَرًا قَوْلُهُ فَيُقْتَصَرُ عَلَى الْمُدَّةِ الْمَذْكُورَةِ فِيهِ وَانْتَفَتِ الزِّيَادَةُ وَذُكِرَ فِي الْمَبْسُوطِ وَأَبُو حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اسْتَدَلَّ بِالْحَدِيثِ بِأَنَّ النَّبِيَّ عَمَّ قَدَّرَ الْخِيَارَ بِثَلٰثَةِ أَيَّامٍ وَالتَّقْدِيرُ الشَّرْعِيُّ إِنَّمَا يَكُونُ لِمَنْعِ الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ أَوْ لِمَنْعِ أَحَدِهِمَا وَهٰذَا التَّقْدِيرُ لَيْسَ لِمَنْعِ النُّقْصَانِ فَإِنَّ اشْتِرَاطَ الْخِيَارِ دُونَ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ يَجُوزُ فَعَرَفْنَا أَنَّهُ لِمَنْعِ الزِّيَادَةِ إِذْ لَوْ لَمْ يَمْنَعِ الزِّيَادَةَ لَمْ يَبْقَ لِهٰذَا التَّقْدِيرِ فَائِدَةٌ كَذَا فِي الْكِفَايَةِ وَغَيْرِهَا مِنْ شُرُوحِ الْهِدَايَةِ۔

اب واضح ہو کہ مجوزین بیع الوفا نے اس مسئلہ میں مسلک و مذہب اپنے امام کا چھوڑ کر غیر مسلک امام کا اختیار کیا، قطع نظر حدیث مذکورہ بالا سے اور سید امام ابو شجاع و علی السغدی نے اس بیع مذکور کو رہن قرار دیا، اور رہن ہونے پر دار و مدار رکھا، وَمِنْهُمْ مَنْ جَعَلَهُ رَهْنًا لِقَصْدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَهٰذَا لِأَنَّ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَإِنْ سَمَّيَا بَيْعًا وَلٰكِنْ غَرَضُهُمَا رَهْنٌ وَالْعِبْرَةُ فِي الْعُقُودِ لِلْمَعَانِي فَالْكَفَالَةُ بِشَرْطِ بَرَاءَةِ أَصِيلٍ حَوَالَةٌ وَالْحَوَالَةُ أَنْ يَبْرَأَ كَفَالَةٌ وَهِبَةُ الْحُرَّةِ نَفْسَهَا مَعَ تَسْمِيَةِ الْمَهْرِ نِكَاحٌ وَالْإِعَارَةُ بِأَجْرٍ إِجَارَةٌ وَلِلْبَائِعِ اسْتِرْدَادُهُ إِذَا قَضَى دَيْنًا لَا فَرْقَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الرَّهْنِ فِي حُكْمٍ مِنَ الْأَحْكَامِ۔ وَكَانَ السَّيِّدُ الْإِمَامُ أَبُو شُجَاعٍ عَلَى هٰذَا وَأَوْصَى بَنِيهِ عِنْدَ مَوْتِهِ بِهٰذَا وَحِينَ قَدِمَ الْقَاضِيُّ الْإِمَامُ عَلِيُّ السُّغْدِيُّ مِنْ بُخَارَا وَالسَّمَرْقَنْدَ فَاسْتُفْتِيَ بِهٰذَا فَكَتَبَ أَنَّهُ رَهْنٌ وَلَيْسَ بِبَيْعٍ فَفَرِحَ السَّيِّدُ الْإِمَامُ بِمُوَافَقَةِ فَتَاوَاهُ وَسُئِلَ الْحَسَنُ الْمَاتُرِيدِيُّ۔ عَمَّنْ بَاعَ دَارَهُ مِنْ آخَرَ بِثَمَنٍ

مَعْلُوْمٍ بِبَيْعِ الْوَفَاءِ وَتَقَابَضَا ثُمَّ اسْتَاجَرَهَا مِنَ الْمُشْتَرِيْ مَعَ شَرَائِطِ صِحَّةِ الْاِجَارَةِ وَقَبَضَهَا وَمَضَتِ الْمُدَّةُ هَلْ يَلْزَمُهُ الْاُجْرَةُ فَقَالَ لَا لِاَنَّهُ عِنْدَنَا رَهْنٌ وَالرَّاهِنُ اِذَا اسْتَاجَرَهُ مِنَ الْمُرْتَهِنِ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْاُجْرَةُ بِهٰذِهِ الْاِجَارَةِ فَكَذَا هٰذَا اِنْتَهٰى مَا فِي الْكِفَايَةِ وَغَيْرِهَا مِنَ الْكُتُبِ الْحَقِيْقَةِ ۔ اور جب بیع الوفاء بدلیل سابق رہن حقیقۃ قرار پایا نزدیک امام حسن ماتریدی وسید ابو شجاع وقاضی علی سغدی کے اور کتاب وثیقہ بیع الوفا میں شرط نفع لے لینے مشتری اور راہن کے مندرج اور مشروط خالی عن العوض بلاریب ربوا میں داخل ہے، اور عیاں راچہ بیان الخ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص۱۷۰ و ص۱۷۱)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص۱۲۷ و ص۱۲۸)

سوال: زید نے اپنے ایک عزیز سے کچھ زمین گرو رکھ کر ایک ہزار روپیہ لیا۔ کچھ دنوں بعد زید نے بکر سے پرونوٹ لکھالیا، اس وقت زمین قیمت آٹھ سو روپیہ تھی مگر زید کو معلوم تھا کہ بکر نے ایک ہزار روپیہ دیا ہے، اس لیے پرونوٹ ایک ہزار کا لکھایا، دس سال گذر جانے کے بعد زمین ۱۸۰۰ سو روپے میں بکر نے بیچ ڈالی اور اپنے قرضہ میں دے دی زید چاہتا ہے کہ ایک ہزار زائد جو روپیہ ملا ہے وہ زید کو دیا جائے بکر کہتا ہے کہ جب پرونوٹ لکھدیا، تو اب زید ایک ہزار سے زیادہ کا حقدار نہیں شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: بکر نے جتنا قرض دیا ہے، اتنا ہی ادا کرنا واجب ہے باقی جبر معلوم ہوتا ہے حدیث شریف میں آیا ہے۔ عَلَى الْيَدِ مَا اَخَذَتْ۔ (اہلحدیث جلد ۳۲ ص۱۶ و ص۱۷)

شرفیہ: سائل کا سوال واضح نہیں ہے پھر جواب اختصار مخل ہے سوال میں عزیز سے مراد بکر معلوم ہوتا ہے، اور بکر نے پرونوٹ لکھوایا اس سے مراد بکر کو لکھ کر دیدیا معلوم ہوتا ہے اور اپنے قرضہ میں دیدی سے مراد اپنے قرضہ میں مجرا کرلی معلوم ہوتا ہے۔ حاصل یہ معلوم ہوتا کہ زید مقروض ہے بکر مقرض اور پرونوٹ سے مراد اگر یہ ہے کہ اتنے روپیہ کا زید مقروض ہے اور یہ (پرونوٹ) سند ہے تب تو مجیب مرحوم کا جواب صحیح ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ زمین ایک ہزار میں زید نے بکر کے ہاتھ فروخت کردی تو جواب صحیح نہیں بنتا اگر یہ مراد بھی صحیح نہیں بظاہر صورت اولیٰ ہے اور مجیب مرحوم نے جو لکھا ہے کہ باقی جبر معلوم ہوتا ہے مرحوم کی مراد یہ ہے کہ زمین جتنے میں بکی وہ زید کی ملکیت بکی لہٰذا ایک ہزار

روپیہ بکر اپنے قرضہ میں محسوب کرے اور باقی روپیہ زید کا ہے وہ بکر کو لینا حرام ہے بلکہ دس سال تک وہ زمین اگر بکر مقروض کے قبضے میں رہی اور اس نے اس سے غلہ حاصل کیا۔ گو اپنا خرچ بھی کیا تو وہ بھی بکر حساب کرتا ہو گا، جتنا خرچ کیا ہے وہ اور اپنی محنت دیگان وغیرہ پورا حساب کر کے لے لے اب جتنا بچے وہ بھی زید کا ہے اور اغلب یہ ہے کہ اس صورت میں زید کو کچھ بھی دینا نہ پڑے گا، اس حساب کی رو سے وہ سب روپیہ زید ہی کا ہو گا، اس لئے کہ مقرض کو گروی شئے سے نفع لینا جائز نہیں سود ہے۔ فتاویٰ نذیریہ ملاحظہ ہو۔

مفتی مرحوم نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے:۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ حَتّٰى تُؤَدِّيَ۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجۃ میں مشکوٰۃ ص ۲۵۵ ج ۱۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۱۴۹)

سوال:۔ ملک بنگال میں لوگ اپنی زمین ٹھیکے پر دیتے ہیں، اس طور کہ سالانہ ایک بیگھہ زمین پر مثلاً تین من یا چار من دھان لیا ہے، چاہے اس زمین کی فصل ڈوب جائے یا جل جائے انہیں سروکار نہیں فصل ہو یا نہ ہو زمین کا مالک مقررہ دھان اس سے لے لیگا، اور خراج مالک کے ذمہ ہو گا، از روئے شریعت اس طرح کا ٹھیکہ زمین کا دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ صورت مرقوم جائز نہیں، یوں ہونا چاہئے کہ پیداوار میں نصف یا ربع یا خمس یا جو مقرر ہو لوں گا، نہ ہو تو نہیں لوں گا، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودان خیبر کو حصے پر زمین دی تھی، ٹھیکہ کا عوض نقد روپیہ ہو تو ہر طرح جائز ہے۔ اللہ اعلم۔ ۳/ رجب ۱۳۳۲ھ

تشریح:۔ زمین اس شرط پر دینا کہ دس من غلہ اس میں سے ہم کو دے دینا باقی تمہارا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ شرط فاسد ہے اس واسطے کہ ممکن ہے کہ صرف دس ہی من غلہ پیدا ہو تو اس صورت میں بیچارہ مزارع بالکل محروم رہ جاوے گا، اور سراسر خسارہ میں پڑ جاوے گا۔ ہاں اس شرط پر زمین دینا جائز ہے کہ جس قدر غلہ پیدا ہو اس میں سے مثلاً ایک ثلث ہمارا باقی تمہارا یا نصف ہمارا نصف تمہارا یا دو ثلث ہمارا باقی تمہارا یعنی جزء مشاع کی شرط کرنا کہ جس سے کسی صورت میں قطع شرکت نہ ہو بلکہ جس قدر غلہ پیدا ہو تھوڑا یا زیادہ اس میں دونوں اپنے اپنے حصہ مقررہ کے شریک رہیں جائز و درست ہے،

لہ جتنا روپیہ لیا گیا اتنی ہی ادائیگی لازم ہے ۱۲۔ راز

مؤطا امام محمد ص ۳۵۴ میں ہے۔ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنَا رَبِيعَةُ بْنُ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِنَّ حَنْظَلَةَ الْأَنْصَارِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ رَافِعَ بْنَ خَدِيجَةَ عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ فَقَالَ قَدْ نُهِيَ عَنْهُ قَالَ حَنْظَلَةُ نَقُلْتُ لِرَافِعٍ بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ قَالَ رَافِعٌ لَا بَأْسَ بِكِرَائِهَا بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ قَالَ مُحَمَّدٌ بِهٰذَا نَأْخُذُ لَا بَأْسَ بِكِرَائِهَا بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ بِالحنطة كَيْلًا مَعْلُومًا وَضَرْبًا مَعْلُومًا مَا لَمْ يَشْتَرِطْ ذٰلِكَ مِمَّا يَخْرُجُ مِنْهَا فَإِنِ اشْتَرَطَ مِمَّا يَخْرُجُ مِنْهَا كَيْلًا مَعْلُومًا فَلَا خَيْرَ فِيهِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا إِلَى آخِرِهِ۔ حررہ عبدالحق اعظم گڑھی عفی عنہ۔ ۱۴ / رجب ۱۳۱۷ھ۔ | سید محمد نذیر حسین |

(فتاوی نذیریہ جلد ۲ ص ۱۴۹ و ص ۱۵۱) (فتاوی ثنائیہ جلد ۲ ص ۳۰۶)

سوال:۔ بیمہ کمپنی سے زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے یا ناجائز جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک میعاد مقررہ تک ماہواری ایک رقم مقررہ کمپنی کو ادا کرنی پڑتی ہے اگر میعاد مقررہ کے اندر بیمہ کرانے والا فوت ہو جائیگا تو رقم مقررہ پوری جس رقم کا بیمہ کرایا ہے، وارثان کو مل جائے گی، اور اگر میعاد مقررہ تک زندہ رہا تو بعد گزرنے میعاد کے جمع شدہ رقم جو اس عرصہ میں ادا کی ہے مع نفع کے مل جائے گی۔ کیا شرع شریف میں ایسا بیمہ کرانا جائز ہے؟ (محمد امین کلکتہ)

جواب:۔ سوال میں مع نفع کا لفظ تشریح طلب ہے جہاں تک ہمیں ان کمپنیوں کے قواعد کا علم ہے نفع کا ذکر نہیں ہوتا بلکہ ایک مقررہ رقم ہوتی ہے، مثلاً ہزار یا لاکھ روپے کا بیمہ ہوتا ہے بیمہ کی رقم ماہوار یا ہر سہ ماہ بعد ادا کی جاتی ہے، اس ادائیگی کی میعاد مقرر ہوتی ہے۔ دیتا دیتا مر جائے تو مقررہ رقم اس کے وارثوں کو مل جاتی ہے، میعاد تک زندہ رہے تو خود لے سکتا ہے، اس کی بنا دراصل ہمدردی پر ہوتی ہے، یعنی بیمہ کرانے والا اگر مر جائے تو اس کے وارثوں کو ایک معقول رقم مل سکے، اس لئے میں اس کو جائز جانتا ہوں۔ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ۔ (۱۳/ جمادی الثانی ۳۶ھ)

فی الواقع اگر بیمہ کمپنیوں کے قواعد و ضوابط میں خطہ کشیدہ دفعہ ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں مفتی مجیب کے نزدیک بھی یہ چیز جائز نہیں جیسا کہ آپ کے مرقوم جواب سے مترشح ہوتا ہے۔ (مؤلف)

تشریح:۔ بیمہ زندگی یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص بیمہ کمپنی سے پانچ ہزار روپیہ کا بیمہ کرتا ہے کہ

میں پانچ یا دس سال یا کچھ کم و بیش مدت میں یہ رقم مذکور قسطوں سے ادا کرتا رہوں گا، مثلاً بیس پچیس روپیہ ماہوار یا سہ ماہی وغیرہ۔ پھر بعد میعاد مذکور وادائے رقم مذکورہ مجھ کو وہ میرا روپیہ یا رقم مذکور سب کی سب معہ سود مثلاً بجائے پانچ ہزار کے معہ سود چھ یا سات ہزار دیں گے اور اگر میں مدت معینہ مذکورہ میں قبل ادا کرنے رقم مذکور کے مرگیا تو میرے وارث کمپنی سے پورے پانچ ہزار روپیہ وصول کریں گے، اور کمپنی کو دینی واجب ہوگی، اگرچہ میں نے بجائے پانچ ہزار کے ایک ہی قسط بیس یا پچیس روپے ادا کی ہو، اور کمپنی اس قسم سے جو بیمہ والوں سے لیتی ہے تجارت کرتی ہے، پھر تجارت سے جتنا نفع ہوتا ہے حساب کر کے بیمہ والوں کو اس کا سود دیتی ہے، اور کمپنی کا کاروبار سود کا ہوتا ہے اب واضح ہوا کہ اس بیمہ کی حرمت کے دلائل یہ ہیں اول یہ کہ یہ سود کا معاملہ ہے لہٰذا قطعاً حرام ہے اس لیئے کہ اس میں خطرہ ہے کیا معلوم کہ بیمہ والا مدت مذکورہ میں زندہ رہے گا، یا نہیں رقم ادا کرے گا، یا نہ اگر مرگیا تو جوا ہوا، اگر زندہ رہا، اور رقم ادا کی تو سود کھائیگا۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا الاية پ۳ ع ۷۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا الاية پ۲ ع ۱۱۔

وَقَالَ اَيْضًا يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ الاية پ۷ ع ۲۔

وَاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَالْكُوْبَةِ وَالْغُبَيْرَاءِ وَقَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ مشكوٰة ج ۲ ص ۳۱۸۔

سوم یہ کہ تعاون علی الاثم ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ الاية پ۶ ع ۵۔ لعل فيه كفاية لمن له دراية۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۱۵۰)

تشریح:۔ از قلم حضرت العلام مولانا عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث مبارک پوری۔

سوال:۔ انشورنس کراتا ہے جب کہ اختتام میعاد پر مقررہ رقم سے جو کچھ زائد ملتا ہے، وہ عام سود کے طور پر مقرر نہیں جوڑا جاتا بلکہ بیمہ کی رقم تجارت میں لگا کر سالانہ نفع اور نقصان

کا لحاظ کر کے فیصدی پر رکھا جاتا ہے، کسی سال کچھ رقم منافع میں آتی ہے دوسرے سال کچھ اور علماء کرام اس بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ حضرت مولٰنا امرتسری نے بھی استفتاء پر جواز کا فتویٰ دیا تھا، لیکن کوئی دلیل نہیں فرمائی تھی، یہاں سکول کے اکثر اسٹاف انشورنس شدہ ہیں میں تذبذب میں ہوں

(محمود الحسن رحمانی صارن)

جواب، میرے نزدیک ان لوگوں کا قول صحیح ہے جو زندگی کا بیمہ کرانے کو ناجائز کہتے ہیں اور وہ لوگ غلطی پر ہیں، جنہوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

انسان یا جانور کی زندگی یا جائیداد کے بیمہ کرنے کی حقیقت پر غور کیا جائے تو سوال کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ انشورنس کرانے کو جائز بتانا سود کو یا قمار کو حلال کرنا ہے، بیمہ کمپنیوں کا اصول ہے کہ زندگی کا بیمہ کرانے والا یا بیمہ کرایا ہوا جانور بیمہ کی معینہ مدت سے قبل مرجائے یا بیمہ کرائی ہوئی جائیداد کی ناگہانی آفت سے مقررہ مدت کے اندر ضائع ہو جائے تو بیمہ کی پوری مقررہ رقم اس کے ورثاء کو یا جائیداد اور جانور کے مالک کو مل جاتی ہے اور اگر بیمہ کرانے والا یا جانور اور جائیداد مقررہ مدت تک زندہ اور محفوظ رہے تو کل جمع کردہ رقم مع سود کے بیمہ کرانے والے کو یا جانور اور جائیداد کے مالک کو ملتی ہے اور اگر کچھ رقم جمع کرنے کے بعد بیمہ کرانے والا مسلسل دو سال تک مقررہ قسطیں ادا کرنے سے قصداً انکار کر دے یا مجبوراً نہ ادا کر سکے تو یہ بیمہ کمپنی ادا شدہ قسطوں کو ضبط کر لیتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ مقررہ مدت کے اندر مرجانے یا بیمہ کردہ چیز کے تلف ہو جانے کی صورت میں اور اسی طرح مقررہ مدت تک زندہ اور محفوظ رہنے کی صورت میں بیمہ کمپنیاں بیمہ کرانے والوں کو یا ان کے ورثہ کو ان کی جمع کردہ رقم سے فائدہ جو کچھ دیتی ہیں اس کی کیا حیثیت اور نوعیت ہے اور وہ کہاں سے آتا ہے، ظاہر ہے کہ وہ صدقہ وخیرات یا تحفہ و ہدیہ تو ہے نہیں اور نہ ہی قرض ہے، پھر دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ بیمہ کمپنی جمع شدہ روپیہ دوسروں کو سود پر دیتی ہو اور اس میں سے ایک معین حصہ بیمہ کرانے والوں کو بانٹ دیتی ہو جیسا کہ عام بینکوں کا طریقہ ہے، یا یہ کہ بیمہ کمپنی خود ہی اس روپیہ سے تجارت کرے، اور اس کے منافع سے ایک معین اور طے شدہ منافع کے ادا کرتے ہی نام سود ہے۔

اور یہ خیال و توجیہہ کہ بیمہ کرانے والے اس تجارت میں شریک یا رب المال اور مضارب کی حیثیت رکھتے ہیں اور بیمہ کمپنی عامل و مضارب (بفتح الراء) کی حیثیت رکھتی ہے، پس زائد رقم اس حیثیت سے بیمہ کرانے والوں کے لیے حلال و طیب ہو گی، غلط اور باطل ہے اس لیے کہ اگر یہ صورت حال ہو تو ان شرکاء یا ارباب اموال (بیمہ کرانے والوں) کو ایک طے شدہ معینہ رقم نہیں ملنی چاہیے بلکہ کمی اور بیشی کے ساتھ نفع و نقصان دونوں میں شریک رہنا چاہیے۔ اور یہاں ایک طے شدہ معین ہی نفع (زائد رقم) ملتا ہے۔ اور سوال میں ذکر دہ صورت یا توجیہ بھی صحیح نہیں، اس لیے کہ بیمہ کمپنیاں عام طور پر اصل رقم سے جو کچھ زائد دیتی ہیں اس کی شرح اور مقدار پہلے ہی سے معین کر دیتی ہیں اور اگر کوئی کمپنی اس کو اصولاً معین نہ کرتی ہو، بلکہ زائد رقم کو سالانہ نفع اور نقصان کا لحاظ کر کے فی صد پر رکھتی ہو، تب بھی یہ طریقہ وجہ جواز نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اس کاروبار میں نقصان سوال ہی نہیں آنے دیا جاتا و نیز بیمہ کمپنیوں کے متفقہ اصولوں میں سے ایسے اصول بھی ہیں جن کی وجہ سے یہ سارا کاروبار اور ڈھانچہ ہی شرعاً ناجائز ہے کما سیاتی۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے پہلے بیمہ کرانے والوں کو بعد کے بیمہ کرانے والوں کا روپیہ دیا جاتا ہو لیکن اس طرح ایک کی رقم دوسرے کو دے دینے کا حق شرعاً کسی کو بھی نہیں ہے، ایسی صورت میں جواز فتویٰ دینا سود یا قمار کا فتویٰ نہیں تو اور کیا ہے۔

اور کچھ رقم جمع کرنے کے بعد بقیہ اقساط کے قصداً یا جبراً ادا کرنے کی صورت میں ادا شدہ قسطوں کا ضبط کر لینا کس شرعی ضابطہ کی رو سے؟ یہ اکل مال باطل تو اور کیا ہے؟ و نیز بیمہ کرانے والوں کیلئے ایسے کاروبار کرنے والوں کو روپیہ دینا جو بغیر کسی شرعی سبب کے ان کی رقم ایک غلط اصولوں کی رو سے ہضم کر لیں کہاں سے شرعاً جائز ہے۔ بہرحال انشورنس کا کاروبار شرعاً ناجائز ہے یہ یورپ کے نظام سرمایہ داری کا ایک طبعی تقاضا ہے، اور اس کا تصور بھی اسلامیت سے سخت بعید ہے پس زندگی وغیرہ کا بیمہ کرانا کیونکر ناجائز نہ ہو گا، واللہ اعلم۔ رسالہ مصباح ص۹ بابت شوال المکرم ۱۳۷۲ھ

تعاقب:۔ اہلحدیث ۲۲/مارچ رواں میں بیمہ زندگی کے متعلق آپ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے، سائل کا سوال نہایت واضح ہے۔

کمپنیاں کبھی زائد لیتی اور کم دیتی ہیں اور کبھی کم لیتی اور زائد دیتی ہیں

اگر لکیر زدہ عبارت پر غور فرمایا جاتا تو اس کے جواز کا فتویٰ ہی نہ دیا جاتا، اس لئے کہ سائل کے یہ الفاظ حرمت کو خود ثابت کر رہے ہیں، اس طرح کہ زائد لین اور کم دین یا کم لین اور زائد دین یہ کمی بیشی کیوں اور کس لئے، بس یہی کمی اور بیشی سود یا قمار کی ایک قسم ہے اور اکثر بیمہ کمپنیاں دھوکہ اور فریب پر مبنی ہوتی ہیں، پھر اس جملہ رقم سود پر چلائی جاتی ہے اور اس کمپنی کا کام سود در سود حاصل کرنا اور دینا ہوتا ہے کمپنی کم لے کر جب زائد دیتی ہے تو یہ عین سود ہے، لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً. اور کمپنی نے لیا تو زائد اور دیا کم۔ تو کیوں۔ تو بعینہ یہ قمار یعنی جوا کی قسم ہے بہر کیف بیمہ زندگی کا ہر پہلو سیاہ اور شریعت کے خلاف ہے قمار، سٹہ۔ لاٹری۔ اور سود کے مجموعہ کا نام بیمہ کمپنی ہے، لہٰذا قطعاً حرام ہے صرف نام بدلا ہوا ہے اور نام بدلنے سے اصل نہیں بدلا کرتا۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

(خاکسار ابو سعید عبدالرحمٰن فریدکوٹی از سکندر آباد۔ ۲۴ رمئی ۱۹۳۲ء)

فتویٰ مولانا ابو طیب عبدالصمد صاحب مبارکپوری۔ میرے نزدیک بینکوں کا منافع کسی مسلم شخص کے لئے دو شرطوں کے ساتھ جائز اور حلال ہو سکتا ہے، مگر ان شرطوں کا وجود قطعاً محال و ناممکن ہے، پہلی شرط یہ ہے کہ وہ روپیہ اسی تجارت و کاروبار میں لگایا جائے جو کہ شرعاً جائز و درست ہو ممنوع و ناجائز کام کے ذریعہ وہ منافع حاصل نہ ہوا ہو مثلاً سود کے ذریعہ یا شراب اور دیگر حرام شئے کی تجارت کے ذریعہ نہ حاصل ہوا ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ کمپنی اپنا تمام خرچ نکال کر جس قدر بچے حصہ داروں کو حصہ رسد کے مطابق پورا پورا دے دے نہ کہ اکثر حصہ خود ہی رکھ لے اور حصہ داروں و شرکاء کو برائے نام تھوڑی سی رقم دے کر ٹال دے۔

الغرض جب تک ان دونوں شرطوں کا پایا جانا متحقق اور ثابت نہ ہو اور اس نفع کا کسب حلال و طیب ہونا یقینی طور پر نہ معلوم ہو شرعاً اس کے حلال و جائز ہونے کا حکم ہرگز نہیں دیا جا سکتا۔ (اہلحدیث امرتسر ۳۱ ردسمبر ۱۹۳۶ء)

کیا مکان کی پگڑی جائز ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شہر کراچی میں زید کا ایک مکان بطور کرایہ دار

چالیس روپے ماہوار میں رہتا ہے اب کسی مجبوری کے تحت یہ مکان چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں جانا چاہتا ہے، اور جاتے وقت مکان کا قبضہ بجائے مالک جائیداد کو دے محمود کو دے رہا ہے، اور محمود زید سے یہ طے کر لیتا ہے کہ تم مالک جائیداد سے اس مکان کی رسید میرے نام تبدیل کراؤ تاکہ مالک جائیداد مجھ کو اپنا کرایہ دار تسلیم کرے اور مکان کا قبضہ مجھ کو دے کر مجھ سے بطور پگڑی مبلغ آٹھ ہزار روپیہ لے لو، پھر محمود زید سے یہ معاملہ طے کر کے بکر سے کہتا ہے کہ میں نے زید سے ایک مکان آٹھ ہزار روپے پگڑی پر لیا ہے، لیکن میرے پاس روپے نہیں ہیں، اس لئے تم آٹھ ہزار روپے زید کو دے کر مکان کی رسید اپنے نام کرالو مکان میں رہوں گا، میں بطور کرایہ تم کو ایک سو چالیس روپے ماہوار دیتا رہوں گا، تم چالیس روپے ماہوار مالک مکان کو دیتا اور سو روپے ماہوار اپنے پاس رکھنا، اور جب میرے پاس آٹھ ہزار روپے ہو جائیں گے، تم کو آٹھ ہزار روپے دے کر مالک مکان سے رسید اپنے نام کرالوں گا، اور چالیس روپے ماہوار میں خود براہ راست مالک جائیداد کو دیتا رہوں گا، مہربانی فرما کر بتائیں کہ بکر کو اس طریقہ پر سو روپے ماہوار لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس میں سود وغیرہ کا کوئی گناہ تو نہ ہوگا، بکر کو اس طریقہ پر سو روپے ماہوار لینا اگر ناجائز ہو تو دوسری بات محمود یہ پیش کرتا ہے کہ جب تک میرے پاس روپے ہو جائیں گے، اس وقت مکان کی پگڑی کی رقم جو بھی ہو دوسرا دے چاہے وہ گھٹ کر چھ ہزار رہ جائے چاہے آٹھ ہزار سے دس ہزار ہو جائیں وہ تم کو دے کر رسید اپنے نام کرالوں گا، اور مالک جائیداد کو براہ راست چالیس روپے ماہوار دیتا رہوں گا، از راہ عنایت تحریر فرمائیں کہ شرع شریف کی رو سے دونوں طریقے جائز ہیں یا ایک یا دونوں ناجائز ہیں۔

جواب: صورت مسئلہ بالا میں واضح ولائح ہو کہ اولاً زید کو چاہئے کہ جب کہ مکان خالی کر کے دوسری جگہ منتقل ہونا چاہتا ہے تو مکان کا قبضہ مالک مکان کو دے دے، اور محمود کا بکر کو سو روپیہ ماہوار دینا یہ سود ہے بقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا۔ نیز دوسری صورت بھی مشکوک ہے جو شرعاً ٹھیک نہیں۔ فقط واللہ اعلم عبد القہار غفرلہ، معاون نائب مفتی۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ ص ۱۶ و ص ۱۷)

توضیح: پگڑی مکان سود بھی ہے ظلم اور غصب بھی ہے۔ یہ سلسلہ پگڑی در پگڑی چلتا رہے گا۔ مالک مکان نہ کرایہ بڑھا سکے گا، اور نہ اپنے قبضہ لے سکے گا، یہ مکان تو ایک قسم کا گروی ہو گیا مالک

مکان جب بھی قبضہ لے گا قابض مکان کو وہ کل رقم ادا کر کے قبضہ لے گا۔ واللہ اعلم۔ علی محمد سعیدی۔

سوال: آج سلامی کا رواج عام ہے، مکان کا مالک اپنے کرایہ داروں سے ہزار، دو ہزار روپیہ پہلے وصول کر لیتا ہے اور بعد میں ستر اسی روپے ماہوار کرایہ مکان دیتا ہے۔ جو روپے سلامی کے طور پر پہلے وصول کر لیتا ہے اس کو کرایہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ سلامی کا روپیہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (ابو نعیم عبدالحکیم قصوری جامع اہلحدیث رنگون)

جواب: اس قسم کا سود ناجائز ہے کیونکہ یہ رشوت کے حکم میں ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۴۵۶)

توضیح البیان: عرف عام میں آج کل اس کو پگڑی کہتے ہیں جو ناجائز ہے (سعیدی)

سوال: حکومت نے جو انعامی بونڈ نکالے ہیں ان کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ آیا اس کے اندر سود کی بھی کوئی شکل ہے یا نہیں جب کہ یہ اعلان ہے کہ ہم نے جو یہ اسکیم نکالی ہے، سود سے بچنے کے لئے ہی نکالی ہے، ہوتا یہ ہے کہ ایک دس روپے والا بونڈ خرید لیجئے، اور تین مہینے بعد اس بونڈ کو قرعہ اندازی میں شامل کر لیتے ہیں۔ اگر اس کا انعام نکل آیا تو اس کے روپے قائم ہیں اور اگر نہ نکلا تو پھر بھی قائم ہیں اور جب وقت چاہے ہیں بھنا سکتے ہیں، شریعت محمدی میں کیا حکم ہے؟

جواب: صورت مسئولہ میں واضح ولائح ہو یہ سب جوئے کی قسمیں ہیں ان سے بچنا ہی بہتر ہے بنک کا جملہ کاروبار سود پر ہوتا ہے اس لئے بھی یہ بونڈ مشکوک ہو جائیں گے۔ لہٰذا پرہیز لازم ہے۔ (عبدالغفار سلفی نائب مفتی محمدی مسجد کراچی) (فتاویٰ ستاریہ جلد ۱ صفحہ ۸۹)

سوال: مسلمان کو قبروں اور مزاروں کے سالانہ عرسوں اور نیز ہندوؤں کے مذہبی میلوں میں تجارت اور خرید و فروخت کی غرض سے جانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جہاں شرک یا کسی ناجائز کام کی تائید ہو، وہاں نہ جانا چاہئے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے، لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ خرید و فروخت سے بھی ان کو رونق اور مدد پہنچتی ہے

(اہلحدیث امرتسر ۲۶ شوال ۱۳۴۶ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۳۶۹)

سوال: اکثر ہنود لوگ اپنی لڑکیوں کی شادی میں سبز پاتل یعنی چھوٹی ساڑیاں شگون نیک سے خریدتے ہیں اور دلہن کو پہلے رسم شادی میں اس کو استعمال کراتے ہیں، اس لئے سبز

پائل کا بنوانا اور خرید کرنا از روئے شرع کیا حکم ہے؟

جواب :- ساڑیوں کا بیچنا منع نہیں خریدنے والے کی نیت نیک ہو یا بد اس کا اثر بیع پر نہیں ہے جیسے ریشمی کپڑا بیچنا جائز ہے، کوئی اسے اپنے استعمال کے لئے خریدے تو یہ اس کا اپنا فعل ہے۔ (اہلحدیث ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۳۹۰ ص ۳۹۱)

سوال :- درباره خرید و فروخت یعنی ایک وقت میں دو بیع کرنا نقد پر کمی کے ساتھ اور ادھار بیشی کے ساتھ دینا اس طرح کی خرید و فروخت درست یا نہیں، اس کے جواب آپ کے ہاں سے فتویٰ آیا کہ نقد پر کم قیمت لینا اور ادھار پر زیادہ قیمت لینا درست ہے، یہ مسئلہ ترمذی اور نیل الاوطار میں ملتا ہے اور اسی طرح کا فتویٰ اخبار اہلحدیث قبل رمضان ۱۳۳۳ھ میں دیکھا گیا، مگر اس کے ثبوت میں کچھ شک پڑھے کیونکہ ترمذی میں کوئی دلیل کافی نہ پائی گئی، اور نیل الاوطار یہاں موجود نہیں مگر برعکس اس کے ملتا ہے۔ یعنی تلخیص الصحاح باب البیوع جلد اول ص ۱۴۲ مترجم مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور کہ ایک وقت میں دو بیع درست نہیں ہے، کیونکہ ادھار پہ زیادہ قیمت لینا ربا ہوگا، اس واسطے مکرر عرض ہے اس مسئلہ میں موافق قرآن و حدیث کے جواب ملنا چاہیئے، کسی کی رائے اور اجتہاد کی ضرورت نہیں۔ (از عبد المجید اہلحدیث از دسورہ ٹانڈہ)

جواب :- حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے اس حدیث کی تشریح میں اقوال مختلف ہیں جس صاحب کو جو قول پسند ہوتا ہے اس پر وہ نتائج مرتب کر دیتا ہے، نیل الأوطار میں ایک قول یوں بھی مرقوم ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ نقد پر سو روپیہ اور ادھار پر دو سو روپیہ لوں گا۔ خریدار کہے میں نے نقد کی صورت یا ادھار کی صورت قبول کی تو جائز ہے جلد ۵ ص ۱۲۔ ترمذی میں بھی مرقوم ہے کہ صورت مرقومہ میں خریدار جب ایک صورت کو اختیار کرے تو جائز ہے (باب النہی عن بیعتین فی بیعۃ) غرض صورت مرقومہ کے منع پر کوئی آیت یا حدیث صاف دلالت نہیں کوئی اس لئے جائز معلوم ہوتا ہے۔

(۲۵ فروری ۱۹۱۶ء)

تشریح :- وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوْا بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ اَنْ يَّقُوْلَ اَبِيْعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بِعَشَرَةٍ وَنَسِيْئَةٍ بِعِشْرِيْنَ وَلَا يُفَارِقُهٗ عَلٰى اَحَدِ الْبَيْعَيْنِ

یعنی بعضؔ اہل علم نے حدیث نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ. تفسیر یوں کی ہے کہ مثلاً ایک شخص کہے کہ یہ کپڑا میں نے تمہارے ہاتھوں نقد دس روپیہ پر اور ادھار بیس روپیہ پر فروخت کیا، اور بائع اور مشتری جدائی سے پہلے کسی ایک بیع کا فیصلہ نہ کر سکیں یہ بیع اکثر اہل علم کے نزدیک فاسد ہے۔ فَإِذَا فَارَقَهُ عَلَى أَحَدِهِمَا فَلَا بَأْسَ إِذَا كَانَتِ الْعُقْدَةُ عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمَا) یعنی اگر جدائی سے پہلے ایک بیع کا فیصلہ ہو گیا تو کوئی حرج نہیں جبکہ بیع ایک صورت پر منعقد ہو چکی ہو نقد پر متعین ہو یا ادھار پر مزید تفصیلات کے لئے دیکھو تحفۃ الاحوذی جلد دوم ص ۲۳۶ (مؤلف)

تشریح مفید:۔ سوال ایک شخص اپنے مکان میں غلہ گندم رکھتا ہے اور وہی شخص یعنی اس کا مالک گندم کو نقد فی روپیہ ۲۵ سیر فروخت کرتا ہے۔ اور اگر مہلت پر بطور وقفہ کے دیوے تو فی روپیہ ۲۰ سیر دیتا ہے یہ بیع حلال ہے یا حرام بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بائع نقد کی صورت یا ادھار کی صورت کو متعین کر کے فروخت کرے تو بیع جائز ہے یعنی بائع بیچنے کے وقت خریدار سے کہے کہ میں تیرے ہاتھ غلہ کو نقد فی روپیہ ۲۵ سیر فروخت کرتا ہوں یا یوں کہے کہ اس غلہ کو ادھار فی روپیہ ۲۰ سیر فروخت کرتا ہوں تو یہ بیع جائز و درست ہے بِعُمُومِ الْأَدِلَّةِ الْقَاضِيَةِ بِجَوَازِهِ اور اگر نقد کی صورت یا ادھار کی صورت کو خاص اور متعین کر کے فروخت نہ کرے تو یہ بیع حرام و ناجائز ہے یعنی فروخت کے وقت یوں کہے اس غلہ کو تیرے ہاتھ نقد فی روپیہ ۲۵ سیر اور ادھار فی روپیہ ۲۰ سیر فروخت کرتا ہوں اور نقد کی صورت کو یا ادھار کی صورت کو خاص و متعین نہ کرے تو اس طرح کی بیع ناجائز ہے جامع ترمذی میں ہے:۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ أَنْ يَقُولَ أَبِيعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بِعَشَرَةٍ وَبِنَسِيئَةٍ بِعِشْرِينَ وَلَا يُفَارِقُهُ عَلَى أَحَدِ الْبَيْعَتَيْنِ فَإِذَا فَارَقَهُ عَلَى أَحَدِهِمَا فَلَا بَأْسَ إِذَا كَانَتِ الْعُقْدَةُ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمَا انتهى کتبہ علی احمد — سید محمد نذیر حسین

حدیث ابی ہریرۃ اخرجه ایضا احمد والنسائی وصححه الترمذی نیل الاوطار جلد ۵ ص ۱۲۰۔ ابوسعید محمد شرف الدین (فتاویٰ نذیریہ جلد ۲) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۳۶۱)

ؔ یہ بعض اہل علم کی اپنی رائے ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ (سعیدی)

توضیح :۔ سابق مفتی محترم نے خود تسلیم کیا ہے کہ حدیث بعتین کی تشریح میں کئی قول ہیں۔ معلوم ہوا یہ حدیث مشترک المعنی ہے اور لفظ مشترک المعنی کی جب تک دلیل کے ساتھ تعیین نہ ہو قابل حجت نہیں پھر یہ کہنا کہ جس صاحب کو قول پسند ہوتا ہے وہ اس پر نتائج مرتب لیتا ہے یہ بلا دلیل ہے، اگر یہ صحیح ہو جائے پھر تو ہر شخص کو آزادی ہے ہر کوئی اپنی مرضی کا قول اختیار کرے دوسرے مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ صورت مرقومہ کے منع پر کوئی آیت یا حدیث صاف دلالت نہیں کرتی اس لیے جائز معلوم ہوتا ہے گذارش یہ ہے کہ آیت ربا و حدیث كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا ۔ صورت مرقومہ کی حرمت پر دلیل ہے اکابر امت صحابہ کرام اور تابعین عظام بڑے بڑے تاجر تھے یہ صورت کسی سے بھی منقول نہیں بلکہ مقروض سے تو کسی قسم کا تحفہ یا عطیہ لینا بھی پسند نہیں کرتے تھے، جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ سے منقول ہے اور جہاں حلت اور حرمت میں اختلاف ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے، یہ متوخرین کے اقوال اور ان کا تعامل ہے جس پر کوئی دلیل ہذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(الراقم علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال)

سوال :۔ یہاں ساہو کار اور تجارت پیشہ ہندو مسلمان ہیں ان میں یہ رواج ہے کہ پارچہ ہو یا کریانہ یا غلہ وغیرہ ہوتی تبلا دہر یا ؤ نیم آلہ یا فی سینکڑہ ایک آنہ لیا کرتے ہیں، کہیں دو آنہ لیتے ہیں مختلف قسم ساہو کار دیول وغیرہ اور مسلمان خیرات و مساجد وغیرہ میں صرف کرتے ہیں اگر نہ دیں تو خرید و فروخت میں بحث ہوتی ہے۔ اور سودا ٹوٹ جاتا ہے ایسی صورت میں لینا دینا گناہ ہے یا نہیں؟

جواب :۔ ایسے معاملات کے متعلق عام اصول آیا ہے اَلْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِهِمْ جو شرط ہے جو بائع اور مشتری دونوں کو معلوم ہے لہٰذا جائز ہے۔ (اہلحدیث ۲۳/ ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۳۹۱)

رہن بیع اور اس میں رجوع کی غیر میعادی شرط

گروی نفع اٹھانے کے عدم جواز پر نئی دلیل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کا پانچ صد روپیہ قرضہ دینا تھا، جس وقت بکر نے زید کو کہا کہ تم میرا روپیہ ادا کرو، تو زید نے کہا کہ تم میری

زمین روپے کے عوض گروی کر لو جب میں روپے دوں گا، تب اپنی زمین لے لوں گا، تو بکر نے کہا کہ میں زمین گروی لینی حرام سمجھتا ہوں، اور میں عالم ہوں اس لیے میرا گروی لینا بالکل ناجائز ہے، نیز لوگ مجھے طعن وملامت کریں گے کہ عالم ہو کر لوگوں کو تو حرام تبلاتے ہیں اور خود گروی زمین رکھ لیتے ہیں اس لئے بہتر ہے کہ آپ زمین کو بیع کر دو، اور تم ہی اپنے قبضہ میں رکھو اور مجھ کو حصہ دیے چھوڑنا جب روپیہ تمہارے پاس ہوگا اس وقت میں زمین چھوڑ دوں گا، یعنی واپس دے دوں گا، اور اپنا روپیہ مبلغ پانچ صدلے لوں گا، اس شرط بیع فسخ سمجھ کر زید نے زمین بیع کر وادی، کیونکہ بکر شرط کر رہا ہے کہ جب روپیہ دو گے تو میں زمین چھوڑ دوں گا، اور بکر زید کا رشتہ دار ہے نیز عالم بھی ہے، اس لئے زید نے بیع نامہ کے وقت بیع نامہ میں شرط درج نہ کروائی اور نہ علیحدہ کسی کاغذ پر لکھائی، کیونکہ بکر رشتہ دار اور عالم ہے، سوچا کہ اگر میں نے اس کو یہ بات کہی تو ناراض ہوگا، اور کہے گا کہ تم میرا اعتبار نہیں کرتے ہم سے ناراض ہوگا قطع رحمی ہو جائے گی اور پھر یہ میری زمین بھی نہیں دے گا، اس لئے بکر کے زبانی کہنے کو معتبر سمجھا اور بکر کو بڑا امانت دار سمجھا اور اپنی زمین کو گروی ہی سمجھا کیوں کہ زمین زید کے قبضہ میں رہی جب تک بکر زندہ رہا زید کو کسی طرح کا خدشہ نہ ہوا۔ اور جس وقت زمین بیع کی، تو بکر نے اپنے نام درج نہ کرائی اور بکر کا حقیقی بیٹا عمرو جس کی عمر اس وقت ۱۲ سال کی تھی اس کے نام درج کرائی۔ لیکن جب بکر فوت ہوا تو اس وقت اس کی عمر چالیس سال ہو چکی تھی۔ اور عمرو کے سن بلوغت میں بھی بات چیت ہوتی رہی۔ کہ زمین چھوڑنے کی شرط کی ہوئی ہے، بکر چونکہ ملازم تھا اس لیے اپنے حقیقی بیٹے عمرو کے نام درج کرائی۔

بکر اس وقت فوت ہو چکا ہے، اور عمرو زندہ ہے، اب عمرو سے زید اپنی زمین لینی چاہتا ہے کہ تم اپنا روپیہ لے لو اور ہماری زمین چھوڑ دو، عمرو کہتا ہے کہ ہم نہیں چھوڑتے کیوں کہ ہم نے واپسی کی کوئی شرط نہیں کی، زید کہتا ہے، کہ اگر شرط نہیں تو ہم کو قسم دے دو، عمرو قسم سے انکاری ہے، اس لئے علمائے دین سے دریافت کرتا ہوں کہ اگر عمرو قسم سے انکاری ہو تو زمین زید کو عند الشرع مل سکتی ہے یا نہیں؟

جواب قرآن مجید و حدیث شریف سے ہو۔ بینوا توجروا۔ (مستفتی حاجی امام الدین ولد کرم بخش ساکن ددوہ)

الجواب:۔ حدیث میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس لونڈی بریرۃ آئی اور کہا کہ میں نے اپنے مالکوں سے کتابت کی ہے یعنی ان کو کہہ دیا ہے کہ اتنے سالوں میں اتنا روپیہ ادا کر کے آزاد ہو جاؤں گی،

تو میری امداد کر. حضرت عائشہ رضؓ نے کہا اگر تیرے مالک چاہیں تو میں تیرا سارا روپیہ یک مشت ادا کرکے خرید لوں۔ اور تجھے آزاد کردوں۔ بریرہؓ نے اپنے مالکوں سے پوچھا۔ تو انہوں نے کہا عائشہ بیشک خرید لے مگر تیرا "ولاء" ہمارے لیئے ہوگا (یعنی آزاد کرنے کی وجہ سے جو آزاد کردہ کو آزاد کرنے والے سے نسب کی طرح ایک متعلق پیدا ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے آزاد کردہ اور آزاد کرنے والے کے درمیان وراثت بھی جاری ہوجاتی ہے۔ وہ تعلق تیرا ہم سے رہے گا) بریرہؓ نے حضرت عائشہ رضؓ کو آ کر کہا کہ وہ اس شرط پر مجھے فروخت کرتے ہیں کہ وَلَاء کا تعلق ہم سے رہے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا میں اس شرط پر تمہیں نہیں خریدتی۔ اگر وَلَاء کا تعلق مجھ سے ہو تو میں خرید سکتی ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا پتہ لگا۔ تو حضرت عائشہ رضؓ کو فرمایا کہ تو خرید لے اور ان سے وَلَاء کی شرط کرلے جب سودا ہوگیا تو اس کے بعد آپ نے خطبہ میں منبر پر اس بات کی تردید کی۔ اور فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں۔ جو شرط کتاب اللہ میں نہ ہو خواہ وہ سو شرط ہو باطل ہے وَلَاء کا تعلق آزاد کرنے والے کا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شرط بیع میں خلافِ شریعت ہو اس کا اعتبار نہیں سوال کی صورت بھی اس قسم سے ہے اس میں جو شرط فسخ بیع کی لگائی گئی ہے۔ بالاتفاق باطل ہے، کیوں کہ یہ شرط خیار کی قسم سے نہیں ہوسکتی۔ وہ تو صرف اس غرض سے ہوتی ہے، کہ ذرا سوچ سمجھ لیا جائے، مثلاً ایک شے فروخت کی اور دو چار روز کی مہلت لے لی کہ میں سوچ سمجھ لوں، اگر بیع قائم رکھنی مناسب سمجھی تو قائم رکھوں گا ورنہ توڑ دوں گا اسی طرح خریدنے والا بھی شرط کرسکتا ہے، مگر سوال کی شرط تو اس قسم سے نہیں کیوں کہ یہ سوچنے کی شرط نہیں اور دوسری کوئی شرط جواز کی ہی نہیں بن سکتی۔ اس لیئے یہ باطل ہے۔ پس زید کا کوئی حق نہیں کہ عمرو سے زمین واپس لے۔

اس کے علاوہ اور سنیئے! موطا امام مالکؒ باب ما یفعل فی الولیدۃ اذا بیعت والشرط فیھا میں ہے۔ ان عبد اللہ ابن مسعود رضؓ ابتاع جاریۃ من امرأتہ زینب الثقفیۃ واشترطت علیہ انک ان بعتھا فھی لی بالثمن الذی تبیعھا بہ فسال عبد اللہ بن مسعودؓ عن ذالک عمر ابن الخطاب فقال لا تقربھا وفیھا شرط لاحد۔

یعنی عبد اللہ بن مسعودؓ نے اپنے بیوی سے ایک لونڈی خریدی۔ بیوی نے یہ شرط کی کہ اگر آپ اس کو کسی پر فروخت کریں، تو جتنی قیمت سے فروخت کریں اتنی ہی سے یہ میری ہوگی عبد اللہ بن مسعود نے اس

کی بابت حضرت عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا ایسے حال میں آپ لونڈی کے قریب نہ جائیں جب کہ اس میں کسی کے لئے شرط ہو۔"

اس لونڈی کی شرط سوال کی شرط سے بہت ہلکی ہے کیوں کہ سوال میں تو خرید کرنے والے کو مجبور کیا جاتا ہے، کہ وہ شئے واپس کرے، اس کو پاس رکھنے کا یا بیع کرنے کا یا ہبہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں برخلاف اس لونڈی کے کہ اس میں عبداللہ بن مسعودؓ کو پورے اختیارات دے دیئے گئے ہیں، خواہ پاس رکھیں یا ہبہ کریں یا فروخت کریں یا کسی اور قسم کا تصرف کریں، کوئی رکاوٹ نہیں صرف فروخت کرنے کی صورت میں اتنی شرط ہے کہ جتنے میں کسی اور کو دیں اتنے میں یہ بائع کی ہے مگر باوجود اس کے حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو اس لونڈی سے فائدہ اٹھانے سے منع کر دیا، جس کی وجہ یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کا اس لونڈی پر پورا قبضہ نہیں ہوا۔ پس سوال کی صورت میں اگر شرط کو قائم رکھا جائے تو بکر بطریق اولیٰ زمین سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا چونکہ بکر نے تصریح کی ہے کہ مجھے اس زمین کا حصہ دے چھوڑنا اور زید نے بھی اس بات کو منظور کر لیا، اور اس پر عمل درآمد کرتے ہوئے حصہ دیتا رہا۔ تو اب یہ شرط قائم نہیں رہ سکتی، کیونکہ دونوں کے عمل درآمد سے بیع مکمل ہو گئی۔

تنبیہ:۔ اس حدیث سے گروی شے سے فائدہ اٹھانا بھی ناجائز ثابت ہوا، کیونکہ جب بیع میں صرف ایک شرط ہونے کی صورت میں فائدہ اٹھانا جائز ہے، تو گروی جس میں شے بالکل مالک کی رہتی ہے، اس سے فائدہ اٹھانا کس طرح جائز ہوگا؟ اور بیع اس کو نہیں بنا سکتے کیوں کہ فریقین اس کو بیع نہیں بناتے۔ برخلاف سوال کی صورت کے کہ فریقین نے اس کو بیع بنایا اور بیع ہی لکھایا۔ اس لئے سوال کی صورت کو مروجہ گرو کا حکم نہیں دے سکتے، اور مروجہ گروی کا حکم گرو کا ہی رہے گا۔ اور اس سے فائدہ اٹھانا سود کے حکم میں ہوگا۔ (عبداللہ امرتسری روپڑی)

(اخبار تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۱۲ شمارہ ۲۶)

غیر آباد زمین

جو کسی کی ملکیت نہ ہو اگر اس کو کوئی آباد کرے تو کیا صرف لگنے سے اس کی ملکیت ثابت ہو جائے گی یا کوئی اور بھی شرط ہے؟ (حضرت العلام حافظ صاحب)

السلام علیکم ورحمتہ اللہ! براہ کرم حسب ذیل مسئلہ کا جواب تنظیم اہلحدیث میں شائع فرمائیں۔

سوال:۔ ہمارے گاؤں کے ارد گرد ڈشٹڈر (یعنی خالی زمین کے ٹکڑے تھے، سرکار انہیں فروخت

نہیں کرتی تھی، جنگ عالمگیر (یعنی برطانیہ اور جرمنی کے درمیان جنگ) شروع ہوئی تو گورنمنٹ انگلشیہ نے جنگ کے لئے اناج زیادہ پیدا کرنے کی سکیم پر عمل کرتے ہوئے اراضی مذکور کاشت کے لئے تقسیم کی زمیندار ایک پرچی پر فی ایکڑ کے حساب سے کچھ رقم لکھ کر گورنمنٹ کو پیش کرتے، جس کی قیمت فی ایکڑ زیادہ ہوتی، گورنمنٹ اس کے نام ٹنڈر تقسیم کر دیتی، اور باقی محروم رہ جاتے، سرکار جو زمین اسے دیتی، اس کی رقم پیشگی (جو اس نے پرچی پر لکھی ہوتی) وصول کر لیتی۔ لگان اراضی در آبیانہ مطالبہ اس کے علاوہ ہوتا۔

ہم بستی والوں نے اس طرح کچھ زمین (برائے خرچ مدرسہ خادم القرآن والحدیث) ٹنڈر سرکار سے حاصل کر کے اس کو آباد کیا۔ اراضی چند اشخاص کے نام ہوتی جس کی تمام آمدنی وہ درس کے لئے دے دیتے، پہلی رقم اور دو لگان اراضی وغیرہ مدرسہ ہی ادا کرتا، یہ اس لئے کیا گیا کہ سرکار مدرسہ کے نام زمین آباد کرنے کے لئے نہیں دیتی تھی۔ آٹھ دس سال اسی طرح عمل ہوتا رہا پھر پاکستان بننے کے بعد بھی ایسا ہی عمل رہا اب گورنمنٹ پاکستان نے اعلان کیا کہ تمام ٹنڈر مہاجرین کے لئے تقسیم کئے جائیں، چنانچہ تمام ٹنڈر مہاجرین کو تقسیم کر دیئے گئے۔

اب بعض علماء کہتے ہیں کہ زمین غیر آباد کو مدرسہ نے آباد کرایا ہے، اس لئے سرکار کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ کسی مہاجر وغیرہ کو تقسیم کرے، کیونکہ جو زمین غیر آباد کو آباد کرے وہ اسی کی ہے اب جو اس پر قبضہ کرے گا، وہ شخص مدرسہ کے حق کا غاصب شمار ہوگا۔

بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ کا حق ہے جس کسی کو دے اسی کو حلال ہے، اگرچہ درس کے قبضہ کو آٹھ دس سال گذر چکے ہیں۔

ان دونوں میں کون حق پر ہے، جواب مفصل اور با دلائل لکھیں، بینوا توجروا۔

(سائلان۔ محمد باقر مہتمم مدرسہ خادم القرآن والحدیث واہل دیہہ چک ۲۲۴ گ ب جھوک داد و ڈاک خانہ تاندلیانوالہ تحصیل سمندری ضلع فیصل آباد) ۱۲ جج

الجواب بعون الوہاب۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم (میاں محمد باقر صاحب)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آپ کا سوال عرصہ سے آیا ہوا ہے۔ لیکن کاغذات میں کہیں گم ہو گیا تھا، اتفاق سے اب ملا۔ لیکن تاخیر ہو جانے سے مسئلہ کی حیثیت نہیں بدلتی اس لئے ہمارا فرض ہے کہ مسئلہ کو واضح کر دیں، کوئی عمل کرے یا نہ کرے، جو عمل نہیں کرے گا بوجھ اس پر رہے گا، ہم بری الذمہ ہیں۔

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمدؒ اور اہلحدیث کہتے ہیں کہ اذن امام کی ضرورت نہیں، بے آباد زمین کو جو آباد کرے، اس کا حق ہے خواہ آبادی سے نزدیک ہو یا دور اور امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ اذن امام شرط ہے خواہ دور ہو یا نزدیک اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ نزدیک کے لیئے اذن امام شرط ہے نہ دور کے لیئے۔

دلیل ۱ مذہب اوّل!

عن عائشۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من عمر ارضا لیست لاحد فھو احق قال عروۃ تضیٰ بہ عمر فی خلافتہ۔

(رواہ البخاری مشکوٰۃ باب احیاء الاموات والشرب ص ۲۵۹)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو غیر زمین کو آباد کرے (جو کسی کے ملک میں نہیں ہے) بس وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

دلیل ۲ مذہب ثانی (جو علامہ عینی نے پیش کی ہے)

عن ابن عباس، ان لصعب بن جثامۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا حِمَا الا للہ والرسولہ۔ (رواہ البخاری حوالہ مذکور)۔

صعب بن جثامہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ چراگاہ نہیں ہے مگر اللہ ورسول کے لیئے۔

قال فی اللمعات لابی حنیفۃ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس للمرء الا ما طاب بہ نفس امامہ۔

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ ابو حنیفہ کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ مرد کے لیئے وہی چیز ہے جس کے ساتھ ان کے امام کا دل خوش ہو اسی طرح ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے (مرقاۃ ج ۳ ص ۳۶۶)

دلیل ۳ مذہب ثالث:۔

ان کی دلیل وہی ہے جو مذہب اول کی ہے صرف حدیث کے معنی میں انہوں نے کچھ تاویل کی ہے (زرقانی جلد ۲ ص ۲۹ میں ہے)۔

قال مالک معنے الحدیث فی ضیافی الارض امابعد من العمران فان قرب فلا یجوز احیاء ھا الا باذن الامام۔

یعنی معنی حدیث کا یہ ہے کہ جنگلات کی زمین اور جو آبادی سے دُور ہے، اس کے آباد کرنیوالا اس کا حقدار ہے اور جو آبادی کے قریب ہے اس کا آباد کرنا اذن امام کے بغیر جائز نہیں، امام مالکؒ کا مطلب یہ ہے کہ جو آبادی کے قریب ہے اس کے ساتھ بعض موقعہ پر عام مسلمانوں کے مصالح والبتہ ہوتے ہیں اس لیئے اس میں اذن امام کی ضرورت ہے جیسے امام کو عام مسلمانوں کے لیئے چراگاہ بنانی ہو یا چھاؤنی کی ضرورت ہو، اس قسم کی ضروریات کے لئے نزدیک کی زمین کسی مسلمان کو اپنے مفاد کے لیئے آباد کرنے کا حق نہیں، کیونکہ اس میں عام مسلمانوں کا نقصان ہے۔

فیصلہ :-

امام شافعیؒ فرماتے ہیں جب شرع سے اذن ہو چکا تو پھر امام سے اذن لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اصل امام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بس ان کا فیصلہ کافی ہے۔ امام زرقانیؒ امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کر کے فرماتے ہیں، اصل نزاع اس میں ہے کہ حدیث من عمر ارضا یا من احیا ارضا یہ حکم ہے یا فتویٰ ہے اگر حکم ہو تو اذن ضروری ہے، کیونکہ حکم اپنے محل پر بندر ہتا ہے (یعنی جن لوگوں کے حق میں آپ نے یہ فیصلہ دیا ہے بحیثیت حاکم وقت اور بادشاہ ہونے کے ان کے حق میں اذن ہو گیا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسروں کے لئے بھی اذن ہو جائے اور اگر فتویٰ ہو تو فتویٰ عام ہوتا ہے جس کی حیثیت عام مسئلہ کی ہوتی ہے، جو موجودہ لوگوں کے علاوہ قیامت تک سب لوگوں کے لئے یکساں ہے جیسے شریعت کے عام مسائل ہوتے ہیں۔ اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ شرع نے ایک اصول مقرر کر دیا ہے کہ جو بھی غیر آباد زمین کو آباد کرے وہ اس کا مالک ہے جیسا یہ اصول مقرر ہے کہ کوئی شخص کوئی چیز خریدے تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے یا نہر سے پانی کی مشک بھرے یا کنوئیں سے پانی لے یا بارش کا پانی جو اوپر سے آتا ہو جس کا کھیت پہلے آئے گا، وہ اس کا پہلے حقدار ہو گا کہ اپنا کھیت پہلے بھر لے۔

اس قسم کی صورتوں میں اذن امام کی ضرورت نہیں ہے، ایسے ہی شرع نے ایک اصول مقرر کر دیا ہے کہ جو شخص غیر آباد زمین کو آباد کرے وہ اس کا حق دار ہے اس میں بھی اذن امام کی ضرورت نہیں، جمہور علماء

نے اس حدیث کو فتویٰ کی صورت دی ہے، اور امام ابو حنیفہؒ نے اس کو حکم کی صورت دی ہے جو خاص لوگوں کے حق میں بطور فیصلہ حاکمِ وقت کی طرف سے ہوتا ہے۔

لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ حدیث کے الفاظ عام ہیں ان کو خاص لوگوں کے حق میں فیصلہ بنانا بغیر کسی دلیل کے جائز نہیں۔

علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں حدیث لا حِمیٰ الا للّٰہ ولرسولہ اس کی دلیل پیش کی ہے اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور ملا علی قاری نے حدیث لیس للمرء الا ما طاب بہ نفس امامہ پیش کی ہے، لیکن علامہ عینیؒ نے جو حدیث پیش کی ہے، وہ اگرچہ صحیح ہے لیکن اس سے استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ غیر امام کے لئے چراگاہ کی نفی کرتی ہے، نہ اس بات کی کہ کوئی زمین آباد کرلے تو اس کا حق نہیں، جب حدیث سے ثابت ہوگیا تو ایسا ہوگیا جیسے دوسرے لوگ زمینوں کے مالک ہیں خواہ خریدنے سے ہبہ سے یا میراث وغیرہ سے، جیسے ان کی ملکیت میں بادشاہ دخل دے کر چراگاہ نہیں بنا سکتا ایسے ہی وہ اس آباد کرنے والے کی زمین میں بھی دخل نہیں دے سکتا۔

بہر صورت علامہ عینیؒ کی دلیل صحیح نہیں۔

رہی دوسری حدیث لیس للمرء، تو اس کا نہ کوئی حوالہ ہے، نہ اس کی کوئی سند کا پتہ ہے، اس کے علاوہ اگر یہ حدیث عام لی جائے تو نکاح طلاق وغیرہ کے مسائل میں بھی حکومت کا دخل ہو جائے گا۔ جب تک حکومت کی اجازت نہ ہو نہ نکاح ہو سکے گا، نہ طلاق ہو سکے گی، بلکہ موجودہ حکومت کے عائلی قوانین سب صحیح ہو جائیں گے، حالانکہ علماء متفق ہیں کہ حکومت کی یہ مداخلت شرع میں جائز نہیں، بس پہلا مذہب درست ہے اور اس کی تائید حضرت عمرؓ کے فیصلہ سے بھی ہوتی ہے جو ذکر ہو چکا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری ج ۵ ص ۱۲ میں اس کا سبب یہ لکھا ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ زمین پر منڈیر (وٹیں) بنا کر قبضہ کرتے، حضرت عمرؓ نے اس موقعہ پر فرمایا کہ:۔

جب تک اس کو آباد نہ کیا جائے، خواہ عمارت بنائی جائے یا کھیتی بوئی جائے یا باغ لگایا جائے۔ ملکیت کا حق نہیں ہوتا۔

یہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس حدیث کو فتویٰ قرار دیا ہے۔

امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ قریب والی زمین اس حدیث میں شامل نہیں۔ یہ قیاس ہے حدیث عام ہے۔ ہاں جو بالکل نزدیک ہو جس کو آبادی والے استعمال کرتے ہیں، مثلاً ان کے مال مویشی وہاں ٹھہرتے ہیں اور لوگوں کے عام طور پر وہاں اجتماعات عیدین، جنازہ وغیرہ ہوتے ہیں جس کو آبادی کی سطح یا بنجر زمین کہتے ہیں، اس کو آباد کرنے کا کسی کو حق نہیں، حدیث کے الفاظ لیست لاحد میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ یہ زمین آبادی سے متصل ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی ہے، جو وہاں آباد ہیں جیسے کنوئیں کا صحن ہوتا ہے یا کنوئیں کے گردونواح چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جو کنواں کھودے، اس کے گردونواح چالیس ہاتھ اس کا حق ہے۔

امام زرقانی نے ایک حدیث اور بھی نقل کی ہے جو اس مسئلے میں صاف ہے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

وبهادى ابن عبد البر والبيهقى وابن الجارود من طريق الزهرى عن عروة عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم العباد عباد الله و البلاد بلاد الله فمن حيا من موات الارض شيئًا فهوله۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب بندے اللہ کے بندے ہیں اور سب شہر اللہ کے شہر ہیں، پس جو غیر آباد زمین کو آباد کرے پس وہ اسی کی ہے۔

اس حدیث میں صاف فیصلہ ہے کہ اس میں اذن امام کی ضرورت نہیں کیونکہ زمین کا حق صرف اللہ کے بندے ہونے کی وجہ سے دیا گیا ہے، اگر امام کا دخل ہو تو پھر رعیت ہونے کا دخل ہو جاتا ہے جو اس حدیث کے خلاف ہے اسی بنا پر عروہ تابعی حضرت عائشہؓ کے بھانجے بڑے زور دار الفاظ میں فرماتے ہیں، جیسا کہ ابو داؤد نے روایت کیا ہے:۔

عن عروة قال اشهد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى ان الارض لله والعباد عباد الله فمن احيا مواتا فهو احق به جاءنا بهذا عن النبى صلى الله عليه وسلم الذين جاؤا بالصلوٰة عنه۔ (زرقانی جلد ۴ ص۲۹)

میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

"زمین بھی اللہ کی ہے، اور بندے بھی اللہ کے ہیں اور جو مردہ زمین آباد کرے۔ وہ اس کا حقدار زیادہ ہے۔"

ہمارے نزدیک یہ حدیث وہ لوگ لائے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک
نماز پہنچائی۔
پس صحیح فیصلہ سوال مذکور کے متعلق یہی ہے کہ زمین مدرسہ کی ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ زمین
مدرسہ کے حوالے کر دے اور مہاجرین کو کسی اور جگہ آباد کرے۔

(تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۱۶ شمارہ ۲۵)

سوال:۔ زید نے بکر سے برائے کاشت کچھ اراضی ٹھیکہ پر لینی کی۔ رقم میں سے مبلغ دو ہزار روپیہ نقد ادا کر دیا۔ اور باقی ٹھیکہ کی رقم مبلغ آٹھ ہزار روپیہ چند ایام تک ادا کر کے زمین کا قبضہ لینے کا وعدہ کیا، اور ساتھ ہی فریقین کے درمیان یہ طے پایا کہ اگر زید وعدہ کے مطابق مبلغ آٹھ ہزار روپیہ ادا کر کے بروقت زمین پر قابض نہ ہوا تو ادا کردہ مبلغ دو ہزار روپیہ واپس لینے کا حقدار نہیں ہوگا، اور اگر بکر نے زمین کا قبضہ نہ دیا تو وہ مبلغ دس ہزار روپیہ واپس لینے کا حقدار نہیں ہوگا، اور اگر بکر نے زمین کا قبضہ نہ دیا تو وہ مبلغ دس ہزار روپیہ زید کو ادا کرے گا، زید نے بقایا رقم مبلغ آٹھ ہزار روپیہ ادا کر کے زمین پر قبضہ نہیں کیا، بلکہ الٹا ناجائز طور پر پولیس وغیرہ کے ذریعہ بکر سے مبلغ دس ہزار روپیہ وصول کرنے کی کوشش کی، مگر کامیاب نہ ہوا۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ زید کے ٹھیکہ سے فرار اور کاشت کا وقت گزر جانے کی وجہ سے بکر کا مبلغ دو ہزار روپیہ سے کہیں زیادہ مالی نقصان ہو گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اندریں صورت زید مبلغ دو ہزار روپیہ پیشگی والا بکر سے واپس لینے کا حقدار ہے یا نہیں؟

(سائل مولوی محمد عبداللہ چک ۲۰۳/ٹی ڈی اے تحصیل لیہ ضلع مظفر گڑھ)

جواب:۔ رقم کے متعلق جو طرفین نے عدم ادائیگی کی صورت میں ایک دوسرے پر تاوان ڈالا ہے، یہ جوئے کی صورت ہے، یہ جائز نہیں بلکہ حرام ہے، قرآن مجید میں ہے:۔

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ۔ (مائدہ)

شراب، جوا، غیر اللہ کی پرستش کے مقامات، اور فال ڈالنے کے تیر، یہ گندگی اور شیطانی کام ہیں اس سے بچو!

اب ہر دو فریق کو توبہ کرنی چاہیئے۔ اور آئندہ ایسا کام نہیں کرنا چاہیئے۔

(اخبار اہلحدیث لاہور جلد ۲ شمارہ ۲۵)

سوال: تراویح میں قرآن مجید ختم کرتے وقت اکثر حافظ تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھتے ہیں، اور انیسویں رکعت میں سورۂ ناس تک ختم کر کے بیسویں رکعت میں پھر قرآن مجید الم سے شروع کر کے مفلحون تک پڑھتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: صحیح حدیث سے تراویح بیس رکعت پڑھنے کا ثبوت نہیں ہے اور نہ ۱۹ ویں اور ۲۰ ویں رکعت میں اس طرح سے سورۂ اخلاص وغیرہ پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے، البتہ ترمذی شریف کی اس روایت سے بعض لوگوں نے اس پر استدلال کیا ہے جو صحیح نہیں ہے، عن ابن عباس قال رجل یا رسول اللہ ای العمل احب الی اللہ قال الحال المرتحل علامہ عبد الرحمن مبارکپوری تحفۃ الاحوذی جلد الرابع ص۶۲ میں فرماتے ہیں الحال والمرتحل۔ قال الجزری وھو الذی یختم القرآن بتلاوتہ ثم یفتتح التلاوۃ من اولہ شبھہ بالمسافر یبلغ المنزل فیحل فیہ ثم یفتتح سیرہ ای یبتدئہ وکذلک قراء اھل مکۃ اذا ختموا القرآن ابتدؤا اقراءۃ الفاتحۃ وخمس آیات من البقرۃ من اولہ الی۔ اولئک ھم المفلحون ثم یقطعون القراءۃ ویسمون وفاعل ذلک حال المرتحل الی ختم القرآن وابتداء باولہ ولم یفصل بینھما بزمان وقیل اراد بالحال المرتحل الغازی الذی لا یقفل عن غزوۃ الا عقبہ باخری انتہی۔ وقال ابن القیم فی الاعلام بعد ذکر ھذا الحدیث ما لفظہ فھم من ھذا بعضھم انہ اذا فرغ من ختم القرآن قرأ فاتحۃ الکتاب وثلاث آیات من اول سورۃ بقرۃ لانہ حل بالفراغ وارتحل بالشروع وھذا لم یفعلہ احد من الصحابۃ ولا التابعین ولا استحسنہ احد من الائمۃ والمراد بالحدیث الذی کلما حل من غزاۃ ارتحل فی اخری وکلما حل من عمل ارتحل الی غیرہ کلما ارتحل وھذا لہ معنیان احدھا انہ کلما حل من سورۃ اوجزء ارتحل فی غیرہ والثانی انہ کلما حل من ختمہ ارتحل فی اخری انتہی۔

قلت قد وقع فی بعض النسخ الترمذی التفسیر الذی اشار الیہ ابن القیم متصلاً بھذا الحدیث بلفظ قال وما الحال والمرتحل قال الذی یضرب من اول القرآن الی آخرہ کلما حل ارتحل وحدیث ابن عباس ھذا رواہ محمد بن نصر فی قیام اللیل بلفظ قام رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ای العمل افضل او قال ای العمل احب الی اللہ قال الحال والمرتحل۔ قال یا رسول اللہ الحال والمرتحل ختم القرآن وختمہ من اولہ الی آخرہ ومن آخرہ الی

اولہ کلما حل او تحمل قال بعض العلماء المقصود من الحدیث ای السیر دائما لا یشعر کما یشعر بہ کلمۃ من اولہ الی اٰخرہ ومن اٰخرہ الی اولہ فقام ای خمس ایات ونحوھا عند الختم لم یحصل تلک الفضیلۃ ولیس المراد الارتحال بطوی المحلول فالمسافر السائر لا بد ان ینزل فیقوم لیلۃ اور بعض لیلۃ او بعض یوم ایوبعہ س وانتھٰی) قلت الامر عندی کما قال واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۳ شمارہ ۱۷)

سوال: زید اپنی زمین بکر کے یہاں گرو رکھ کر حسب لیاقت زمین روپیہ لیتا ہے، اور یہ وعدہ کرتا ہے کہ جب تک میں آپ کا روپیہ نہ ادا کروں، اس وقت تک آپ میری زمین اپنی کاشت میں لاویں اور جب میں روپیہ آپ کا کل ادا کروں، اس وقت آپ میری زمین چھوڑ دیویں، حسب وعدہ زید کو بکر روپیہ دے کر اس کی زمین لے لیتا ہے اور خود جوت بو کر فصل تیار ہونے کے بعد سب غلہ لے لیتا ہے لیکن بکر زید کو موجودہ سرکاری ریٹ کے مطابق لگان بھی ادا کرتا ہے جو کہ بازاری ریٹ سے کم ہے تو اس شکل میں بکر کا زید کے کھیت کا کل غلہ لینا سود میں شمار ہے یا نہیں؟

جواب: مرہونہ چیز سے فائدہ اٹھانے یا نہ اٹھانے کے بارے میں علماء کا بہت بڑا اختلاف ہے بعض کے نزدیک مطلقاً ناجائز اور سود کے حکم میں داخل ہے اور بعض کے نزدیک مطلقاً جائز ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جتنا خرچ کرتا ہے اپنی خرچ کی ہوئی مقدار کے موافق اس سے لے سکتا ہے اور جو زیادہ ہو مالک کو واپس کر دے، فتاویٰ نذیریہ جلد ثانی کتاب الرہن میں اس قسم کے سوالات کے جوابات میں یہ لکھا ہوا ہے۔

کہ شے مرہونہ سے نفع اٹھانے کے بارے میں احادیث سے دو باتیں ثابت ہیں ایک تو یہ کہ سواری اور دودھ کے جانور مرہون سے بمقابلہ اس کے نفقہ کے مرتہن کو نفع اٹھانا جائز ہے یعنی جب سواری کا کوئی جانور یا دودھ کا کوئی جانور مرہون ہو اور اس کے دانہ گھاس وغیرہ کا خرچہ مرتہن کے ذمہ ہو تو مرتہن کو جائز ہے کہ بقدر اپنے خرچہ کے سواری کے مرہون جانور پر سواری کرے اور دودھ کے جانور مرہون کا دودھ پیئے اور اس کو اپنے خرچہ سے زیادہ نفع اٹھانا جائز نہیں، مثلاً گائے مرہون پر مرتہن کا روزانہ دو آنہ خرچ ہوتا ہے اور گائے روزانہ چار آنہ کا دودھ دیتی ہے تو اس کو صرف بقدر دو آنہ کے دودھ پینا جائز ہے اور باقی دو آنہ کا دودھ راہن کا ہے اور مرتہن کو اس باقی دودھ کا

پینا جائز نہیں، اگر اس کو پئے گا تو سود میں داخل ہوگا۔ صحیح بخاری میں ہے، عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الظهر يركب بنفقته اذا كان مرهونا ولبن الدر يشرب بنفقته اذا كان مرهونا وعلى الذي يركب ويشرب النفقة ۔

و نیز صحیح بخاری میں ہے۔ قال المغيرة عن ابراهيم تركب الضالة بقدر علفها وتحلب بقدر علفها والرهن مثله قال الحافظ في الفتح حوله والرهن مثله اى في الحكم المذكور وقد وصله سعيد بن منصور بالاسناد المذكور ولفظه الدابة اذا كانت مرهونة تركب بقدر علفها واذا كان لبن يشرب بقدر علفها ورواه حماد ابن سلمه في جامعه عن حماد بن ابي سليمان عن ابراهيم بالوضح من هذا ولفظه اذا ارتهن شاة شرب المرتهن من لبنها بقدر ثمن علفها فان استفضل من اللبن بعد ثمن العلف فهو ربا انتهى ۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ سوائے سواری اور دودھ کے جانور کے اور کسی اور شئے مرہون سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ اس کی ممانعت ثابت ہے

منتقی میں ہے، عن ابی هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا يغلق الرهن من صاحبه الذي رهنه له غنمه وعليه غرمه رواه الدار قطني وقال هذا اسناد حسن متصل قال في نيل الاوطار قوله له غنمه وعليه غرمه فيه دليل المذهب الجمهور المتقدم (وقال في ما تقدم قال الشافعي وابو حنيفة ومالك وجمهور العلماء لا ينتفع المرتهن من الرهن شئ بل الفوائد للراهن والمؤن عليه) لان الشارع قد جعل الغنم والغرم للراهن انتهى ۔

پس جب احادیث سے یہ دونوں باتیں ثابت ہیں تو معلوم ہوا کہ زمین مرہونہ سے مرتہن کو نفع اٹھانا جائز نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ زمین مرہونہ کا قیاس سواری کے جانور اور دودھ کے جانور پر صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

سوال:۔ حامد اپنی بھینس محمود کے یہاں گرو رکھ کر کچھ روپیہ حاصل کرتا ہے اور محمود اس کی بھینس گو لینے کے بعد کھلاتا پلاتا ہے اور بھینس کا کل دودھ وگوبر اپنے مصرف میں لاتا ہے جب حامد کے پاس روپیہ ہو جاتا ہے تو وہ جملہ مطالبہ محمود کو ادا کر کے اپنی بھینس واپس لے لیتا ہے،

تو ایسی شکل میں بھینس کا دودھ اور گوبر محمود کے لئے سود میں شمار ہوگا، یا نہیں اور اگر بھینس حامد کے چھڑانے سے پہلے محمود کے یہاں کسی بیماری یا سانپ وغیرہ کاٹ لینے سے مرجائے محمود حامد کا مسئلہ کیسے حل ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ جو حکم زمین کا ہے وہی حکم جانوروں کا بھی ہے خرچہ سے زیادہ نفع لینا سود ہے بعض حدیثوں میں ہے کل قرض جر نفعۃ فہو ربٰا۔ یہ رہن امانت کے طور پر رکھا جاتا ہے ہلاک ہونے کی صورت میں مالک کا ہلاک ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب (مولانا عبدالسلام بستوی)

(اہلحدیث دہلی جلد ۱۲ شمارہ ۱۷)

سوال:۔ جس جگہ پر تقریباً بیس سال مسجد بنا کر نماز باجماعت پڑھی گئی ہو اس جگہ کو فروخت کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جس جگہ کو مسجد بنایا گیا ہے، اس کو کسی وقت بھی فروخت نہیں کیا جا سکتا، خواہ وہاں مسجد کا نام و نشان مٹ چکا ہو۔ کیونکہ مسجد اللہ کا گھر اور اللہ کی ملکیت ہے، کوئی شخص جب کسی دوسرے کی ملکیت کو فروخت نہیں کر سکتا ہے تو اللہ کے گھر کو کیونکر فروخت کر سکتا ہے قرآن پاک میں ہے:۔

اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ۔ مسجد اللہ کی ملکیت ہے۔

نیز مسجد وقف جگہ ہے۔ الوقف لا یملک (وقف جگہ کسی شخص کی ملکیت نہیں ہوتی، بلکہ اللہ کی ملکیت ہوتی ہے) لہٰذا اس کو فروخت کرنا درست نہیں۔

آئمہ فقہاء کا بھی مسلک یہی ہے، جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔ چنانچہ فتاویٰ الحامدیۃ از ابن عابدین میں ہے۔ وبیع الوقف لا یصح (وقف شدہ جگہ کو بیچنا منع ہے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔ (ابو ذوق قدرت اللہ فوق مدرس جامعہ سلفیہ)

(اہلحدیث لاہور جلد ۷ شمارہ ۲)

توضیح المرام:۔ مفتی صاحب کے اس فتویٰ میں نظر ہے کیونکہ بَیْعُ الْوَقْفِ لَا یَصِحُّ۔ فتاویٰ حمادیہ وغیرہ عبارت قابل تفصیل ہے۔ وقف چیز کو فروخت کرنے، ممانعت سے وہ صورت مراد ہے جو اپنی غرض کے لئے فروخت کی جائے ورنہ کوئی ممانعت کی دلیل نہیں ہے۔ دیکھئے قربانی کی

کھال غربا اور مساکین کا حق ہے اور ان کے لئے وقف ہے۔ غربا اور مساکین کو کھال دے دی جائے تو وہ اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے ارزاں قیمت پر فروخت کر دیں گے۔ بعض دفعہ نصف قیمت کا فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح یتیم اور کم عقل بچوں کا حال ہے۔

قرآن مجید میں ہے:۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۞ وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ الخ۔ دیکھئے ان آیات میں سفہا، اور یتیمی کے مال میں متولی کو تمام قسم کے تصرفات کا حق حاصل ہے۔ اگر اس میں مال خرید و فروخت نہ کی اور ان کے مال میں ایسا تصرف نہ کیا جائے جس میں مال بڑھتا ہے تو چند یوم میں برباد ہو جائیگا کوئی بوڑھا ہو کر ضائع ہو جائے گا۔ کسی کو دیمک کھا جائیگی تو ان کا مال چند سالوں میں ختم ہو جائیگا۔ یہ ہی حال وقف مال کا ہے، اگر وقف مال میں خرید و فروخت نہ کی جائے، تو چند سالوں میں موقوف مال بھی ختم ہو جائیگا۔ مثلاً کسی نے مدرسہ، مسجد یا رفاہ عامہ کے لئے کوئی کارخانہ یا بس وقف کی، اور وہ بوسیدہ ہو کر بے کار ہو جائیں، اگر اس سامان کو فروخت کر کے اور مال مال خرید کر موقوف کے کھاتہ میں جمع کیا جائے۔ تو اس میں کیا قباحت ہے مسجد کا تیل، بالا، شہتیر وغیرہ بوسیدہ اور لاضرورت کو فروخت کیے[1] اسی مسجد یا مسجد متولیوں کی اجازت سے کسی دوسری مسجد پر تصرف کیا جائے، تو اس میں کیا ممانعت ہے۔

یہی حال مسجد کی زمین کا ہے۔ حدیث میں آیا ہے:۔ جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا ادائیگی نماز کے لحاظ سے تمام زمین مسجد ہے۔ اور اسکا مالک بھی اللہ کا ہے جس میں خرید و فروخت ہو رہی ہے، اور ایک مسجد عرف کے لحاظ سے جو مسلمانوں کی اصطلاح میں مسجد کہلاتی ہے، ایسی مسجد اس وقت تک مسجد ہے جب تک اس کی ضرورت ہے یا اس کے نشان باقی ہیں اگر اس کے گرد سے آبادی ختم ہو چکی ہے، یا وہ مسجد تنگ ہے فراخی کا کوئی امکان نہیں تو اس کی زمین اور سامان کو فروخت کر کے کسی مناسب اور وسیع جگہ میں مسجد تیار کی جائے، جہاں ضرورت ہو تو اس میں کیا قباحت ہے۔

---

[1] ہاں اگر کسی نص صریح سے ثابت ہو جائے کہ مسجد کا سامان وغیرہ فروخت کرنا منع ہے، تو پھر جائز نہیں۔ (سعیدی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ کوفہ کی تنگ مسجد گرا کر حکومت کی ضرورت میں لے آئے، اور اس کے بدلے وسیع میدان میں مسجد تیار کی گئی۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم

(ابوالحسنات علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال پاکستان)

وقف شدہ مکان کا فروخت کرنا

سوال:۔ ایک شخص نے مکان وقف کیا وہ کسی کام میں نہیں آرہا۔ کیونکہ جس مسجد کے لئے وقف کیا گیا ہے، وہ دور ہے اور امام کے لئے مکان الگ موجود ہے، کیا اُسے فروخت کرکے مسجد کی مرمت وتعمیر میں رقم صَرف کی جاسکتی ہے؟

جواب:۔ اگر مسجد کی کمیٹی مسجد کے مفاد میں یہ فیصلہ کرے تو جائز ہے جب کہ وقف جگہ کسی اور مصرف میں نہیں آرہی بہتر تو یہی ہے کہ وقف شدہ جگہ کو مسجد کی کسی ضرورت کے لئے باقی رکھا جائے لیکن اگر مسجد کی تعمیری ضروریات زیادہ اہم ہیں تو نمازی مسجد مسجد کے مفاد میں کوئی بھی فیصلہ بالاتفاق کرسکتے ہیں۔

اصل معاملہ مسجد کا مفاد اور وقف شدہ جگہ کا بہتر مصرف کرنے کا ہے۔

پروفیسر عبدالحکیم سیف

ناظم اعلیٰ جامعہ محمدیہ قدوسیہ کوٹ

(دادھا کشن: قصور)

(الحدیث لاہور جلد ۷ شمارہ ۲۶)

سوال:۔ درج ذیل صورت میں اسلام کیا ہدایت دیتا ہے۔ وضاحت فرمائیں؟

سائل نے اپنی زمین ٹھیکہ پر دے رکھی تھی، اور اس کی میعاد ۱۹۷۳ء میں ختم ہونا تھی لیکن چند وجوہات کی بناپر سائل نے زمین فروخت کرنا چاہی۔ تو ایک آدمی نے اڑھائی ہزار روپیہ ایکڑ زمین خریدنے کی

پیش کش کی، اور سائل نے اس سے بیعانہ لے کر زمین کی رجسٹری کی تاریخ طے کر لی۔

لیکن ایک آدمی جو کہ بڑی معیشت کا مالک تھا اس نے زمین خریدنے والے کو دباؤ کے ذریعے سودے سے منحرف کر دیا۔ اور بندہ کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہی زمین دو ہزار روپے کلہ میں خرید لی، اور پھر چار سال قبل از میعاد زبردستی زمین کا قبضہ لے لیا۔ اور سائل کی زمین کی رقم سے ایک ہزار روپیہ ضبط کر لیا۔

اس تحریر کی روشنی میں اسلام کی رو سے فتویٰ صادر کریں، کہ آیا یہ بیع جائز ہے یا ناجائز اور اگر جائز تھی تو کیوں کر؟ (المستفتی خدا بخش لائلپوری)

جواب:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سوال میں جس دوسرے مشتری کا ذکر ہے ان کا طریقہ عمل شریعت کے برخلاف ہے۔ کیونکہ مالک زمین کا اپنی زمین کو ایک آدمی کے نام فروخت کرنے کے بعد دوسرے آدمی کی یہ دخل اندازی قرآن واحادیث کے خلاف ہے، اور دوسرے آدمی کا قبضہ مالک کی اجازت کے بغیر ناجائز ہے، مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مال پر بغیر رضامندی کے قبضہ کرنا قرآن واحادیث کے بالکل خلاف ہے اور ظلم ہے اس شخص کو چاہئے کہ اس زمین کو واپس کر دیں، یا مالک کو اور پہلے خریدار کو راضی کریں۔ (راقم ابوالبرکات احمد جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ۔ ۴ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ)

(العبد حافظ محمد گوندلوی ۱۳۹۳ھ ربیع الاول)

ھذا البیع لا یجوز لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یبیع بعضکم علی بیع بعض وفی روایۃ علی بیع اخیہ الا اذا کان بکو شریکا لزید واراد ان یشفع فلہ ذلک۔ واللہ اعلم. علی مشرف العمری

یعنی یہ بیع جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی کسی کے (اور ایک روایت میں "اپنے بھائی کے) سودے پر سودا نہ کرے"۔ (علی مشرف العمری)

(اخبار الاعتصام جلد ۲۷ شمارہ ۳۸)

سوال:۔ حکومت کا شرعاً نرخ مقرر ومعین کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور ابو داؤد کی حدیث تسعیر کا کیا مفہوم ہے؟

جواب:۔ حدیث نبویؐ میں ہے کہ جب لوگوں نے نرخ مقرر کرنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تو آپ نے ان کو جواب دیا:۔ ان اللہ ھو المسعر القابض الباسط الرازق وانی لا

(جوان القوی) رہی، ولیس احد منکم یطلبنی بمظلمة بدم ولا مال رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجة والدارمی (مشکوٰة) یہ حدیث نرخ مقرر کرنے کی نفی کرتی ہے مگر جب حکومت غیر مسلمہ نے نرخ مقرر کر دیا تو مجبوراً یہی عرف عام ہو گیا اس لئے کہ جو پہلا عرف تھا وہ تو رہا نہیں اگر وہ باقی رہے تو پھر اس کے مطابق عمل صحیح ہے صحیح بخاری میں بیع شراء کا حکم تعارف و عرف عام پر بتایا ہے، اور اب وہ پہلا عرف نہیں رہا تو حکومت کا کردہ ہی رہے گا اور تسعیر کا معنی نرخ مقرر کرنا ہے۔

سوال:۔ ابوداؤد کی حدیث بیع مضطر والی کا کیا مطلب ہے؟ اور باقاعدہ محدثین یہ حدیث کیسی ہے؟

جواب:۔ ابوداؤد کی روایت مذکورہ بالا نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع المضطر صحیح نہیں، اس کی سند میں راوی مجہول ہے اور اس کا مطلب بھی اضطراب سے خالی نہیں شراح نے اس میں گڑبڑ کی ہے کہ مضطر کو بیچنا منع ہے یا مشتری کو خریدنا، دونوں طرح لکھا ہے دونوں مخدوش ہیں جب روایت ہی صحیح نہیں تو توجیہات کی ضرورت نہیں مگر امام بخاریؒ کا باب جواز پر دال ہے۔

سوال:۔ مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ کی احادیث احتکار وحکرة خاص غلہ روکنے کے متعلق ہے یا عام ہے؟ محققانہ و محدثانہ روشنی ڈالیں۔ کیا احتکار خاص مسلمانوں پر ممنوع ہے؟

جواب:۔ حدیث میں من احتکر فھو خاطی (مسلم) عام ہے۔ طعام غیر طعام سب کو شامل اور جس روایت میں طعام کا ذکر ہے وہ تخصیص نہیں بعض افراد کا بیان ہے کما فی المتیل اور یہ حکم اہل اسلام کو دیا گیا ہے، غیر کیا مانے گا۔ (اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ شمارہ ۹)

باب السود

سوال:۔ زید دس سال سے سودی لین دین کر رہا ہے آج خدا سے ڈر کر توبہ کرتا ہے، اور اپنے کل مال کی زکوٰة نکالتا ہے لوگوں کے ذمہ باقی ماندہ سود کو چھوڑ دیتا ہے، لیکن جو مال اس نے سود لیکر جمع کیا ہے، اس میں اصل بھی ہے۔ آیا یہ مال پاک ہے یا ناپاک؟

جواب:۔ سود کا لینا دینا ہر صورت میں حرام ہے۔ توبہ کرنے سے معاف ہو جائے گا، قبل از توبہ حلال و مخلوط از سود مال بعد توبہ کے پاک ہو جائیگا۔ توبہ کرنے سے شرک و کفر تک معاف ہو جاتے ہیں۔ انہیں گناہ کبائر میں سے سود بھی ہے وہ بھی معاف ہو جائیگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ۔ (ترجمہ) گناہوں سے توبہ کرنیوالا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا۔

مسئلہ مذکور میں قرآن اپنے ان الفاظ میں ناطق ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُهٗٓ اِلَی اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (بقرۃ)

(ترجمہ) جو لوگ سود کھاتے ہیں۔ نہیں اٹھتے ہیں مگر جیسے وہ شخص جس کو شیطان نے اچک لیا ہو۔ (یعنی مجنون) یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے خرید فروخت اور سود کو ایک کیا۔ حالانکہ اللہ نے خرید و فروخت کو حلال کیا، اور سود کو حرام۔ جو اللہ کی طرف سے نصیحت آجانے کے بعد باز رہے تو وہ مال اسی کا ہے، جو اس نے پہلے لیا۔ اس کا امر خدا کے سپرد ہے۔ لیکن جو باز نہ آئے وہی ان اہل نار میں سے ہے جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

اللہ تعالیٰ کے قول "فَلَهٗ مَا سَلَفَ" سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مال توبہ سے پہلے اور حرمت سے پہلے لے چکا ہے وہ اس کا ہو گیا، یعنی اس کا رکھنا اس کے لیے جائز ہے اس کے واپس کرنے کا صراحۃً حکم نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُهٗٓ اِلَی اللّٰهِ الخ۔

ای من بلغه نهی الله عن الربوا فانتهی حال وصول الشرع الیه فله ما سلف من المعاملة۔ لقوله عفا الله عما سلف وکما قال النبی صلی الله علیه وسلم یوم فتح مکة۔ "وَکُلُّ رِبًا فِی الْجَاهِلِیَّةِ مَوْضُوْعٌ تَحْتَ قَدَمِیْ هَاتَیْنِ وَاَوَّلُ اَضَعُ رِبَا الْعَبَّاسِ ولم یامرهم برد الزیادات الماخوذة فی الجاهلیة بل عفا عما سلف کما قال الله فله

ماسلف وامرہ الی اللہ الخ۔

اور تفسیر مواہب الرحمٰن میں آیت کریمہ کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے "یعنی جس شخص کے پاس آگئی نصیحت اس کے رب عزوجل کی طرف سے بس وہ باز رہا یعنی بیاج کھانے سے جو گذر چکا ہے وہ اس کے لیئے ہے۔

فائدہ:۔ یعنی وہ بیاج اس سے واپس نہیں لیا جائیگا جو حکم الٰہی کے پہنچنے سے پہلے وہ جمع کر چکا ہے۔ الخ اور اگر توبہ کے وقت اصل رقم اور سود کے مال سے لوگوں کے ذمہ باقی ہے تو توبہ کے بعد اپنی اصل رقم کو لے لے۔ اور سود کو چھوڑ دے قرآن مجید میں اللہ نے فرمایا ہے:۔

یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا إِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِینَ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ (بقرۃ)

(ترجمہ) اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو رہ گیا ہے سود اگر تم کو یقین ہے پھر اگر نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اگر توبہ کرو گے تو تم کو پہنچتے ہیں اصل مال۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو، اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔ (الجدیث دہلی ۱۵ مئی ۱۹۵۴ء)

سود کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کا ایک خطبہ

سود کی حرمت

دنیا میں بالعموم اور عربوں میں بالخصوص کئی اور روگ تھے جو پورے معاشرے کو تباہ و برباد کیئے ہوئے تھے، اور دامن انسانیت پر بدنما داغ تھے۔ ان میں سے سود اور شراب بھی ہے، چونکہ آپ کے پیش نظر ان تمام برائیوں کا استیصال تھا جو انسانی معاشرے میں تھیں اور پھر آئندہ اس عظیم اجتماع کو خطاب کرنے کا موقع بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اس لیئے حضور پاکؐ نے اس موقع پر اس کے بارے میں بھی آخری فیصلہ فرما دیا۔

آپ نے فرمایا۔ "ربوا الجاھلیۃ موضوع اول ربوا اضع ربوا عباس بن عبدالمطلب" یعنی

سودی لین دین آج سے حرام قرار دیا جاتا ہے، اور وہ تمام سود جو کسی کا بھی ہو اور کسی کے ذمے ہو اور چاہے اس کی کتنی ہی بڑی مقدار کیوں نہ ہو، آج سے کالعدم قرار دیا جاتا ہے۔ نہ سود لینے کا استحقاق رکھنے والا سود کا مطالبہ کر سکتا ہے اور نہ سود دینے پر مجبور انسان اب سود کی رقم ادا کر سکتا ہے، اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سود کالعدم قرار دیتا ہوں۔

سود کی حرمت معاشرہ پر احسان ہے۔

آج کے دور میں جبکہ سودی کاروبار بہت بڑے پیمانے پر ہو رہے ہیں اور ایک طبقہ کے نزدیک سود تجارت کا جزو بن کر رہ گیا ہے، اور بظاہر اس کی وجہ سے ایک طبقے کو بڑے بڑے منافع بھی حاصل ہوتے ہیں، اس طبقہ کے ترجمان اسلام کے اس حکم پر حیرت زدہ ہیں کہ اسلام نے اتنے نفع بخش کام کو حرام قرار دے کر اپنے ماننے والوں کو اقتصادی و معاشی تباہی کے گڑھے میں دھکیل دیا ہے اور اس کے مرتکب کو بڑی بڑی سزاؤں کی وعیدیں سنا کر ان کی خوش حالی کی موت کو ان سروں پر مسلط کر دیا ہے، لیکن آپ غور کریں تو آپ بھی اس یقین پر مجبور ہوں گے کہ اسلام نے سود کو حرام قرار دے کر انسانیت پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

اسلامی معاشرہ

اسلام دنیا میں ایک ایسے معاشرے کی بنیاد ڈال رہا تھا جس میں رحم و کرم، محبت و مودت، ایثار و تعاون اور بھائی چارہ ہو۔ اس معاشرے میں تمام انسان مل جل کر زندگی گزاریں، ایک دوسرے کی مصیبتوں میں کام آئیں، ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ پوری پوری ہمدردی ہو اور دوسروں کی مصیبت کو اپنی مصیبت تصور کر کے اسے مل جل کر دور کرنے کی کوشش کریں۔ امیر و غریب کے الگ الگ فرائض مقرر کیے، خیرات، صدقات اور زکوٰۃ کے اصول وضع کر کے سرمایہ داروں کو خزانے کا سانپ بننے سے روکا ہے، غریب کو گداگری اور سوال کی ذلت سے بچنے کی تاکید کی ہے، اسلام شخصی ملکیت کو فطری اور صحیح تسلیم کرتے ہوئے سرمایہ کی تقسیم اور غریبوں اور مفلوک الحال لوگوں کے گزارے کے انتظام کے لئے اسلامی حکومت کے ہاتھ میں وسیع اختیارات سونپتا ہے، سرمایہ داروں کے سرمایہ کے بارہ میں اس کا اصول ہے، "توخذ من اغنیائهم وترد علی فقرائهم" یعنی ہر آبادی کے سرمایہ داروں کے سرمایہ سے ایک مقررہ حصہ وصول کر کے غریبوں میں تقسیم کیا جائیگا۔ اصول زکوٰۃ کی وجہ سے دولت کا فن کرنا ناممکن ہو گیا۔ قانون وراثت نے سرمایہ کو ایک ہی خاندان

میں سمٹ جانے سے روک دیا ہے احتکار کی سخت ممانعت کی گئی ہے، زکوٰۃ، صدقات، عشر، کفارہ، وراثت جیسے قوانین نے اسلامی معاشرے میں ہر چھوٹے بڑے کو ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مربوط کر دیا ہے کہ کوئی ایک دوسرے سے بے نیاز ہو کر صحیح معنی میں مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں رہ جاتا ہے۔

سود خور انسانیت کا دشمن ہے

بخلاف اس کے سود انسان میں خود غرضی، بے رحمی، سنگدلی زر پرستی، حرص و آز اور کنجوسی و بخالت کو جنم دیتا ہے، ایک سود خوار کے لئے اخلاق و اقدار کی اہمیت کا کوئی سوال نہیں رہ جاتا ہے۔ قرض دینے والے ساہوکار کو صرف اپنے سود کی پروا ہوتی ہے، اس کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ قرض لینے والا تباہ و برباد ہو رہا ہے، اس کے بچے فاقوں کی وجہ سے موت و زیست کی کش مکش میں مبتلا ہیں۔ اگر وہ رحم و کرم، ایثار و قربانی، ہمدردی و محبت سے کام لے تو اس کا سارا کاروبار تباہ اور برباد ہو جائے، اس لئے اس نام کی اس کے یہاں کوئی چیز نہیں ہوتی ہے، یہ جذبات خود غرضی کو اتنا بڑھا دیتے ہیں کہ انسان جبلت و فطرت کے اعتبار سے ایک انسان کو دوسرے انسان سے جتنی ہمدردی ہونی چاہیئے اتنی بھی ان سرمایہ داروں کے دلوں میں نہیں ہوتی ہے، اگر ایک شخص کے گھر میں بے گور و کفن لاش پڑی رہ جائے یا کسی کا اکلوتا بیٹا غریب و بے کس ماں باپ کے سامنے اس لئے دم توڑ رہا ہے کہ علاج کے لئے اس کے پاس پیسے نہیں ہیں ایسے اشخاص بھی اگر کسی سودی لین دین کرنے والے سے قرض مانگیں تو وہ مہاجن یا تو انکار کر دے گا یا تمام انسانی ہمدردی کو بالائے طاق رکھ کر اس سے عام نرخ سے زیادہ شرح سود کا مطالبہ کریگا۔

یہ روزمرہ کے تجربات ہیں، قساوتِ قلبی اور دل کی سیاہی اس درجہ بڑھ جاتی ہے کہ انسانی شرافت اور فطری ہمدردی کی روشنی کی جھلک بھی وہاں تک نہیں پہنچ پاتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عظیم اجتماع میں اسی لئے سود کی حرمت اور اس کے فوری استیصال پر زور دیا ہے کہ یہ طریقہ درحقیقت اسلام ہی کے خلاف نہیں ہے، بلکہ پوری انسانیت اس کی وجہ سے کراہ رہی ہے۔

معاشی لحاظ سے سود کے نقصانات

یہ تو اخلاقی لحاظ سے سود کی مضرتیں تھیں۔ معاشی و اقتصادی لحاظ سے بھی سود متعدد نقصانات کا حامل ہے۔

تجارت، صنعت، زراعت یا کسی بھی منفعت بخش کاروبار کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ سرمایہ اور محنت میں بہتر قسم کا توازن ہو، ان میں سے کسی طرف بھی ڈھیل اور کمزوری ہے، تو وہ کاروبار بار آور نہیں ہو سکتا، لیکن سودی قرض دینے والوں کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ تجارت میں منافع ہو رہا ہے، یا نقصان، سرمایہ دار صرف اس وقت مقررہ کا انتظار کرتا ہے جب اس کے سود کی مقررہ رقم دُگنی اور سہ گُنی ہو جائے، جتنی بھی زیادہ مدت تک روپیہ اس کام میں رکا رہے گا، اس کا منافع بڑھتا رہے گا، چاہے اصل کام کرنے والے کو مسلسل نقصان ہی کیوں نہ ہوتا ہو، یہی وجہ ہے کہ سرمایہ دار اپنا بہت سا سرمایہ اس لئے کاروبار میں نہیں لگاتا ہے کہ وہ شرح سود کے بڑھنے کا انتظار کرتا ہے، اگر عوامی فلاح و بہبود کے کاموں میں سرمایہ لگا کر اسے تین چار فیصدی سود ملنے والا ہو، اور کسی فلم کمپنی، سینما ڈانس گھر یا شراب کے کاروبار جیسے غیر اخلاقی کاموں میں روپیہ لگا کر اسے دس بارہ فیصدی سُود مل سکتا ہے تو وہ سرمایہ داران عوامی بہبود کے کام کو چھوڑ کر انہیں غیر اخلاقی کاموں میں اپنا سرمایہ لگائے گا۔ خدارا آپ بتائیں کہ یہ ذہنیت کسی ملک اور قوم کو کس طرف لے جائے گی؟

بینک کا سود

بینکنگ سسٹم کو جو صرف سودی کاروبار کے لئے ہے اس کی وابستگی عوامی زندگی سے کچھ اس طرح کی ہے کہ اب اس کے ظاہری مفاد کے سامنے اس کی مضرت کا کوئی پہلو ہی نظر نہیں آتا۔ حالانکہ آپ اس طریقہ کار کا غائر مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ بینکنگ سسٹم بھی ملک و قوم کی پریشانیوں میں اضافہ کا باعث ہے۔

بینک درحقیقت چند ساہوکاروں کا مشترکہ سودی کاروبار ہے اس طریقے میں ابتدا ہی سے خود غرضی کا پہلو سب سے زیادہ نمایاں ہے، بینک کا سارا کاروبار ان سرمایہ داروں کے سرمائے کے بجائے اُن امانت داروں کے سرمایہ سے چلتا ہے جو اپنا روپیہ بغرض حفاظت بینک میں رکھتے ہیں اور اس پر ایک حقیر رقم تین چار فیصدی سود کے نام سے وصول کرتے ہیں، بینک کا یہی سرمایہ اس کی روح رواں ہوتا ہے، لیکن بینک کی پالیسی سے ان امانت داروں کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ روپے کو کس طرح استعمال کیا جائے؟ شرح سود کیا ہو؟ اس کی مینجنگ کمیٹی کیسے مرتب ہو؟ ان تمام اہم امور کا تصفیہ ان چند سرمایہ داروں کی منشاء پر منحصر ہے جو اس بینک کے شیرز (حصہ دار) ہیں، جن حصہ داروں کے حصے زیادہ ہوتے ہیں، سارا عمل دخل انہیں کا ہوتا ہے، بقیہ چھوٹے حصہ داروں کا بینک سے صرف

اسی قدر متعلق ہوتا ہے کہ منافع کی تقسیم پر ان کا حصہ رسدی پہنچ جائے۔ یہ چند بڑے سرمایہ دار اپنی مرضی کے مطابق بینک کا روپیہ سود پر دیتے ہیں۔ سرمایہ کا ایک حصہ یہ لوگ روزمرہ کی ضرورتوں کے لئے اپنے پاس رکھتے ہیں، کچھ صرافہ بازار کو قرض دیا جاتا ہے۔ اور کچھ قلیل المیعاد قرضوں میں صرف کیا جاتا ہے ان قرضوں پر بینک کو ایک سے لے کر تین چار فی صدی تک سود ملتا ہے، رقم کا بڑا حصہ کاروباری لوگوں کو بڑی بڑی کمپنیوں اور اجتماعی اداروں کو دیا جاتا ہے جو بالعموم مجموعی سرمایہ میں سے ۳۰ فیصدی سے لے کر ۶۰ فیصدی تک ہوتا ہے، بینک کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ یہی قرضے ہیں۔ ہر بینک کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ سرمایہ کا زیادہ سے زیادہ حصہ اسی قسم کے قرضوں میں لگے۔ اس لئے کہ ان قرضوں پر سب سے زیادہ شرح سود ملتا ہے۔

سرمایہ دار کو فائدہ، غریب کو نقصان اس طریقے سے جو آمدنی بینک کو ہوتی ہے وہ بینک کے شرکاء کے درمیان اسی طرح تقسیم ہوتی ہے جس طرح عام تجارتی کمپنیوں میں ہوتی ہے، عوام سود کے لالچ میں اپنی رقمیں بینک میں جمع کرتے رہتے ہیں اور ایک حقیر منافع پر قانع ہیں اور انہیں کی رقم سے پورا پورا نفع چند سرمایہ دار اٹھاتے ہیں۔ یہ لوگ غریب اور کم دولت مند لوگوں کو قرضے نہیں دیتے۔ بلکہ وہ ہمیشہ ان بڑے سرمایہ داروں کو روپے دیتے ہیں جو اچھی شرح سود ادا کر سکیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سرمایہ مٹھی بھر انسانوں کے ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتا ہے۔ اور یہ اس خزانے کی بدولت سارے ملک اور قوم کی قسمت کے مالک بن بیٹھتے ہیں، سیاسی معاملات سے لے کر معاشی و اقتصادی اتار چڑھاؤ سب کچھ ان کے رحم و کرم پر ہوتا ہے، بعض ملکوں میں تو حکومت کی پوری مشینری ان کے اغراض و مقاصد کے مطابق چلتی ہے، وہ جب چاہتے ہیں حکومت کی لگام کھینچ کر اس راہ پر موڑ دیتے ہیں جو ان کے مفاد کی راہ ہے، بینکوں کے یہ سرمایہ دار جب چاہتے ہیں، اشیاء کو بازار سے غائب کر کے اس کے دام چڑھا دیتے ہیں، اور جب چاہتے ہیں بازار میں اس کی بہتات کر کے اس کو ارزاں کر کے چھوٹے چھوٹے دکانداروں کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں، یہ سرمایہ دار اپنے منافع کے پیش نظر قحط تک برپا کرا دیتے ہیں۔ غرض کہ یہ پوری قوم کا خون چوستے رہتے ہیں، اور قوم خوش ہے کہ بینک اس کی اقتصادی و معاشی زندگی میں اس کے ساتھ تعاون کرتا ہے۔

سود کا ہر طریقہ ظالمانہ ہے۔ اسلام کی نگاہ میں یہ سارے طریقے ظالمانہ اور خلاف انسانیت ہیں۔

اسلام نے ان ساری صورتوں کو سُود کے زمرے میں شمار کر کے اس کے مرتکب کو سخت سزاؤں کی وعید سنائی ہے، اہل فقہ نے اس کی مختلف صورتیں لکھی ہیں۔ ان میں سے بعض کاروبار اسلامی طریقے کے مطابق ہیں اور بقیہ سب سود میں شامل ہیں، حاجت مندانہ اور صرفی قرضہ ہو یا تجارتی کسی پر سود لینا اسلام کے نزدیک جائز نہیں ہے، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یورپ نے موجودہ سودی نظام کا جو ڈھانچہ بنایا ہے وہ حضور پاک کے زمانہ میں نہیں تھا، اس لئے یہ صورت حرام نہیں ہے، وہ لوگ اپنے نفس کو دھوکہ دیتے ہیں اور مسلمانوں کو گمراہی میں مبتلا کرتے ہیں۔ اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(اخبار الاعتصام لاہور جلد نمبر ۱ شمارہ ۴۹)

مذاکرۂ علمیہ

بابت ربا اور سود

عرصہ سے میرا خیال تھا کہ مسئلہ ربا اور سود کے متعلق ایک مذاکرہ علمیہ جاری کیا جائے، جس میں علمائے کرام جی کھول کر مضامین لکھیں۔ آج اتفاقیہ ایک مضمون ہاتھ میں آیا تو وہی پرانا خیال یاد آگیا، اس لئے آج سلسلہ شروع کیا جاتا ہے، سلسلہ سے پہلے واقعات کا پیش کر دینا ضروری ہے۔

(الف) ایک واقعہ یہ ہے کہ سرکار کی طرف سے ایک بنک جاری ہے جس کا نام سیونگ بنک ہے ڈاک خانہ میں ہوتا ہے، اس کے جاری کرنے سے سرکار کی یہ غرض ہے کہ جو لوگ تجارت پیشہ نہیں ہیں وہ اپنی بچت کا کچھ روپیہ برائے رفع ضرورت اس بنک میں رکھا کریں، چونکہ وہ روپیہ سرکار کسی نہ کسی کام مثلاً نہر، ریل وغیرہ۔ صیغہ ہائے آمدنی میں لگائی ہے، اس لئے روپیہ کے مالکوں کو بھی سالانہ کچھ دیتی ہے۔

(ب) دوسرا واقعہ یہ ہے بینک جو مہاجنی اصول پر چلتے ہیں جن سے تجارت پیشہ لوگ سود پر روپیہ لیتے ہیں۔ اور امانتدار روپیہ ان میں رکھتے ہیں، جس کا سود اہل بینک امانت داروں کو دیتے ہیں، مگر اس سود سے جو بنک خود لیتا ہے، امانتداروں کو کم دیتا ہے، باوجود اس کے بینک کو اگر خسارہ ہو جائے تو حصہ داروں کے ساتھ ہی امانتداروں کو بھی نقصان میں شرکت ہوتی

جواب:۔ بعض بینکوں میں یہ بھی دستور ہے کہ امانتداران سے جو سود نہ لے وہ اُس سودی رقم کو عیسائی مشن کے سپرد کر دیتے ہیں، جس کو وہ اپنی تبلیغ میں خرچ کرتے ہیں، اس تیسری صورت کے متعلق بعض مقامات سے مساجد رقوم کی بابت استفتاء آئے ہیں کہ یہاں مسجد کی رقوم فلاں بینک میں جمع ہیں، اہل بینک سود لینے پر مجبور کرتے ہیں کہتے ہیں اگر تم نہ لوگے تو ہم حسب قانون عیسائی مشن کو دیں گے، ایسی صورت میں وہ اس سود کو لوگوں کے عیسائی بنانے پر صرف کریں گے، ان واقعات کے علاوہ روزمرہ کا واقعہ یہ ہے کہ تجارتی اصول ہے کہ دو کاندار آپس میں ایک دوسرے سے مال خریدتے ہیں، اُن کے لئے کچھ دنوں کی مدت مقرر ہوتی ہے۔ اس مدت کے اندر اندر روپیہ ادا نہ کرسکیں تو مہاجنی سود دیں اگر سود دینا منظور نہ کریں، تو دیوالہ نکل جائیگا، جس سے تمام کاروبار بند منڈی میں دیوالہ مشہور۔ یہ اور اس قسم کے اور بھی واقعات ہیں جن کو زیر غور رکھیں اور حرمت ربا کے متصل ہی کتاب اللہ میں یہ لفظ بھی قابل غور ہیں، لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ نہ کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

ان واقعات اور حکم خداوندی کو ملحوظ خاطر رکھ کر ارباب علم قلم اٹھائیں، پھر جو لکھیں گے، انشاء اللہ مفید ہوگا، آج جو مضمون درج ہوتا، اس کے لکھتے وقت راقم مضمون کو ان واقعات کا علم نہ ہوگا مگر آئندہ لکھنے والوں کو ملحوظ رہنے چاہئیں بہرحال مضمون آمدہ درج ذیل ہے۔ (ایڈیٹر)

الکلام المحمود فی مذمت سود

ناظرین کرام السلام علیکم، حضرات مسلمانوں میں آج کل جہاں سینکڑوں برائیاں سرایت کر گئی ہیں، وہاں ایک مرض مہلک سود کا بھی روز بروز ترقی پذیر ہوتا جاتا ہے، بہت کم مسلمان ایسے ہیں جو اس فعل حرام سے بچے ہیں، مسلمانو غور کرو فرمان باری تعالیٰ کھلے لفظوں میں اس کی تردید کر رہا ہے، اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا الخ یعنی حلال کیا ہے اللہ نے خرید و فروخت کو اور حرام کیا ہے سود کو اہل جاہلیت کی یہ عادت تھی کہ جب قرضدار سے اپنا روپیہ وصول کرنے کا وقت آتا تو تقاضا کیا کرتے تھے، پس قرضدار کہتا تھا کہ میری کچھ مہلت بڑھا دو میں کچھ رقم بڑھا دوں گا، چنانچہ دونوں ایسا کیا کرتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ اول خرید و فروخت کے وقت نفع بڑھانا یا بوقت مہلت ختم

ہونے پر تاخیر کی وجہ سے کچھ رقم میں اضافہ کر دینا دونوں برابر ہیں۔ پس حق تعالیٰ نے ان کی تکذیب میں آیت مذکورہ کو نازل فرمایا کہ دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں حالانکہ بیع و شراء کے ذریعہ سے تجارت میں نفع کو اللہ نے حلال کیا ہے اور تاخیر مہلت کی وجہ سے مال میں زیادتی کرنے کو جس کا نام سود ہے اللہ نے حرام کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے، پس ساری مخلوق اس کے غلام ہیں، وہ سب کا مالک ہے جو چاہے ان میں حکم جاری فرمادے، اور غلامی کا جو چاہے کام لے کسی کو اس کے حرام و حلال کئے ہوئے پر اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں کہ

نیک بختی علت از کار تو

میرے پیارے بھائیو سنو! ایک جگہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ط یعنی اے مسلمانو اگر تم سچے مومن ہو تو خدا سے ڈر کر سود خوری چھوڑ دو، ورنہ یاد رکھو۔ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ یعنی اگر تم سود خواری نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ خدا اور اس کے رسول سے لڑنے کیلئے۔

بھائیو کیا تم میں حق تعالیٰ سے لڑنے کی طاقت اور اس کے رسول ؐ سے مقابلہ کرنے کی ہمت ہے، اور کیا تمہارے پاس وہ آلات حرب ہیں جن سے تم شہنشاہ دوجہاں سے لڑائی کر سکو ہم نے مانا کہ تم سود سے کچھ دنیاوی نفع اٹھالو گے مگر انجام کیا ہوگا۔ رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں میں نے خون کی ایک نہر دیکھی جس میں ایک شخص غوطے کھا رہا ہے۔ اور مرتا پھڑپھڑاتا جب کنارے کی طرف پہنچ کر نکلنا چاہتا ہے تو ایک فرشتہ اس کے منہ پہ پتھر مارتا ہے، جس کی تاب نہیں لا سکتا اور پھر اندر چلا جاتا ہے یہی حال اس کا ہو رہا ہے میں نے دریافت کیا اسے یہ عذاب کیوں ہے حکم ہوا یہ سود خوار ہے (بخاری) آپ فرماتے ہیں سود لینے والا اور دینے والا لکھنے والا۔ گواہ بننے والا سب ملعون ہیں، اور فرمایا هُمْ سَوَاءٌ اور سب گناہ میں برابر ہیں (مسلم) اور آپ نے فرمایا الرِّبَا سبعون جزءا ایسرھا ان ینکح الرجل امه۔ سود کے ستر گناہ ہیں جن میں سب سے ہلکا گناہ اپنی سگی ماں کے ساتھ زنا کرنے کے برابر ہے (حاکم واحمد و مشکوٰۃ) بلکہ ایک اور حدیث میں ہے کہ سود کے کچھ اوپر ستر گناہ ہیں اور شرک بھی سود کے مانند ہے (بزار)

شاید لوگ سود کو چھوٹا سا گناہ سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ نبی امی فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایک درہم سود کا لینا چھتیس زنا کاریوں سے بدتر ہے (دار قطنی وطبرانی واحمد) اور ایک زنا کاری ساٹھ سال کی عبادت خالص کو غارت کر دیتی ہے۔ (ابن حبان) پھر اے وہ لوگو جو ہزاروں لاکھوں سودی روپے کھا گئے جن کی ساری تجارتیں سودی کاروبار پر چل رہی ہیں، کبھی تم نے کبھی اپنی عاقبت پر غور کیا یا صرف پیٹ پالنے اور امیر بننے ہی سے مطلب ہے، کیا تم نے نہیں سنا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے شب معراج میں دیکھا ایک قوم ہے جن کے پیٹ بڑے بڑے مکانوں کی طرح اونچے ہو رہے ہیں اور ان میں بڑے بڑے زہریلے سانپ پھر رہے ہیں، اور انہیں ڈس رہے ہیں کوئی نہیں جو ان کی ہائے وائے پر رحم کرے بُری طرح تڑپ تڑپ کر جان ہلاک کر رہے، پوچھا یہ کون لوگ ہیں کہا گیا یہ سود خوار لوگ ہیں (مسند احمد) اسی واسطے آپ فرمایا کرتے لوگو! سات گناہوں سے بچو جو ہلاک کرنے والے ہیں۔

ایک[1] خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔ دوسرے[2] جادو کرنا۔ تیسرے[3] بلا اجازت شرعی کسی کو مار ڈالنا۔ چوتھے[4] سود کھانا۔ پانچویں[5] یتیم کا مال ناحق کھانا۔ چھٹے[6] جہاد کے وقت بھاگ کھڑے ہونا۔ ساتویں[7] پاک دامن نفس مسلمان عورتوں پہ بہتان باندھ کر بدنام کرنا۔ (بخاری ومسلم)

ہمارے پیشوا فداہ ابی وامی ارشاد فرماتے ہیں چار قسم کے لوگ ہیں نہ خدائے تعالیٰ انہیں جنت میں داخل کرے گا، نہ خدا کی کوئی نعمت نصیب ہوگی۔ پہلا[1] شخص سود خوار ہوگا۔ دوسرا[2] شرابی، تیسرا[3] یتیم کا مال کھا جانے والا۔ چوتھا[4] ماں باپ کا نافرمان (حاکم)، سود خوار سمجھتا ہے کہ میرا مال بڑھتا ہے، حالانکہ خدا کے نزدیک وہ گھٹتا ہے۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ۔ خداوند کریم سود کو گھٹاتا ہے، اور صدقہ کو بڑھاتا ہے، ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود اگرچہ بظاہر کتنا ہی بڑھے مگر انجام اس کا کمی ہی ہے (ابن ماجہ)

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سود خواروں نے زیادتی مال کے واسطے سود کو اختیار کیا بغیر اس طرف توجہ کیے کہ اللہ تعالیٰ ناراض وغصہ ہوگا، لہٰذا یہ زیادتی مٹ جائے گی بلکہ ساتھ میں راس المال بھی جائے گا، اور لوگوں کا قرضدار بھی ہوگا جس کا انجام کار یہ ہوگا کہ دیوالہ کی درخواست دے کر مفلسوں اور دیوالیوں کے دفتر میں نام لکھایا جائے (اعاذنا اللہ منہ) جیسا کہ اکثر سود کا لین دین کرنے والے کو دیکھا گیا ہے،

فرض کرو کہ وہ معزور بحالت تمول ہی مرے تو اس کے ورثاء کے ہاتھ میں مال جا کر کم ہوا. کہ تھوڑا زمانہ بھی نہیں گذرا کہ غایت درجہ فقیر و ذلیل و خوار بن گئے. (کما فی بصائر العشائر مطبوعہ دہلی ۳۹۴)

سود خوار کا خیال ہے کہ میں نہایت عقل مند ہوں حالانکہ میدان محشر میں وہ دیوانہ بنا ہوا ہوگا. کما فی القرآن. إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبٰوا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ.

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن مجنون بن کر قبروں سے اٹھیں گے. سود کی کمائی حرام ہے اور نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں. مال حرام سے پیٹ پالنے والا جہنمی ہے (طبرانی)

اسی طرح مال حرام نہ صدقہ قبول ہوتا ہے، نہ حج و عمرہ وغیرہ (بخاری و مسلم)

بھائیو! آج کل جو ہم طرح طرح کے عذاب و مصائب آلام کے شکار ہو رہے ہیں اور جو ادبار دوست ہمیں گھیرے ہوئے ہیں اس کے اسباب میں سے ایک سبب سود خواری بھی ہے. رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس جگہ سود خواری و زنا کاری ہوگی وہاں کے لوگوں پر عذاب الٰہی نازل ہوں گے (حاکم) جس قوم میں سود خواری ہوگی اس پر قحط سالی کا عذاب دائمی ہوگا (احمد) آج کوئی انسان اس پیشگوئی کی صداقت میں شک کر سکتا ہے؟ کونسا عذاب آسمانی ایسا ہے جو ہم پر نہیں آیا. وہ کونسا سال ہے جس کے اندر قحط سالی نے اپنا تسلط ہم سے اٹھایا ہو. آفتوں مصیبتوں کی موسلا دھار بارش اطراف عالم میں ہو رہی ہے آج کل لوگوں نے سود کو مال غنیمت سمجھ رکھا ہے. بے تکلف علی الاعلان سود لیتے دیتے ہیں. اور کچھ پرواہ نہیں کرتے کہ اس کی کیسی سخت ممانعت ہے. لیکن یاد رکھو۔

جو بدن پالا گیا ہو لقمہائے سود سے   داخل جنت نہ ہو حضرت کا یہ فرمان ہے

مَنْ نَبَتَ لَحْمُهُ مِنَ السُّحْتِ فَالنَّارُ أَوْلَى بِهِ. کی دفعہ بیہقی میں موجود ہے ہم لوگوں پر طاعون کا عذاب عام ہو گیا ہے اور کوئی علاج بھی کیسی ہی کوشش سے ایجاد کیوں نہ ہوا ہو مطلق مفید نہ ہوا. مگر مسلمانوں کی غفلت اب تک وہی ہے، پس چکے برباد ہو چکے مگر اکثر فرق نہیں گئی ۔

وہی رفتار بے ڈھنگی جو پہلے تھی سو اب بھی ہے۔

بھائیو! خدا کے سامنے جھکو اللہ کے رسول کی ماتحتی اختیار کرو تاکہ خدا اپنی رحمت کے دروازے تم پر کھول دے، اپنے عذابوں سے ہمیں نجات دے. ورنہ اندیشہ ہے کہ کہیں حالت بد سے بدتر نہ

ہو جائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قسم خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میری امت کے کچھ لوگ بآرام واطمینان ہنسی خوشی بے خوف وخطرات کو سوئیں گے، اور صبح کو اللہ تعالیٰ دفعتاً ان کی صورتیں مسخ کر دے گا، کیونکہ وہ حرام کو حلال کئے ہوئے ہوں گے، گانا بجانا شرابیں پینا سود کھانا ریشم پہننا ان کا شیوہ ہو گیا ہو گا۔ ایک اور حدیث میں ارشاد نبوی ہے کہ میری امت میں وہ لوگ جو شراب پیتے ہیں، اور ریشم پہنتے ہیں اور گانا سنتے ہیں، اور سود کھاتے ہیں، اور قطع رحمی کرتے ہیں ان کو پروردگار عالم دنیا میں ہی طرح طرح کے عذاب کرے گا، کہیں ان کی صورتیں مسخ کر دی جائیں گی۔ بندر اور سور بنا دیئے جائیں گے، کہیں زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے، کہیں آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے، کہیں آندھی اور طوفان سے برباد کئے جائیں گے۔ (بیہقی)

اللہ اکبر۔ باوجود اس قدر وعید شدید کے بھی جو مسلمان اس حرام کام سے نہیں بچتے یا تو انہیں اللہ جل شانہ کی ذات پر ایمان ہی نہیں یا خوف خدا ان کے دلوں سے اٹھ گیا ہے، یا وہ خدا کی باتوں پر یقین نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ اگر یقین کامل ہوتا تو یقین سے عمل جدا نہیں ہوتا ہے، دیکھیے پاخانہ پیشاب کی نجاست کا انسان کو یقین ہے، آپ نے کبھی کسی صحیح المزاج آدمی کو اسے کھاتے ہوئے نہ دیکھا ہو گا، اسی طرح جس کو سود وشراب وغیرہ کی نجاست پر حسب فرمان نبوی یقین ہے بھلا کیسے ممکن ہے کہ وہ اس نجاست کو چھو بھی لے۔ ہمارا یہ زمانہ وہ زمانہ ہے جس کی بابت پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا،

یاتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القرآن الا رسمہ (بیہقی)

یعنی میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں صرف اسلام کا نام ہی نام رہ جائے گا، اور قرآن شریف کے صرف حروف لکھے ہوئے رہ جائیں گے، نام تو مسلمان ہو گا مگر کام اسلام کے خلاف ہوں گے، قرآن کریم کی تلاوت تو کریں گے مگر عمل سے کوسوں دور ہوں گے، اور یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ ایک ایسا بھی زمانہ آئے گا جس میں سود خواری پھیل جائے گی، اگر سود نہ کھائے گا، تو غبار تو ضرور پہنچے گا (ابو داؤد) آپ فرماتے ہیں کہ قیامت کی نشانیوں میں سے شراب خواری زنا کاری سود خواری کا ظاہر ہونا بھی ہے (طبرانی)۔ ایسے زمانہ میں اپنے کاروبار یا تجارت بیوپار میں شریعت کی پابندی کرنا اجر عظیم حاصل کرنا ہے، یہاں تک کہ آپ نے فرمایا ہے۔

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ (ترمذی) یعنی تاجر سچا ایمانت دار قیامت کو نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا ۔

مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں مبعوث ہوکر جہاں اور اصلاحیں کی تھیں ، وہاں ایک اصلاح سود کی ممانعت بھی ہے ۔ آپ کی بعثت سے پہلے عام طور پر سود لیا جاتا تھا ، جب آپ مدینہ تشریف لے گئے سب سے پہلے آپ نے سونے کو سونے کے بدلے چاندی کو چاندی کے بدلے جب لیا جائے تو ادھار اور کمی بیشی کو سود قرار دے کر حرام فرمایا ۔ اس کے بعد عرب میں جو دونے چوگنے سود لینے کا رواج تھا ، اس کی حرمت کے بارے میں یہ آیت شریف نازل ہوئی ۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً الخ ۔ مسلمانو! دوگنا چوگنا سود نہ لیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ ۔ اور ۸ھ ہجری میں مطلق سود کے بارے میں سورۃ بقر کی یہ آیت نازل ہوئی :۔

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ الخ ۔ یعنی جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس طرح اٹھیں گے جیسے وہ شخص اٹھتا ہے ، جس کو شیطان نے چھوکر خبطی بنا دیا ہو ، پھر یہ آیت تھوڑے ہی وقفہ کے بعد نازل ہوئی ۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا الخ ۔ اور مطلق سود حرام ہوا ۔ حضور نے آیت کے نازل ہوتے ہی لوگوں کو جمع کیا اور مسجد میں خطبہ سنایا اور تمام سودی کاروبار لین دین حرام کر دیا ۔ چنانچہ ۹ھ ہجری میں اہل نجران سے یہ بھی عہد لیا گیا کہ وہ سود نہ لیں اور ۱۰ھ ہجری میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر جبکہ اسلام کی تکمیل ہوتی ہے ، شاہ اسلام نے لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں رخصتانہ نصیحتیں کرتے ہوئے صاف فرما دیا کہ سودی کاروبار باطل ہے گذشتہ سود نہ لیا جائے نہ دیا جائے عین اسی وقت یہ آیت نازل ہوتی ہے ۔

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۔ یعنی میں نے آج اپنا دین کامل کر دیا ۔ اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کیں اور تمہارے لئے دین اسلام کو میں نے پسند کر لیا ۔ سلسلہ احکام الاسلام کی آخری کڑی حرمت سود کی آیت ہے (بخاری شریف)

مسلمانو! فرمان خداوندی کو مدنظر رکھو ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کرو ، لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ

فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ۔ نبی کے خلاف اپنی آوازیں نہ اٹھاؤ جس کام سے آپ نے منع کر دیا اس کا خلاف کر کے تم کبھی سرسبز نہیں رہ سکتے۔ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۔ اللہ کے رسول کا خلاف کرنے والے کسی زبردست فتنہ یا عذاب دردناک کے لیئے آمادہ رہیں۔

دوستو! خدا کی ناراضگی رسول کی مخالفت اور عذاب آخرت کا خوف دل میں رکھ کر سچے دل سے توبہ کرو، سنو! رسول امی فداہ ابی وامی ارشاد فرماتے ہیں:۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے والے کے برابر ہے۔ والسلام وما علینا الا البلاغ۔

(حررہ ابوالعالیۃ المدعو محمد ہاشم محمدی ٹانڈوی عینی) (اخبار اہلحدیث امرتسر جلد ۲۱ شمارہ ۵)

سوال:۔ طوائف کو کرایہ پر مکان دینا اور ان سے کرایہ لے کر کھانا پینا درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ حرام کاروں کو حرام کاری کے لیئے کرایہ پر مکان دینا حرام ہے۔ اور ان کی حرام کمائی سے کرایہ وصول کر کے استعمال کرنا حرام ہے کیونکہ گناہ کے کاموں میں اعانت حرام ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔ گناہ اور ظلم کی باتوں میں امداد مت کرو۔ واللہ اعلم۔

(مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی) (اہلحدیث دہلی جلد ۱ شمارہ ۲)

بینک کا سود

(جناب مولانا عزیز زبیدی صاحب۔ واربرٹن شیخوپورہ)

انجمن شبان اہلحدیث گوجرانوالہ کے ناظم قاضی عبدالقدیر صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

ایک شخص نے مولانا مودودی صاحب سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص غلطی سے کسی ایسے اکاؤنٹ میں روپیہ جمع کرا بیٹھے جس میں سود ملتا ہے تو سود کی رقم ملنے پر وہ کیا کرے؟ مولانا نے فرمایا وہ رقم غریبوں میں تقسیم کر دے۔ انہی صاحب نے استفسار کیا کہ کیا اس طرح اسے خیرات کا ثواب ملے گا؟ مولانا نے فرمایا کہ خیرات کا ثواب ملے یا نہ ملے، گناہ سے بچنے کا ثواب تو مل جائے گا۔

(ہفت روزہ آئین ۲۴ اکتوبر ۶۸ء)

کیا مولانا کا یہ جواب صحیح ہے؟

الجواب: گوجرانوالہ میں مستند و فاضل اور نامور علماء کرام موجود ہیں، آسانی سے ان کی طرف رجوع کیا جا سکتا تھا کیونکہ اس سلسلے میں وہ سند کی حیثیت رکھتے ہیں اور آپ کے قریب بھی رہتے ہیں، میں تو آپ کی طرح ان کا ایک طالب علم ہوں۔

دنیا کے سیلاب بلا میں سے ایک عظیم بلا اور ابتلاء نظام بینک کاری بھی ہے، اس سے نکلنے کے لئے جتنا کوئی شخص پھڑپھڑاتا ہے، اتنا ہی الجھتا چلا جاتا ہے، اگر پیسہ گھر میں رکھتا ہے تو اس کے ضیاع کا خطرہ ہے، بینک میں رکھتا ہے تو گناہ کا اندیشہ ہے۔

دل کو روؤں یا جگر کو میں　　　میری دونوں سے آشنائی ہے

بہرحال اس صورتِ حال کے پیش نظر علماء نے جب اس پر غور کیا تو وہ مختلف نتائج پر پہنچے، بعض نے فرمایا کہ بینک کا سود، وہ سود نہیں جو اسلام میں ممنوع ہے، راقم الحروف کے شیخ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کا یہی نظریہ تھا، مفتی جمعیۃ العلماء دہلی دیوبندی کا بھی یہی فتویٰ ہے، بعض نے کہا کہ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر وہ از خود پیش کرے تو لے لیا جائے، اگر آپ نے ہی طے کیا ہے تو یہ سود ہے اس لئے ناجائز ہے، حضرت مولانا عبدالواحد بن مولانا عبداللہ الغزنوی کا یہی نظریہ تھا۔

بعض بزرگوں نے تصریح کی ہے کہ بینک وغیرہ کا سود لے تو لیا جائے مگر خود خرچ نہ کیا جائے نہ تقرب کے کاموں کے لئے دیا جائے بلکہ لے کر کسی غریب اور نادار کو دے دیا جائے مگر ثواب کی امید نہ رکھی جائے۔ علامہ قاضی اطہر مبارک پوری کا یہی نظریہ تھا، ایک قول وہ ہے جو مولانا مودودی نے پیش کیا ہے، بعض علماء کا کہنا ہے کہ سودی رقم سود خواروں کے لئے نہ رہنے دی جائے، بلکہ ان سے لے کر مضطر لوگوں پر خرچ کی، راقم الحروف کے نزدیک دوسرے اقوال کی بہ نسبت مؤخر الذکر نظریہ کچھ گوارا ہے، کیونکہ مضطر لوگوں کے لئے مردار جائز ہے مگر بقدر کفایت۔ یہ بات تو اس صورت میں ہے کہ جب کوئی شخص اس میں روپیہ جمع کرا بیٹھتا ہے، اس نظریہ کو "گوارا" اس لئے کہا ہے کہ اس کی سنگینی پہلے نظریات کی بہ نسبت کم رہ جاتی ہے۔ جہاں تک "جواز" کی بات ہے؟ اس کے بارے میں پہلے راقم الحروف کا نظریہ یہ تھا کہ سود خواروں سے بہرحال یہ چھری چھین لینی چاہئے تاکہ اس کے ساتھ سودی کاروبار کا وہ مزید شکار نہ کر سکیں۔ لیکن مزید غور کرنے پر محسوس ہوا کہ یہ پہلو بھی محل نظر ہے۔

کیونکہ اس کی سنگینی کا احساس دلانے کے بعد اب ہم پر اس کی ذمہ داری نہیں رہی کہ اب اگلا کیا کرے گا، اگر ہے تو صرف ان کی کہ آپ اس میں اپنا سرمایہ ہی جمع نہ کراتے جو آپ سے نہ ہو سکا، اس لیے اب وہ جانیں اور ان کا کام۔ دوسرا اس لیے کہ وہ ایک نجس، مردار اور گندگی ہے، سود خواروں کے گھر کو صاف رکھنے کے لیے اپنے گھر کو اس سے ملوث کرنا کوئی دانشمندانہ بات نہیں ہے، قرآن و حدیث میں حرمت سود کے بارے میں استثنار کا ذکر نہیں کیا گیا، اس لیے اس سلسلے میں خود استثنائی صورتیں پیدا کر لینا تشریح ہے جس کے ہم مجاز نہیں ہیں۔

بینک کے بعض شعبے ایسے ہوتے ہیں جس میں کہتے بغیر سود نہیں لگتا۔ لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ آپ کے جمع کردہ سرمایہ سے وہ سودی کاروبار بھی نہیں کرتے، بلکہ کرتے ہیں، صرف اتنی بات ہوتی ہے کہ اس میں سے آپ کو جو حصہ ملنا تھا، وہ خود رکھ لیتے ہیں، آپ کو نہیں دیتے، اس لیے جو لوگ بینک سے سود نہ لے کر اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ بری الذمہ ہو گئے ہیں۔ فریب نفس سے زیادہ نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں اپنا سرمایہ جمع کرا کے سودی کاروبار کرنے میں آپ نے بینک کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا ہے۔ اور "لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" کی خلاف ورزی کر کے سودی کاروبار میں شرکت کرنے کا ارتکاب کیا ہے۔

صحیح اور بنیادی صورت یہ ہے کہ ایسے کاروباری اداروں میں اپنا سرمایہ جمع ہی نہ کرایا جائے اگر اجتماعی طور پر ان بینکوں کا بائیکاٹ کیا جائے تو وہ شراکت اور مضاربت جیسے شرعی اصولوں کیمطابق اپنا نظام بینکاری بدلنے پر مجبور ہو جائیں، باقی رہا یہ اندیشہ کہ بینک کے بغیر پیسہ کا تحفظ مشکل ہوتا ہے؟ سو یہ بیماری صرف نظام بینک کاری میں جاری و ساری نہیں ہے، زندگی کے ہر شعبہ میں اپنا کام کر رہی ہے، کیونکہ اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو نہیں جانتے کہ اسلام کیا ہے، اور اس سلسلہ میں ان کی اپنی ذمہ داری کیا ہے، اس لیے آپ اس بہانہ سے اور کیا کیا جائز کریں گے؟ یقین کیجیے! ان میں سے کچھ بھی ناجائز نہیں، صرف دھاندلی ہے اور اس وقت تک دنیا کرتی جائے گی جب تک کوئی عمر نہیں پیدا ہو جاتا۔ اسلامی نظام برحق کے منافی جو جو امور اور دھاندلیاں ہم نے سینے سے لگائی ہیں وہ خود ساختہ "معذرتوں" کے سہارے لگا رکھی ہیں ـــ ورنہ حقیقت میں وہ "شرعی ملازمتیں" نہیں ہیں، عذر لنگ کے ضمن میں آتی ہیں، جسے "خوئے بد را بہانہ بسیار" سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

عام معذرتیں اور شرعی معذرت

معذرت ایک ایسی مکروہ کیفیت کا نام رہ گیا ہے، جس کا اسلام میں قطعاً کوئی مذکور نہیں ہے، معذرت وقت اور حالات کی ایسی کوکھ سے جنم لے رہی ہے، جس کے بدلنے کے لئے کوشش نہیں کی جاتی، گویا کہ ہم نے ایسی معذرتوں سے سازگاری پیدا کر لی ہے، جس کے بعد معذرت معذرت نہیں رہتی، معصیت اور مجرمانہ غفلت بن جاتی ہے۔ اس لئے ایسی معذرتوں کے سہارے جو بھی "خلاف شرع" کام کیا جائے، اسے شرعی معذرت کے نام پر حلال نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے پوری قوم نے بینک کاری کے اسی نظام بد کو بدلنے کے لئے منظم کوشش نہ کرکے، اپنی "معذرتوں" کو کھٹائی میں ڈال دیا ہے کیونکہ معذرتیں ناسازگار حالات اور وقت کا حاصل ہوتی ہیں، جو لوگ اور قومیں ناسازگار فضاؤں کو بدلنے کے لئے اپنے ہاتھ پاؤں بھی مارتی رہتی ہیں، تا تبدیلی حالات، اسلام میں ایسی اقوام اور افراد کی معذرتوں کو قبول کیا جاتا ہے جہاں ایسی بات نہیں ہوتی اور نہ ان ناسازگار فضاؤں کو بدلنے کی کوئی منظم سعی اور کوشش کی جاتی ہے۔ وہاں اسلام میں ان "معذرتوں" سے استفادہ کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی، کیونکہ اب اسے "معذرت سازی" سے تعبیر کیا جائے گا، جس کے معنے ہوتے ہیں کہ ان سے سازگاری اور ہم آہنگی پیدا کرلی گئی ہے جو بجائے خود اسلام دشمنی ہے۔ ہاں جو افراد دیانتداری کے ساتھ اور پوری جد و جہد کوشش اور محنت سے اس غلط نظام کو بدلنے کی کوشش میں بھی لگے ہوئے ہیں، وہ اگر وقتی کسی حد تک اپنا سرمایہ اس میں جمع کراتے ہیں تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ معذور تصور کیے جائیں۔ اس صورت میں بدرجہ آخر یہی ہو سکتا ہے کہ واقعۃً اگر کوئی مضطر سامنے آ گیا ہے تو بینک سے اپنا سود لے کر اس کو سہارا مہیا کرنا چاہئے تو اس کے لئے گنجائش نکل سکتی ہے، فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ (پ بقرہ ع ۲۱) ورنہ حرام خوروں کے لئے یہ حرام چھوڑ دیا جائے کیونکہ اب ہمارے بس میں اس سے زیادہ نہیں ہے، يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (بقرہ ع ۳۸) اس چھوڑنے میں استثناء نہیں ہے۔ اس لئے ان سے نہ وصول کرنا ہی ہماری ذمہ داری ہے اور بس اور جو لوگ اسلامی جذبہ اور فریضہ کے احساس کے تحت ان کو بدلنے کے لئے مناسب تگ و دو کیے بغیر اپنے آپ کو "معذور" تصور کر رہے ہیں، یقین کیجئے وہ عند اللہ معذور نہیں ہوں گے۔ بلکہ مجرمانہ نظام کے داعیوں کے ساتھ یہ بے غیرت اور کاہل لوگ بھی مجرم قرار پائیں گے، کیونکہ اللہ کے ہاں ایسے لوگ بہانے باز اور ظالم قرار

پاتے ہیں۔ ذیل کی آیات میں انہی جعلی معذوروں کا ذکر ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ وَقَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ط فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ط (پ ۵ النساء ع ۱۴)

چونکہ وہ لوگ کفار کے نرغے کو معذرت تصور کر کے بیٹھ گئے تھے اور اس کے لئے آخری چارہ کار کی حد تک نکلنے کے لئے انہوں نے کوئی کوشش نہیں کی تھی، اس لئے اللہ نے فرمایا تمہاری یہ معذرت مسموع نہیں ہے۔ یہی کیفیت آج کل ہماری ہے کہ خدا کی عطا کردہ رخصتوں کا دامن تھامنے میں تو ہم کوئی سستی نہیں کرتے لیکن اس سلسلے کی اپنی ذمہ داریوں اور تقاضوں سے واسطہ بھی نہیں رکھتے، حالانکہ یہ ناجائز ہے۔ الخراج بالضمان۔

اس سلسلے کی چند آیات اور احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

اگر کسی کو مال دیا ہے بطور قرض یا بطور امانت تو آپ صرف راس المال لینے کا حق رکھتے ہیں۔ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ (بقرہ ع ۳۸) وَقَالَ النَّبِيُّ صلعم وَمَا كَانَ لَهُمْ فِي النَّاسِ مِنْ دَيْنٍ فَلَيْسَ عَلَيْهِمْ إِلَّا رَأْسُهُ (کتاب الاموال لابن السلام صفحہ ۱۹۲) زیادتی آپ سے بھی نہیں ہونی چاہئے، دوسروں سے بھی نہیں لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ (ایضاً) اس کی شکل یہ ہے کہ سود چھوڑ دیا جائے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا (ایضاً) سود قال عن العوض مگر صرف وقت اور مہلت کے بدلے کا نام ہے، فرمایا اس کے بجائے اگر تنگی آگئی ہے تو اسے مزید مہلت دی جائے نہ یہ کہ مہلت کے عوض اس پر سوار ہونے کی کوشش کی جائے۔ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ۔ ایضاً صرف مہلت ہی نہیں اگر صدقہ کا اہل ہے تو صدقہ کر دیا جائے تو کیا ہی کہنے إِنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ (ایضاً) سود کے مال میں برکت نہیں ہوتی۔ انجام تباہی نکلتا ہے۔ اصل برکت خدا کی رضا جوئی میں ہے۔ وما اتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ وما اتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولئک ھم المضعفون (الروم ع ۴)

خلاصہ یہ کہ بینک کا سود حرام ہے۔ اس لئے اس میں سرمایہ جمع ہی نہ کرایا جائے بلکہ اس کو بدلنے کے لئے منظم کوشش کی جائے، اب اگر ضیاع کے اندیشے سے اس میں جمع کرانا پڑ گیا ہے،

توان پر یہ واضح کر دو کہ سود حرام ہے میں نہیں لوں گا الا یہ کہ کوئی مضطر بندہ سامنے آجائے اور اس کو بچانے کے لئے دینا پڑے، تاہم اسے ثواب تصور نہ کیا جائے تاکہ کسی بھی پہلو میں اس سے ذہنی ساز گاری اور مفاہمت پیدا ہونے کا کوئی امکان نہ رہے۔ ہٰذا ما عندی، واللہ اعلم۔

(الاسلام لاہور جلد ۲ شمارہ ۲۲)

توضیح المفید بر فتاویٰ علماء حدیث۔ ہمارے اکابرین کی کوششوں سے اور حکومت پاکستان کے صدر مملکت صدر ضیاء الحق کی جدوجہد سے اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی سودی کاروبار کی لعنت کو مضاربت اور شراکت کی صورت میں تبدیل کیا، لیکن نافہم لوگ اس کو بھی سود سمجھتے ایسے لوگ اصل میں سود کی تحریف نہیں سمجھے، اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرماویں۔ (سعیدی خانیوال)

استفسارات

بینک کا سود:۔ چنیوٹ سے ایک دوست ارقام فرماتے ہیں:۔

مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اخبار اہل حدیث مورخہ ۱۸ جون ۱۹۵۵ء میں فتاویٰ کے تحت سوال نمبر ۲۰ میں کچھ شک ہے، وہ ...ور یہ ہے سوال ہے کہ بینک کی نوکری جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا ہے کہ بینک کی نوکری ...ں اختلاف ہے مگر صحیح یہ ہے کہ وہ ناجائز ہے کیونکہ بینک کا سارا کاروبار ہی سود پر مبنی ہوتا ہے ...ر حرام ہے وغیرہ۔

اب عرض ہے کہ (۱) اگر بینک کا کاروبار سارا سودی نہ ہوتا تو پھر کیا اس کی نوکری جائز ہوتی؟

۲:۔ حرام ہر حالت میں حرام ہے چاہے وہ تھوڑا ہو یا بہت! جیسے سور کا گوشت اگر سیر بھر حرام ...ے تو ایک لقمہ بھی حرام ہے، شراب اگر بوتل بھر حرام ہے تو ایک تولہ بھی حرام ہے۔

۳:۔ ڈاکخانہ کی ملازمت میں سود دیا جاتا ہے، یا نہیں جاتا، اور آپ جانتے ہیں کہ سود دینے ...ا، لینے والا، لکھنے والا، گواہ سب ایک ہی جرم کے مرتکب ہوتے ہیں، پھر کیا ڈاکخانہ کی نوکری ...ی جائز ہوگی؟

۴:۔ اگر بینک کی نوکری حرام ہے، تو کیا بینک کے کسی ملازم کی زکوٰۃ، خیرات، صدقہ،

قبول ہوگا یا نہیں ؟

۵ :۔ ہندو تمام سود خوار ہوتے ہیں، کیا ان کی نوکری بھی جائز ہوگی یا نہیں ؟ اگر وہ اسٹیشن پر اُتریں اور مسلمان قلی اُن کا سامان اٹھا کر اُجرت لیں تو وہ بھی جائز ہوگی یا نہیں ؟۔

جواب :۔ آپ نے ناحق بال کی کھال اتارنے کی کوشش کی ہے، جواب میں کہدیا گیا ہے کہ اس میں بعض نے اختلاف کیا ہے، اور اختلاف والوں ہی سے ایک آپ بھی ہیں، پھر کیا آپ چاہتے ہیں کہ سب آپ سے متفق ہو جائیں، اور کوئی بھی مخالفت نہ رہے، یہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ جن کو اختلاف ہے، اختلاف ہی رہے گا۔ آپ کے دلائل جاننے کے باوجود وہ اس سے اختلاف رکھتے ہیں، اور صحیح طور پر نیک نیتی سے اختلاف رکھتے ہیں۔ سنیئے اگر کوئی شخص یا ادارہ تجارتی کاروبار کرتا ہو اور سود بھی لیتا ہو تو اس کی ملازمت جائز ہوگی کیونکہ اس کے مکلف نہیں ہیں کہ یہ تحقیق کرتے پھریں کہ آپ کی تنخواہ کس شعبہ سے آئی ہے۔ جس کی کمائی کا عنصر غالب حلال ہو، اُس کی اُجرت اور مزدوری جائز ہوگی، یہ ایک اصولی چیز ہے، جس میں آپ کے تمام جوابات آجاتے ہیں باقی رہا، صدقہ خیرات کی قبولیت کا سوال، سو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، اصول یہی ہے کہ جو مال مطلق حرام ہو، وہ قبول نہیں ہوتا، باقی رہا لوگوں سے لین دین، وہ جائز ہوگا، کیونکہ نوعیت کے بدلنے سے حکم بھی بدل جاتا ہے، صدقہ کا مال سادات کرام کے لیئے ممنوع ہے کسی کو صدقہ ملا تو اس نے حضور کی خدمت میں پیش کر دیا، آپ نے قبول فرمایا، تو کسی نے کہہ دیا، حضور یہ صدقہ تھا، آپ نے فرمایا، ہاں اس کے لیئے صدقہ تھا، مگر جب اس کی تملیک میں آگیا تو اس کا حکم بدل گیا، اب وہ ہمیں بطور ہدیہ دے رہا ہے جو جائز ہے پس اسی حدیث سے اپنے مسئلہ کو بھی حل کر لیجئے۔ (نائب مدیر)

(اہل حدیث سوہدرہ)

سوال :۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اسلام میں سودی لین دین بدترین جرم ہے۔ قرآن نے اس جرم کے لیئے ہمیشہ عذاب کی وعید سنائی ہے اور حدیث شریف میں اس کے کمتر درجے کے گناہ کو ماں سے بدکاری کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے ؟

موجودہ دور میں سود کے بارہ میں کئی قسم کی مشکلات پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں، شاید اس لیئے عام مسلمان غلط فہمیوں کا شکار ہیں، حتّٰی کہ دیندار قسم کے لوگ بھی اب بے دھڑک سودی لین دین کر

رہے ہیں، وضاحت کے لیے تفصیلی طور پر سود کی عام مروجہ صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ برائے کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں حقیقتِ حال سے مطلع فرما دیں تاکہ اس جرم عظیم سے بچا جا سکے۔ (جزاک اللہ)

جواب: ہاں سود کے متعلق قرآن نے بڑی وعید و دھمکی سنائی ہے۔ حدیث میں سود کے ستر درجوں میں سے ادنیٰ کو ماں کے ساتھ زنا کرنے کے برابر قرار دیا ہے، یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں موجود ہے، مسلمان جو کچھ کر رہے ہیں، وہ غیر مسلم اقوام کی نقالی میں کر رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مسلمان نصرت الٰہی اور عون خدا سے محروم ہو گئے ہیں۔

سوال: ہر بینک ہر جمع شدہ رقم کو سودی قرضوں کے لین دین پر لگاتا ہے اس لیے کیا بینکوں میں روپیہ جمع کرانا جائز ہے؟

دیگر: بینک میں روپیہ جمع کرنے کی تین عمومی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

پہلی عام صورت:۔ (عموماً سب لوگ یہی صورت اختیار کرتے ہیں) یعنی بینک میں روپیہ جمع کرانا اور اس کے ساتھ سود بھی وصول کرنا۔

دوسری صورت:۔ یہ ہو سکتی ہے کہ بینک والوں کو لکھ کر دے دیا جائے کہ ہمیں سود نہیں چاہیے اس لیے اصل کے ساتھ سود کا اندراج نہیں ہو گا، اگرچہ اس رقم کو بھی بینک بدستور سودی قرضوں میں لگائے گا۔

تیسری خاص صورت:۔ یہ ہو سکتی ہے کہ اپنے روپے کو بینک کی تجوری (لاکر LOCKER) میں رکھ دیا جائے۔ یہ تجوریاں (لاکر) بینکوں میں دستیاب ہیں، ان میں لوگ زیورات وغیرہ رکھتے ہیں، اپنی اپنی تجوری کا کرایہ بینک کو ادا کرنا پڑتا ہے۔

جواب: قرآن و احادیث کی رو سے یہ پہلی صورت جائز نہیں ہے، کیونکہ اسلام نے غریبوں محتاجوں اور ضرورت مند لوگوں کو بلا سود قرض دینے کا حکم فرمایا ہے اور سود خوار (خواہ امیر ہو یا غریب) کو لعنتی قرار دیا ہے، وجہ یہی ہے کہ بلا سود قرض ملنے کی صورت میں ایک غریب یا ایک چھوٹا کاروباری آدمی اللہ کے فضل سے بآسانی ترقی کر سکتا ہے، اس کے مقابلے میں سود ادا کرنے کی صورت میں مثلاً ایک آدمی دس ہزار روپے کا مقروض ماہانہ سود بھی ادا کرے، دوکان کا کرایہ، مکان کا کرایہ بھی برداشت کرے، نیز اپنے بال بچے بھی پالے، اس طرح اس کا دیوالیہ نکل جاتا ہے، ہمارے تجربہ میں ایسے

کئی افراد موجود ہیں کہ سودی قرض پر کاروبار کرکے سود کے تلے دب کر اپنی ملکیتی مکان سے بھی محروم ہو گئے۔ عوام الناس تو اپنی جگہ ہے، دنیا کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں بڑی بڑی خونخوار سرمایہ دار حکومتوں کے سود تلے دب کر دم توڑ رہی ہیں، چونکہ اسلام کی انگلی فطرتِ انسانی کی نبض پر ہے، اسلام کے نازل کرنے والا عالم الغیب والشہادۃ کو علم ہے کہ یہ سود انسان کے لئے اور اس کی ترقی کو تباہ کرنے میں ناسور کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے اسے حرام قرار دیا ہے، سوال میں ذکر کردہ دوسری اور تیسری صورت جائز ہے مگر شرط کے ساتھ۔

سوال :۔ مندرجہ بالا تین صورتوں میں کون سی صورت جائز ہے؟

پریڈیڈنٹ فنڈ کا مسئلہ

لازمی نہیں بلکہ خواہش مند ملازمین کی تنخواہ میں سے سوا چھ فیصد کٹوتی کی جاتی ہے، پھر اتنی ہی رقم کمپنی یا محکمہ اپنی طرف سے (پنشن وغیرہ کے بدل میں جمع کرتا رہتا ہے چونکہ محکمہ ملازم کی اس مجموعہ رقم کو اپنے تصرف میں رکھتا ہے (یا بینک میں جمع کراتا ہے) مگر ملازم کو ملازمت کے اختتام پر اور دورانِ ملازمت میں بھی ہر سال اس کی رقوم کا گوشوارہ پیش کیا جاتا ہے، مثلاً زید کو ایک سال پورا ہونے پر مندرجہ ذیل گوشوارہ پیش کیا گیا۔

زید کی تنخواہ میں سے پہلے سال (۱۲ ماہ) کی پریڈیڈنٹ فنڈ کٹوتی کی رقم ۲۵۰/روپے محکمہ نے اپنی طرف سے پہلے سال (۱۲ ماہ) میں جو رقم زید کے فنڈ میں شامل کی ۲۵۰/روپے ایک سال کا سود جو کل رقم پانچ سو روپے پر زید کو ملے گا۔ ۲۰/روپے۔

اس وقت کل رقم جو زید کو واجب الادا ہو چکی ہے = ۵۲۰/روپے۔

(ایسا ہی گوشوارہ ہر سال ملتا ہے مگر رقوم کی ادائیگی ملازمت کے اختتام پر ہی ہوتی ہے)

جواب :۔ دوسرے سوال میں ذکر کردہ پہلی صورت ناجائز ہے، باقی دوسری اور تیسری صورت میں جمع کرنے والے نے سود سے انکار کیا ہے، لہٰذا یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، ان دو صورتوں میں سے بھی دوسری صورت تب جائز ہے کہ وہ آدمی روپے کی حفاظت کے معاملے میں مجبور ہو جائے، اور چور ڈاکو کا خطرہ ہو ورنہ نہیں۔

سوال :۔ چونکہ اصلی رقم تو صریحاً زید کی ہی ہے جو کہ بانند بینک محکمہ میں جمع ہوتی رہتی ہے،

اس لئے کیا زید کو ہر سال اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ اگر واجب ہوگی تو کتنی رقم پر ۵۰ ۲ پر یا ۵۰۰ پر ہے؟

مثلاً زید دس سال بعد جب ملازمت سے علیحدہ ہوا تو اسے یوں گوشوارہ پیش کیا گیا، زید کی دس سال کی پریذیڈنٹ فنڈ میں تنخواہ کی کٹوتیوں کی کل رقم ۳۰۰۰۔

دس سال میں جو رقم محکمہ نے اپنے پاس سے زید کے فنڈ میں شامل کی: ۳۰۰۰

دس سال میں محکمہ نے جو ۶۰۰۰ پر زید کو سود دیا: ۱۶۹۵ روپے۔

پریذیڈنٹ فنڈ کے سلسلہ میں کل رقم جو زید اب محکمہ سے وصول کرے گا: ۷۶۹۵ روپے۔

جواب:۔ سود کے علاوہ جو زید کی اپنی ملکیتی رقم ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی جبکہ اس پر سال پورا ہو جائے اور رقم میں جو سود ہے، اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی، کیونکہ یہ زید کی ملکیت نہیں ہے۔

(اہلحدیث لاہور جلد ۳ شمارہ ۲۹)

پریذیڈنٹ فنڈ کا شرعی حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ:۔

میں ایک سرکاری ملازم ہوں تنخواہ ۲۰۰/- روپیہ ماہوار ہے۔ ہر ماہ تنخواہ سے ۱۰/- روپے ماہانہ بغیر میری رضامندی سے گورنمنٹ کی طرف سے کاٹ لئے جاتے ہیں، کیونکہ حکومت نے (COMFULSARY) G.P. FUND یعنی ضروری بہر حالت میں کاٹنے کا حکم دے رکھا ہے، خواہ ملازم کی مرضی ہو یا نہ ہو۔ کاٹی ہوئی رقم کے اوپر حکومت کی طرف سے ۶/- روپے سالانہ سود دیا جاتا ہے تاہم یہ گنجائش بھی ہے کہ اگر کوئی سود نہ لینا چاہے تو نہ لے۔ لیکن اگر ملازم سود نہ بھی لے تو بھی رقم اس اس کو ریٹائرمنٹ پر ہی مل سکتی ہے، اس وقت تک حکومت اس کی رقم کو اپنے کاروبار میں استعمال کرتی رہے گی، اور ریٹائرمنٹ کے بعد اصلی رقم جتنی اس کی جمع ہے وہی ملے گی۔ اس وقت بندہ کا تقریباً ۱۶۰۰/- روپیہ حکومت نے کاٹ لیا ہے۔ جس پر تقریباً ۱۰۰/- روپیہ سالانہ سود بنتا ہے۔ میرے لئے سود لینے سے انکار کر دینا بہتر ہے، یا سود وصول کر کے کسی محتاج کو دینا بہتر ہے یا میرے اپنے لئے اس کا استعمال جائز ہے۔ اس وقت میں نے سود لینا چھوڑ رکھا ہے۔ لیکن اگر حکومت سے وصول کر کے

کسی محتاج کو دینا بہتر ہے تو بندہ حکومت سے وصول کر کے کسی محتاج کو دے دے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے۔ جو بہتر صورت ہے برائے مہربانی جواب دے کر مشکور فرمائیں عین نوازش ہو گی۔

(نوٹ) حکومت خاص ضرورت کے وقت صرف ۳ ماہ کی تنخواہ کے برابر ۴۰۰۰۔ ۶ میں سے رقم دیتی ہے، جس کی قسطیں مقرر کی جاتی ہیں اور بمعہ سود ان قسطوں میں کاٹ لیا جاتا ہے، اور ماہوار قسط بھی ساتھ جاری رہتی ہے۔ (ڈاکٹر مختار احمد بھٹہ۔ راجہ جنگ ضلع لاہور)

جواب:۔ جب یہ رقم جو کٹوتی پر سالانہ زائد ملائی جاتی ہے، سود ہے تو ایک مسلمان کے لئے اس اعتبار سے اس کا عدم وجود برابر ہے کہ اس زائد رقم کا اصل رقم سے کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔ وہ اگر وصول کی جائے تو کس حیثیت سے وصول کی جائے، اور کیا سمجھ کر وصول کی جائے؛ جہاں تک ربٰو اور سود کا تعلق ہے وہ قطعی حرام ہے، اس کا استعمال بھی جائز نہیں چہ جائیکہ اسے کسی محتاج کو دے کر ثواب کی امید رکھی جائے، صدقہ تو حلال اور پاکیزہ مال سے دینا چاہیئے۔ حدیث شریف میں وارد ہے:۔

لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّيِّبَ متفق عليه عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ (مشکوٰۃ باب فضل الصدقۃ)

یعنی اللہ تعالیٰ پاکیزہ مال سے صدقہ قبول فرماتا ہے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم۔

(اخبار الاعتصام لاہور جلد ۲۱ شمارہ ۳۳/۳۴)

سوال:۔ کیا زید کے لیے پراویڈنٹ فنڈ کے لئے کٹوتیاں کرانا جائز ہے جبکہ اس میں سود کا خدشہ ہے، مگر دیگر صورت میں زید سود کے ۶۲۵ روپے سے ہی محروم نہ ہوتا بلکہ محکمہ کے شامل کردہ تین ہزار کے فائدہ سے بھی محروم رہتا؟

اگر زید محکمہ کو لکھ کر دے دیتا ہے کہ مجھے سود نہیں چاہیئے تو اس طرح اس کے فنڈ میں سود کا اندراج نہ ہوتا، اور اسے چھ ہزار روپیہ مل جاتا ہے، تو کیا یہ صورت صحیح ہے؟

اڑھائی ٪ فیصد شرکت کا مسئلہ

چند سال سے حکومت نے ملازمین کے لئے ایک نیا قانون "شرکت کھاتہ" کا بنایا ہے جس کی رُو سے محکمہ خود بخود ہر سال اپنے سالانہ منافع کا اڑھائی فیصد حصہ ملازمین کے نام شرکت کھاتہ میں جمع کرتا رہتا ہے، یہ شرکت کھاتہ کی رقوم بھی پراویڈنٹ فنڈ کی طرح صرف ملازمت سے علیحدگی پر

ہی مل سکتی ہے، اگرچہ شرکت کھاتہ کی ساری رقوم محکمہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، مگر چونکہ ملازمین کے نام جمع ہوتی ہیں، اس لیے ان میں سود بھی شامل ہو تا رہتا ہے۔

ایک خاص بات اس میں یہ کی گئی ہے کہ اصل شرکت کھاتہ کی رقوم تو محفوظ رکھی گئی ہیں مگر ان پر لگایا گیا گذشتہ تین سال کا سود اب ادا کیا جا رہا ہے۔ شاید ہنگامی حالات کی وجہ سے گذشتہ سال بسال سود کے پیسے نہیں ملتے تھے، خیال ہے کہ آئندہ سود کے پیسے تو ہر سال ملتے رہیں گے مگر شرکت کھاتہ کی اصلی رقوم بدستور جمع ہوتی رہیں گی، اور ملازم کی ملازمت کے اختتام پر ہی ملے گی، اس شرکت کھاتہ کے گوشوارے کچھ اس قسم کے بنائے گئے ہیں۔

کل رقم	تیسرے سال	دوسرے سال	پہلے سال
۱۷۵۰	۶۰۰	۶۵۰	۵۰۰
۲۰۴	۱۰۵	۶۹	۳۰

اڑھائی فیصد منافع کی نسبت سے محکمہ نے گذشتہ تین سال میں جو رقم زید کے نام اس کے شرکتِ کھاتہ میں جمع کی ہوئی ہے ۱۷۵۰، ان رقوم پر سود کا اندراج جو تین سال میں ہوا ۳۰، ۶۹، ۱۰۵ گذشتہ تین سال کے کل سود کے پیسے جو زید کو ادا کیئے جاتے ہیں ۲۰۴ روپے۔

جواب:۔ اگر معلوم ہو جائے کہ محکمہ یہ کٹوتی سود کے مال سے دیتا ہے تو پھر قرآن واحادیث کی رُو سے اس کا لینا قطعًا ناجائز ہے، اگر اس قسم کا علم نہیں ہے تو پھر جائز ہے، کیونکہ حکومت کے پاس یا محکمہ کے پاس سارا مال سود کا نہیں ہوتا۔

سوال:۔ اس شرکت کھاتہ کی اصل رقوم جواب تک ۱۷۵۰ روپے بنی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس رقم پر لگائے گئے سود ۲۰۴ روپے کا کیا حکم ہے، اگر یہ ۲۰۴ روپے سود ہی ہے اور زید وصول کر چکا ہے تو اب کیا کرے؟ کیا محکمہ کو واپس کر دے؟

سودخواری کا مسئلہ!

شاید غلط فہمیوں کی بنا پر سودی لین دین کرنے والوں کی عموماً مندرجہ ذیل اقسام ہیں!

پہلی قسم:۔ ایک گروہ کا تو یہ کہنا ہے کہ چونکہ محکمہ یا بینک ہمارے پیسے سے فائدہ اٹھاتا ہے، اس لیئے اپنی اصل رقوم کے ساتھ سود لینا بالکل جائز ہے، اور اصل کی طرح حلال ہے۔

دلیل یہ دیتے ہیں کہ سود حرام تو وہ ہوتا ہے جو کسی غریب سے اصل کے ساتھ طلب کیا جائے یا یہ کہتے ہیں، اگر سود کو ایسا ہی حرام قرار دے دیا جائے تو پھر دنیا کا کام ہی نہیں چل سکتا، کیونکہ اکثر کارخانے سودی قرضوں سے چلائے جاتے ہیں، اور تقریباً سب ادارے بنکوں کے ذریعہ ہی سے لین دین کرتے ہیں۔

جواب:۔ صحیح اس کا طریقہ وہی ہے کہ رقم کو واپس محکمہ کے حوالے کیا جائے۔

سوال:۔ اس گروہ کا سود کو حلال جاننا کیسا ہے، اور اس کے کچے دلائل شریعت کے حکم کے سامنے کیا کچھ حیثیت رکھتے ہیں؟

دوسری قسم:۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اصل کے ساتھ سود کے پیسے ضروری لے لینے چاہئیں تاکہ ان سود کے پیسوں کو بغیر ثواب کی نیت کے کسی کارِ خیر میں لگایا جا سکے، مثلاً کسی غریب قرضدار یا بیمار و تنگدست کی مدد کر دینا، یا رفاہِ عامہ کے کام جیسے گلی بنوانا اور سڑک مرمت کرانا یا کسی مسجد کے استنجا خانے و نالیاں وغیرہ بنا دینا وغیرہ وغیرہ۔

جواب:۔ ان لوگوں کے دلائل صحیح نہیں ہیں، کیونکہ قرآن نے سود کو علی الاطلاق حرام قرار دیا ہے، کسی کے مال کو ناحق لے کر رفاہِ عامہ کا کام کرنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی، ان کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ سود غرباء سے لینا حرام ہے، اغنیاء سے جائز ہے کیونکہ یہ فرق شریعت نے قائم نہیں کیا اس سے تو سود کو حلال کرنے کا چور دروازہ کھلتا ہے جس کو شریعت بند کرتی ہے، شریعت کا منشاء یہ ہے کہ ضرورت مند کو بغیر سود کے رقم ملے اور اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد واپس کر دے، قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس کے پاس فالتو مال ہے اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچا کر اللہ سے اجر پانا چاہیے۔ اس کے مقابلے میں سرمایہ دارانہ نظام اور سوشلسٹ نظام دونوں اپنی جگہ خود غرض ہیں، لوگوں کو چند پیسے کا لالچ دے کر روپے جمع کر کے اپنا الّو سیدھا کرتے ہیں، اور آپس میں مفت تعاون کا سلسلہ بند کر دیتے ہیں۔

سوال:۔ کیا دوسری قسم کے لوگ جو سود کی رقم کو ضرور وصول کر کے کارِ خیر میں لگانے کو بہتر سمجھتے ہیں، کیا ایسے لوگ پہلے گروہ سے زیادہ مجرم نہیں ہیں، یا کہ ان کا یہ خیال صحیح ہے؟

تیسری قسم:۔ چند صاحبان کا یہ خیال ہے کہ بنک یا محکمہ والوں کو یہ لکھ کر دے دینا چاہیئے

کہ ہمیں سود نہیں چاہیئے اس طرح ان کی اصلی رقوم کے ساتھ سود کا اندراج نہیں ہوگا، اور اگر ارادۃً یا غیر ارادی طور پر سود لگ بھی جائے تو اسے وصول نہیں کرنا چاہیئے، حتیٰ کہ اگر وصول کیا جا چکا ہے، تو بھی اسے واپس کر دینا چاہیئے اگرچہ اندراج سود کے پیسے ہمیشہ کے لیئے بینک یا محکمہ کے تصرف میں رہیں یا جو چاہیئے کوئی ملازم و کلرک کھا جائے؟

جواب ۱: بہرحال جو لوگ سود کو حلال سمجھتے ہیں وہ تو بالاتفاق کافر ہیں اور جو لوگ اس کو حرام سمجھتے ہیں اور لینے کا ارتکاب بھی کرتے ہیں وہ بالاتفاق فاسق اور مجرم ہیں۔

سوال ۱: کیا یہ تیسری قسم کے صاحبان کا خیال صحیح ہے یا کہ اندراج شدہ سودی رقم کو وصول کر کے ضائع ہی کر دینا زیادہ مناسب ہے؟

جواب ۱: لے کر ضائع کرنے کی بجائے لینے سے انکار کرنا درست ہے، اگر کسی کے کھا جانے کا اندیشہ ہو تو بینک کے انچارج کو لکھ دینا چاہیئے کہ میں سود وصول نہیں کروں گا۔

(اہلحدیث لاہور جلد ۳ شمارہ ۲۵)

باب المضاربت

(حضرت العلام مولانا سلطان محمود شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ مولوی عبدالرحمٰن کا امامیہ کالونی شاہدرہ میں ایک بھٹہ ہے جس میں وہ اکیلے دن رات رہتے ہیں لیکن ان کا کنبہ لاہور وسن پورہ میں مقیم ہے، وسن پورہ میں مولوی ابوبکر صدیق نے بھٹہ میں حصہ حاصل کرنے کی خواہش کی اور پانچ ہزار روپیہ برائے مضاربت دے دیا۔

بعدازاں مولوی ابوبکر صاحب کے دل میں ازخود یہ خیال تھا کہ ایک ہزار روپیہ مزید ترسیل کیا جائے چنانچہ اس نے ۲/جنوری ۷۲، ۱۹ کو ساڑھے آٹھ صد روپیہ مولوی عبدالرحمان کا بیٹا نجیب الرحمٰن کے گھر پہنچاتا ہے تین مسلح ڈاکو اسی رات مولوی عبدالرحمٰن کے گھر ڈاکہ ڈالتے ہیں مولوی عبدالرحمٰن کی بیوی کو جان سے مار دینے کی دھمکی دیتے ہیں بیوی نے ۱۱۵۰/- روپیہ۔ ایک گھڑی۔ ایک دو بالیاں۔ دے کر جان چھڑائی، شبہ یہ بھی ہے کہ وہ ڈاکو۔

اس واقعہ کو معلوم کر کے مولوی ابوبکر نے مزید ڈیڑھ صد روپیہ کسی آدمی کے ہاتھ بھیجا اور ساتھ ہی یہ رقعہ تحریر کیا۔ بسم اللہ ! محترمی مولوی عبدالرحمٰن گیلانی زید مجدہ السلام علیکم ! مزاج شریف ! قبل ازیں مبلغ ساڑھے آٹھ صد روپیہ بھیج چکا ہوں ، اب مزید ڈیڑھ صد روپیہ بھیج رہا ہوں ، اب یہ کل رقم ایک ہزار روپیہ ہو گیا ، اس رقم کو پہلی پانچ ہزار میں شامل فرمالیں اب آپ کے پاس کل چھ ہزار روپے ہو گئے۔

(آپ کا مخلص ، ابو محمد صدیق) ۲۱؍۴

جو شخص مولوی عبدالرحمٰن کو حادثے کی اطلاع دینے گیا وہی یہ رقعہ اور ڈیڑھ صد روپیہ لے کر گیا ، اب یہ رقم جو مولوی عبدالرحمٰن کے مشورہ اور علم کے بغیر از خود مولوی ابوبکر نے بھیجی وہ مولوی عبدالرحمٰن تک پہنچنے سے پہلے ہی ڈکیتی کا شکار ہو گئی ، بلکہ کچھ اور بھی لے ڈوبی اور ہو سکتا ہے کہ وہ ڈکیتی کی بنیاد بھی ہو تو کیا یہ رقم مولوی عبدالرحمٰن کو واپس کرنا آتی ہے ؟ بینوا توجروا۔

(السائل عبدالصمد ، محمد مسلم گیلانی ، کوٹ شاہ محمد ، ضلع شیخوپورہ)

الجواب بعون الوہاب : عبارت سوال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساڑھے آٹھ سو روپیہ جو پہلی مضاربت کے انعقاد کے بعد مولوی ابوبکر صاحب نے بھیجا ہے وہ روپیہ نہ تو مولوی عبدالرحمٰن صاحب کی طلب پر بھیجا ہے ، اور نہ ہی مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے خود یا اس وکیل نے قبضہ کیا ہے ، اس لئے یہ روپیہ مولوی عبدالرحمٰن کی ذمہ داری میں نہیں آیا ، یہ روپیہ مضاربت کے رأس المال میں اس وقت شمار ہوتا جب مولوی عبدالرحمٰن صاحب اسے اس کام کے لئے قبول کر لیتا ، پس ان حالات میں یہ روپیہ قابض کے پاس بطور امانت تھا جس کے ضائع ہونے پر قابض پر کسی قسم کی واجب نہیں۔

(سلطان محمود شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد)

دار الحرب میں سود

از : مولانا عبدالسلام دہلوی

سوال : (۱) دار الحرب میں سود لینا جائز ہے یا نہیں ؟ (ب) ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام ؟

جواب : (۱) سود لینا دینا مسلمان موحد کے لئے ہر جگہ حرام ہے خواہ دار الاسلام ہو یا دار الحرب ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ،

(البقرۃ پ ۳ ع ۳۸) جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (اپنی قبروں سے) اس طرح سے اٹھیں گے جیسے وہ شخص اٹھتا ہے جس کو آسیب نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو یہ اس لئے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ کسی چیز کا بیچنا بھی سود کی طرح ہے حالانکہ اللہ نے بیع (سوداگری) کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔ اور فرمایا:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ (البقرۃ پ ۳ ع ۳۸) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان دار ہو۔ اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ اور رسول سے جنگ کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ

(آل عمران پ ۴ ع ۱۴)، اے ایمان والو سود در سود دگنا چوگنا مت کھاؤ۔ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو۔

یہ تینوں آیات کریمہ مطلق اور عام ہیں، کسی خاص جگہ کے لئے مخصوص نہیں ہیں، لہٰذا ہر جگہ سود لینا دینا حرام ہے، خواہ دار الحرب ہو یا دار الاسلام ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں سے بھی تعمیم معلوم ہوتی ہے، اور بعض الناس جو دار الحرب میں سود لینے کے جواز میں حدیث لا ربو بین المسلم والحربی فی دار الحرب پیش کرتے ہیں وہ صحیح متصل نہیں ہے، مزید تفصیل درایہ فی تخریج احادیث الہدایہ میں ہے، لہٰذا نصوص قرآنیہ قطعیہ کے مقابل حدیث ظنی ضعیف مرسل کسی طرح قابل حجت نہیں ہے جیسا نور الانوار حسامی اور توضیح تلویح وغیرہ میں اس کی تشریح موجود ہے کہ خبر واحد ظنی اور پھر ضعیف مرسل سے کتاب اللہ تخصیص نہیں کر سکتے۔

(ب)، فقہاء حنفیہ کے نزدیک دار الاسلام کی یہ تعریف ہے کہ جس جگہ آزادی سے قرآن مجید کی تلاوت اور وعظ و نصیحت کر سکتے ہوں پنج وقتہ نماز جمعہ کی نماز اور عید کی نماز وغیرہ ادا کر سکتے ہوں، چنانچہ تنویر الابصار اور الدر المختار، و فصول عمادی و طحطاوی وغیرہ میں ہے کہ:۔ تَصِیْرُ دَارُ الْحَرْبِ دَارَ الْاِسْلَامِ بِاِجْرَاءِ اَحْکَامِ الْاِسْلَامِ کَجُمُعَۃٍ وَعِیْدٍ۔ اسلامی احکام نماز جمعہ و عید وغیرہ کے جاری کرنے سے دار الحرب دار الاسلام ہو جاتا ہے، ہندوستان میں پانچوں نمازیں جماعت سے اور جمعہ و عید کی نماز اسلامی شان سے مسلمان ادا کرتے ہیں وعظ و نصیحت بھی کرتے ہیں اور قرآن مجید کی تلاوت بھی کرتے ہیں آپ ہی فیصلہ کر لیں کہ ہندوستان کیا ہے،

واللہ اعلم بالصواب

از:۔ علامہ عزیز زبیدی۔ وار برٹن

مروّجہ دلالی اور آڑھت کی شرعی حیثیت

ایک استفتاء اور اس کا جواب

(۱) دلالی :۔ جہانیاں سے مولانا عبدالسلام اور مولانا حافظ عبدالقادر صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

۱:۔ ہر ملک میں دلالی کا جو نظام رائج ہے با اجرت یا بلا اجرت وہ شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

۲:۔ کیا آڑھتی بھی اس ضمن میں آتے ہیں یا نہیں ؟ (مختصراً)

الجواب

دلالی :۔ احناف کا خیال ہے کہ لوگ اس کے ضرورت مند ہیں لہٰذا جائز ہے، اجرت پر ہو تو وہ متعین ہونی چاہیئے!

سئل عن محمد بن سلمة عن اجرة السمسار فقال ارجوانه لاباس به وان کان فی الاصل فاسد لکثرة التعامل وکثیر من ھذا غیر جائز نجوزہ لحاجة الناس الیه کدخول الحمام (رد المختار، ج ۵ ص۵۳)

اگر فقہاء کا یہ اصول تسلیم کر لیا جائے تو پھر دورِ حاضر میں شاید ہی کوئی بات ممنوع رہ جائے. کیونکہ اکثر منہیات عام بھی ہیں اور لوگ ان کے ضرورت مند بھی جیسے سودی کاروبار۔

امام نووی نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کا جو قول نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سامنے لوگوں کی "ضرورت" نہیں بلکہ اصل جذبہ "الدین النصیحة" ہے اجرت پر ہو یا بلا اجرت۔

وقال عطاء ومجاھد وابو حنیفة یجوز بیع الحاضر للبادی مطلقا لحدیث "الدین النصیحة"
(شرح مسلم ص۲ کتاب البیوع)

وبھذا اتمسك فی جوازہ ابو حنیفة۔ (بدایة المجتھد ص۱۶۶)

اگر دلالی بلا معاوضہ ہو تو امام بخاری کے نزدیک بھی جائز ہے، کیونکہ یہ بات "الدین النصیحة" کے تحت آ جاتی ہے۔

قال ابن المنیر وغیرہ حمل المصنف النہی (انہ یبیع حاضر لباد) عن بیع الحاضر للبادی علے معنی خاص وھو البیع بالاجر اخذا من تفسیر ابن عباس وقوی ذلک لعموم الحدیث «الدین النصیحة» (فتح الباری ص۲۷۲/۸)

امام بخاری کی تبویب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

باب ھل یبیع حاضر لباد بغیر اجر وھی یعینہ او ینصحہ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا استنصح احدکم اخاہ فلینصح لہ ورخص فیہ عطاء (صحیح بخاری کتاب البیوع ص۲۸۹/۱)

لیکن کتاب الاجارۃ، باب اجر السمسرہ ص۳۰۳/۱ میں دلالی کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے، قال: ولم یرا بن سیرین وعطاء وابراھیم والحسن باجر السمسار باسا الخ۔

معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک یہ معروف «دجل» ہے وہ دلالی نہیں جو لا یبیع حاضر لباد میں ہے۔ اصل میں یہ ایک تکلیف ہے جو عموم حدیث کے خلاف ہے۔

شوافع کا نظریہ یہ ہے کہ عام ضرورت کی شے کوئی اجنبی دیہاتی لے کر آتا ہے، شہری اسے کہتا ہے کہ اسے میرے پاس چھوڑ جائیں، بتدریج اسے گراں قیمت پر بیچ کر دوں گا۔

قال اصحابنا والمراد بہ (ای بتحریم بیع الحاضر للبادی) ان یقدم غریب من البادیة بمتاع تعم الحاجة الیہ لیبیعہ بسعر یومہ فیقول لہ البلدی اترکہ عندی لابیعہ علے التدریج باغلی (نووی شرح مسلم ص۴/۲)

صحیح یہ ہے کہ، بطور پیشہ جیسا کچھ یہ نظام دلالی رائج ہو گیا ہے، جائز نہیں ہے۔ حضور کا ارشاد ہے۔

لا یبیع حاضر لباد (مسلم و بخاری وغیرہ)

کوئی شہری دیہاتی کے لئے دلالی نہ کرے۔

حضرت ابن عباسؓ سے کہا گیا کہ «حاضر لباد» کا کیا مطلب ہے؟

فرمایا، اس کی دلالی نہ کرے۔

فقلت لابن عباس ما قولہ حاضر لباد؟ قال لا یکون لہ سمسارا (مسلم ص۴/۲ و بخاری ص۳۰۳/۱)

امام بخاری اور دوسرے بعض آئمہ کے نزدیک اس سے مراد با اجرت دلالی ہے ان کی دلیل وہ روایت ہے جس کے آخر میں آیا ہے کہ، الا یہ کہ کوئی خیر خواہی کے جذبہ سے کرے۔

فاذا استنصح الرجل فلینصح لہ رواہ احمد من طریق عطاء بن السائب والبیہقی من طریق ابی الزبیر لکن العطاء مختلط وابا الزبیر مدلس) گو علی الانفراد یہ روایات متکلم فیہ ہیں تاہم بالکلیہ بیکار بھی نہیں ہیں. لیکن اس کے باوجود اس سے دلالی مراد لینا محل نظر ہے، صرف یہ کہ وہ اسے مناسب معلومات مہیا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے. اس کا قرینہ وہ روایت ہے جس میں آیا ہے کہ، گو وہ باپ یا بھائی کیوں نہ ہو۔

وان کان اباہ او اخاہ (رواہ ابوداؤد والنسائی) وان کان اخاہ لابیہ وامہ (بخاری و مسلم عن انس)

ظاہر ہے کہ اگر باپ یا بھائی یا ماں باپ کی طرف سے سگا بھائی ہو تو وہاں معاوضہ کی بات تو نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجود فرمایا، اس کی دلالی نہ کی جائے۔

محرک:۔ اس کی اصلی وجہ خود حدیث میں مذکور ہے کہ، اجارہ داری کا خاتمہ ہو اور آزادانہ خرید و فروخت ہو تاکہ خلق خدا کو آسانی سے روزی میسّر ہو۔

لا یبیع حاضر لباد دعوا الناس یرزق اللہ بعضہم من بعض (مسلم ص۲)

اگر صاحب مال اپنا مال لے کر خود گاہک سے معاملہ کرے تو بھاؤ اور نرخ میں جو گرانی راہ پا جاتی ہے اس کا یقیناً سدّباب ہو جائے۔ قال السندھی:۔

وذلک یتضمن الضرر فی حق العاضرین فانہ لو ترک البادی لکان عادۃ باعۃ رخیصا۔ (حاشیہ نسائی ۲ ص۲۱۵)

جب ہر دیہاتی اپنے گھروں میں گندم، باغ اور دوسرا مال خود بیچ سکتا ہے تو شہر میں جا کر ان کو کیا ہو جاتا ہے، زیادہ سے زیادہ چند دن کی ناتجربہ کاری ہے، اور وہ خود گھروں میں بھی برداشت کر لی جاتی ہے۔

دوسرا اس کا سبب "نجش" (ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی دینا) ہے وہ بیع پیع مسابقت کا نتیجہ ہو یا صرف فریب کا۔ بہرحال یہ دونوں "دلالی" کی زمین سے ابھرتے ہیں، اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے بھی روکا ہے، فرمایا:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن النجش (مسلم ص۳ وبخاری ص۲۸۷)

نجش کے معنی بدنیتی پر مبنی بولی دینا بھی مراد لی جائے، تو بھی دوسری حدیث سے اس مسابقت اور بڑھ چڑھ کر بولی دینے سے منع آگئی ہے گو وہ صرف لینے کے ارادہ سے بھی ہو۔ فرمایا:۔

لا یبیع بعضکم علی بیع اخیہ حتی یبتاع اویذر (نسائی ص ۲۱۵/۲)

ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر "دلالی" کی دردسری درمیان سے نکل جائے تو یقیناً اشیاء اس قدر گراں نہ ہوں۔

ہاں بعض استثنائی صورتوں میں جبکہ اس سے غرض خصوصی اعانت ہو تو اس کے لئے کوئی شخص بولی پر بولی بھی دے سکتا ہے، اور کوئی اس کی دلالی بھی کر سکتا ہے، کیونکہ یہاں مقصد کاروبار نہیں اعانت ہے واں چیزے دیگرے۔

عن جابر بن عبد اللہ ان رجلا اعتق غلاما لہ عن دبر فاحتاج فاخذہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال من یشتریہ منی فاشتراہ نعیم بن عبد اللہ بکذا و کذا فدفعہ الیہ (بخاری ص ۲۸۷/۱)

وقال الحافظ: "وورد فی البیع من یزید حدیث انس".

انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باع حلسا وقدحا وقال من یشتری ھذا الحلس والقدح فقال رجل اخذتھما بدرھم فقال من یزید نا عطاہ رجل درھمین نباعھما منہ اخرجہ احمد واصحاب السنن مطولا ومختصرا واللفظ الترمذی وقال حسن (فتح الباری ص ۳۶۶)

ہم بہرحال اس سسٹم کے قطعاً خلاف ہیں اور مندرجہ بالا احادیث سے ہمیں یہی بات قرین حکمت نظر آتی ہے کہ، خرید و فروخت کے سلسلے میں جو دلالی راہ پا گئی ہے وہ "اثمھما اکبر من نفعھما" کے قبیل کی چیز ہے۔ خود صحابہ کا یہ تاثر ہے کہ حضور نے "سمسار" (دلالی) کے نام کو بدل دیا تھا۔ کیونکہ اسے نیک شہرت حاصل نہیں ہے۔

آڑھتی آڑھتی اگر اجناس خود خریدتا اور آگے بیچتا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہاں اگر "دلالی" کا "پیشہ" بھی اختیار کرتا ہے تو یہ صورت صرف اسی حد تک ناجائز ہے، خواہ وہ کمیشن کے نام پر لیں یا چونگی کے نام پر سب دلالی ہے۔

دونوں صورتوں میں ہمارے بعض اہل حدیث علماء کے نزدیک یہ دلالی جائز ہے، (فتاویٰ ثنائیہ)

مولانا شرف الدینؒ نے بعض صورتوں میں ان سے اختلاف کیا ہے، باقی جماعت اسلامی

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نزدیک بھی "دلالی" کی کسی حد تک گنجائش ہے۔ (ملاحظہ

ہو رسائل و مسائل)، مگر تسامح سے خالی نہیں ہے۔ حضرت امام شوکانیؒ کے نزدیک دلالی

شرعاً ممنوع ہے خواہ اس کی کوئی صورت ہو۔ وقال:

واحادیث الباب تدل علی انہ لا یجوز للحاضر ان یبیع للبادی من غیر فرق بین ان یکون البادی قریبا لہ او اجنبیا وسواء کان فی زمن الغلاء اولا وسواء کان یحتاج الیہ اھل البلاد ام لا وسواء باعہ لہ علی التدریج ام دفعۃ واحدۃ۔ (نیل الاوطار ص۱۳۱)

پھر اسی سلسلے کی تخصیصات کا رد کرتے ہوئے امام ابن دقیق العید کا قول نقل کر کے تفصیل سے جواب دیا ہے۔

ولکنہ لا یطمئن الخاطر الی التخصیص بہ مطلقا فالبقاء علی ظواھر النصوص ھو الاولی فیکون بیع الحاضر للبادی محرما علی العموم وسواء کان باجرۃ ام لا وروی عن البخاری انہ حمل النھی علی البیع باجرۃ لا بغیر اجرۃ فانہ من باب النصیحۃ ویجاب عن تمسکھم باحادیث النصیحۃ بانہا عامۃ مخصصۃ احادیث الباب وعن القیاس بانہ فاسد الاعتبار لمصادمتہ النص علی ان احادیث الباب اخص من الادلۃ القاضیۃ بجواز التوکیل مطلقا فیبنی العام علی الخاص (واعلم) انہ کما لا یجوز ان یبیع الحاضر للبادی کذلک لا یجوز ان یشتری لہ ھذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ (نیل الاوطار ص۱۳۰)

(الاہلحدیث لاہور جلد ۱۱ شمارہ ۱۵)

باب آڑھت

سوال: زید کا ارادہ سبزی منڈی کھولنے کا ہے کیا وہ اجرت خرید و فروخت

(آڑھت) ہر دو فریقین بائع و مشتری سے مقرر کر سکتا ہے؟۔

جواب:۔ منڈیوں میں دو طرح کی اجرت ہوتی ہے ایک زمین کی ملکیت کی بنا پر لی جاتی، دوسری دو شخصوں کے درمیان سودا بنانے پر۔ پہلی ٹھیکہ کی قسم سے ہے جیسے کوئی شئی کرایہ پر دیدے اس کے جواز میں تو کوئی شبہ نہیں۔ دوسری دلالی ہے یہ بھی احادیث سے ثابت ہے

پہلی تو ہر صورت میں لے سکتا ہے، کیونکہ وہ زمین کا کرایہ ہے۔ دوسری اگر دو شخصوں کا سودا بنائے تو لے ورنہ نہ لے۔ کیونکہ وہ محنت کا عوض ہے، اگر بائع و مشتری اتفاقیہ آپ ہی آپ سودا کرلیں یا وہ دلال نہ بنا چاہیں تو یہ ان کو مجبور نہ کرے۔

(حضرت العلام حافظ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ روپڑی) (تنظیم اہلحدیث لاہور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

شیخ الحدیث مولانا ابوالبرکات احمد صاحب مدرس جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ

(تصدیق، حضرت مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی)

حضرت الاستاذ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسئلہ گروی کی جو مختلف صورتیں ہیں، ان کی وضاحت فرمائیں۔ اور یہ کن کن چیزوں میں ہو سکتی ہے، اور کن کن میں نہیں۔ نیز جسے پنجابی زبان میں گہنا کہتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے بعض اسے رہن میں شمار کرتے ہیں، اور بعض سود میں براہِ کرم وضاحت سے اس مسئلہ کے مالہٗ و ما علیہ پر تفصیلی بحث فرمائیں۔

جواب:۔ رہن (گرو) رکھنا دراصل قرض کی حفاظت کے لیے ہے، چنانچہ علماء اسلام رہن (گرو) کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ جعل مال وثیقۃ علی دین۔ یعنی کسی کے قرض پر کسی مال کو وثوق وحفاظت کا ذمہ دار بنانا۔ جس طرح کوئی قرض لیتے وقت کسی کو ضامن اور کفیل بناتا ہے اسی طرح گرو کی صورت میں منقول یا غیر منقول مال وجائیداد کو ضامن وکفیل بنا لیتے ہیں۔ رہن کا مقصد نفع یا سود حاصل کرنا نہیں ہے، بلکہ صرف قرض کی حفاظت مقصد

ہوتا ہے جیسا کہ وثیقہ لکھتے ہیں مخفف ہوتا ہے۔ لہٰذا غیر منقولہ جائیداد کا مثلاً دوکان مکان اور زمین وغیرہ کا کرایہ خود مالک ہی لے گا، روپے قرض دینے والے کے لئے وہ حرام ہے جیسا کہ آج کل اکثر لوگ کرتے ہیں۔ اسی طرح رہن والے مال کو غرق کر دینا بھی حرام اور ناجائز ہے یہ بھی حرام ہے مثلاً ایک شخص نے ایک ہزار کی رقم قرض کی ہے۔ اور ڈیڑھ ہزار (۱۵۰۰) کا مال رہن رکھا ہے، اور شرط یہ تھی کہ وقت مقررہ پر ادا نہ کرنے کی صورت میں اس سے رقم وصول کر لیں۔ اگر قرض لینے والا وقت مقررہ پر شرط کے مطابق ادا نہ کر سکا تو ڈیڑھ ہزار کی دولت کو ضبط کر لیتا ہے۔ یہ ناجائز صورت ہے۔

اس صورت میں شرعی قانون یہ ہے کہ اگر وقت مقررہ پر ادا نہ کر سکا اور رقم دینے والے کے پاس مہلت دینے کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ تو وہ جائیداد کو فروخت کر کے اپنی رقم ایک ہزار وصول کر لیں اور باقی رقم مالک کو واپس کر دیں۔ یہ فروخت کرنا بھی شرط کی صورت میں جائز ہے، ورنہ نہیں۔ اور بس۔

اگر رہن (گرو) والا مال منقولہ ہو مثلاً گھوڑا، اونٹ۔ گائے اور بھیڑ بکری وغیرہ ایسی صورت میں اگر گرو لینے والا اس کے چارہ وغیرہ کے اخراجات برداشت کرتا ہو تو پھر اس کے عوض میں اس پر سوار ہونا یا دودھ وغیرہ سے فائدہ اٹھا لینا جائز ہے۔ اکثر آئمہ کا مذہب یہ ہے کہ اس طرح فائدہ اٹھانا بھی جائز نہیں ہے، اور حدیث کی تاویل کرتے ہیں۔ حدیث سے ظاہر یہی ہے۔ کہ چارے وغیرہ کے عوض میں اس سے استفادہ جائز ہے۔

علماء محققین کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے۔ اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس کی تائید میں حدیث موجود ہے۔ (ہفت روزہ اہلحدیث لاہور جلد ۲ شمارہ ۵۸)

سوال: کمیشن پر تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔ کیونکہ کمیشن ایک قسم کی مزدوری ہے۔ (بشرطیکہ سود کے کاروبار کو کمیشن نہ شمار کیا جائے)۔

سوال: ایک تاجر کا دعویٰ ہے کہ اپنی چیز یعنی ایک روپے کی چیز کو دو یا تین روپے میں ہم فروخت کریں گے جس کا دل چاہے لے یا نہ لے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے۔

کہ بازار میں کسی چیز کا نرخ اگر دو آنے سیر ہے اور ہم دس آنے سیر دیں تو شرعاً کوئی گرفت نہیں۔ تو کیا اس کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا غلط؟

جواب:۔ تجارت میں دغا فریب منع ہے۔ اپنی چیز کی قیمت جتنی چاہے لے سکتا ہے خریدار کو منظور ہے تو لے ورنہ اختیار ہے۔ لیکن مقررہ وزن یا مقدار میں کمی نہیں کرنا چاہیئے۔ البتہ جن چیزوں کا نرخ سرکاری طور پر مقرر ہو چکا ہے تو اس کی پابندی کرنی بھی ضروری ہے۔ (مولانا عبدالسلام البستوی دہلوی) (الاعتصام جلد ۲ شمارہ ۵)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سودی (بینکاری) کاروبار کرنے والا شخص جماعت اہل حدیث کا رکن یا عہدہ دار ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر ایسا شخص رکن ہے تو اس کو سودی کاروبار سے توبہ کرنی چاہیئے۔ اور جماعت کو چاہیئے کہ ایسے عہدیدار کو عہدہ سے ہٹا دیں۔ (حافظ محمد گوندلوی مرحوم)

(الاعتصام جلد ۲ شمارہ ۳۱ و ۳۲)

سوال:۔ حکومت بعض شعبوں کے ملازمین کی تنخواہ پر کچھ روپیہ منہا کر کے کچھ پاس سے خود ملا کر اپنے پاس جمع کر دیتی ہے، اور اس پر لازماً سود بھی لگاتی جاتی ہے، آخر کار ریٹائر ہونے پر ملازم کو اصل رقم مع سود دے دیتی ہے، کیا یہ سب کچھ جائز ہے۔

(بابو عبدالحمید راولپنڈی)

جواب:۔ ملازم سرکار سے سب کچھ وصول کرلے، بعد میں دیانت سے اپنی اصل رقم اور سرکار کا عطیہ الگ کرلے، یہ حلال ہے، اور اتنی میعاد میں جس قدر سود ملا ہے، دل بڑا اور کڑا کر کے سود کی رقم منہا کر دے، یہ سود کی رقم حرام ہے، اس کا آٹا دانہ لے کر آزاد جنگلی جانوروں کو کھلا دے، یا کسی دوسرے سود کے چکر میں پھنسے شخص کو دے کر اس کے صرف سود کے بوجھ کو اتار دے یا کسی بے حد غریب کو جس پر مردہ تک کھانا روا ہے اسے دے دے، ہاں اگر ابتداً کسی صورت سرکار ہی سے سود نہ لے تو سب سے بہتر ہے، مگر سرکار دیتی ضرور ہے، اور یہی بڑی مصیبت ہے۔

(اہلحدیث دہلی جلد ۱۵ شمارہ ۶ و ۷)

سوال: (۱) کوئی آدمی بینک کی معرفت ٹریکٹر خریدتا ہے، نقد پندرہ ہزار لیکن سود لگا کر اٹھارہ ہزار روپے میں دیتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

۲: کوئی آدمی ایک چیز نقد سو روپے میں دیتا ہے۔ لیکن جب ادھار دیتا ہے تو دو سو روپے میں دیتا ہے، جیسے آج کل ٹریکٹر یا ٹرک وغیرہ کی خرید ہوتی ہے نقد کی قیمت کم لیکن قسطوں پر زیادہ؟

۳: کسی آدمی کے ذمے سودی قرضہ ہے دوسرا آدمی اپنے پیسوں کا سود لے کر اسے دے سکتا ہے یا نہیں؟ یا ویسے کوئی آدمی مقروض ہے اسے بھی دے سکتے ہیں یا کہ نہیں؟

۴: کوئی آدمی بینک میں پیسے رکھتا ہے تو اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حساب میں تو رقم والے سے کچھ لیتے ہیں۔ دوسرے حساب میں رقم والے کو کچھ دیتے ہیں۔ اب یہ سود اگر کوئی لے تو اسے کہاں خرچ کر سکتا ہے، کیا کسی محتاج کو یا مقروض کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

(عبداللطیف جڑانوالہ۔ فیصل آباد)۔

جواب: (۱) قرآن مجید اور حدیث کی رو سے یہ ناجائز ہے۔

۲: قرآن کی رو سے یہ جائز ہے۔ کیونکہ قرآن میں ہے۔ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا الخ اللہ تعالیٰ نے بیع (لین دین کو بطور تجارت) کو حلال کر دیا اور سود کو حرام کر دیا ہے، یہ تو بیع کی صورت ہے۔ سود کی تعریف میں اس قسم کی بیع شامل نہیں ہے۔

۳: لعن اللہ اکل الربو ومؤکلہ۔۔۔ آیت سود کے تحت یہ دونوں کام حرام ہیں۔

۴: اس قسم کی رقم لینا سود لینے میں شامل۔ یہ کہیں قرآن و حدیث میں نہیں آیا کہ محتاج آدمی کے لیے سود کی رقم جائز ہے۔ لہٰذا اس قسم کی رقم قبول کرنا نہیں چاہیئے۔ حدیث میں یہ بھی نہیں آیا کہ محتاج آدمی کے لیے سود کھانا جائز ہے۔ ہاں مردار وغیرہ کھانے کی اجازت محتاج کو دی گئی ہے۔ لیکن دوسرے کا حق کھانے کی اجازت نہیں ہے۔ لہٰذا اسے مقروض آدمی کو بھی نہیں دینا چاہیئے۔

(حافظ محمد گوندلوی) (الاعتصام لاہور جلد ۲۰ شمارہ ۳۱)

سوال: گندم کا بھاؤ بازار میں ۴۲ روپے بوری ہے، ایک شخص ۵۰ روپے بوری بیچتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟ (ایضاً)

جواب: اگر لینے دینے والا راضی ہے تو شرعاً جائز ہے، صرف تجارتی نقطہ نگاہ سے وہ گراں فروشی مشہور ہو کر بدنام ہوگا۔ (اہل حدیث سوہدرہ جلد ۱۳ شمارہ ۹)

سوال: اہل ہنود کے میلوں یا مسلمانوں کے عرس میں بغرض تجارت اپنا سامان لے جانا کوئی چیز خریدنے کے لئے جانا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اہل ہنود کے میلوں یا مسلمانوں کے عرس میں تجارت یا کسی اور غرض سے شریک ہونا درست نہیں بلکہ عقلاً اور نقلاً ہر طرح قبیح ہے، ہندوؤں کے تمام میلے شرکیہ اور فسقیہ ہوتے ہیں پھر وہ غیر مسلموں کے تہوار ہیں اور عرس خود ایک بدعت ہے، پھر اس میں شریک ہونے والے عموماً فساق و فجار اور مبتدعین ہوتے ہیں اور اس اجتماع میں شرک اور فسق و فجور کا بازار گرم ہو جاتا ہے، ظاہر ہے کہ ایسے خلاف شرع اور ناپاک بیہودہ مجمع میں خرید و فروخت وغیرہ کی غرض سے بھی شریک ہونا کیونکر مباح اور جائز ہو سکتا ہے، مومن کی شان قرآن کریم میں یہ بیان فرمائی گئی ہے: وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ اور ارشاد ہے: فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ اور ارشاد ہے۔ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ اور آنحضرتؐ فرماتے ہیں: مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ خرید و فروخت کی نیت سے شریک ہونے والوں کا مقصد اگرچہ مراسم شرکیہ و فسقیہ میں شریک ہونا نہیں ہوتا اور نہ تکثیر مجمع مدنظر ہوتا ہے، لیکن بلا ارادہ اس خلاف شرع مجمع کی رونق بڑھانے کا ذریعہ بن جاتا ہے، میلے اور عرس کو بازار پہ قیاس کرنا کھلی ہوئی غلطی ہے۔

(مولانا عبیداللہ رحمانی) (محدث دہلی جلد ۹ شمارہ ۲)

سوال: بعض لوگ چھ پائلی (ایک پیمانہ) دھان دیکر چار مہینے کے بعد ۱۲ پائلی لیتے ہیں کیا یہ سود میں داخل ہے؟

جواب: یہ صورت سود میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز اور ممنوع ہے خواہ یہ معاملہ بیع و شراء (خرید و فروخت) کی صورت میں ہو یا قرض اور ادھار کی شکل میں بہر صورت ممنوع ہے

ہاں قرض کی صورت میں اگر قرض دہندہ دو گنا یا اصل سے کچھ زیادہ لینے کی شرط نہ لگائے نہ زیادہ دینے اور لینے کا دستور ورواج ہو اور نہ قرض لینے والا اصل سے زیادہ واپس کرنے کا وعدہ کرے بلکہ محض اپنی خوشی سے بغیر شرط کے اور بغیر دستور ورواج کے اور بغیر وعدہ کے کچھ زیادہ دے دے تو قرض دہندہ کے لئے اس کا لینا بلا شک وشبہ جائز ہوگا۔ تفصیل مع دلیل بخاری ص۳۲۱ ج ۱ ومسلم مد مؤطا مالک ص۲۸۳ وعالمگیری باب القرض والاستقراض ص۲۲ ج ۳ والمغنی ص۳۶۱ ج ودفتح القدیر صہ ومحلی للشیخ سلام اللہ قلمی مد میں ملاحظہ کیجئے اور بیع کی صورت میں یہ معاملہ مطلقًا ناجائز ہے، میرے نزدیک احتیاط اسی میں ہے کہ چاول اور دوسرے غلہ جات کو اشیاء ربویہ کے حکم میں قرار دے کر ان میں بھی ربوی معاملہ سے اجتناب کیا جائے۔

(عبید اللہ رحمانی محدث دہلی جلد ۱۰ شمارہ ۷)

سوال:۔ ایک دوکاندار نمک تیل وغیرہ کے ساتھ تمباکو سگریٹ بیڑی کی تجارت بھی کرتا ہے کیا اس کی تجارت جائز ہے اور اس کی دعوت وصدقہ قبول کرنا جائز ہے، حدیث شریف میں آیا ہے، کُلُّ مُسْکِرٍ وفی روایۃ اخری نھی عن کل مسکر ومفتر۔ آیا تمباکو مسکر ومفتر میں شامل ہے۔

جواب:۔ بعض علماء کے نزدیک تمباکو کھانا اور پینا ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ ان کی تحقیق میں تمباکو غیر عادی شخص کے حق میں مفتر (اعضاء میں سستی اور ڈھیلا پن پیدا کر دینے والا اور ان کو سُن اور بے حس کر دینے والا) اور مضر (حواس کو مختل کر دینے والا، جسمانی قویٰ وافعال میں فتور وخلل ڈالنے والا۔ دوران سر میں مبتلا اور چلنے پھرنے سے بے بس کر دینے والا) ہے اور حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں:۔ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ کُلِّ مُسْکِرٍ وَمُفْتِرٍ (مسند احمد وابو داؤد) ایک دوسری مرفوع روایت میں ہے:۔ الا اِنَّ کُلَّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ وَکُلُّ مُفْتِرٍ وَمُخَدِّرٍ حَرَامٌ (عون المعبود ص۳۷۵ ج ۳ بحوالہ کنز العمال)۔

قَالَ الْخَطَّابِیُّ اَلْمُفْتِرُ کُلُّ شَرَابٍ یُوْرِثُ الْفُتُوْرَ وَالرَّخْوَۃَ فِی الْاَعْضَاءِ وَالْخَدْرَ فِی الْاَطْرَافِ وَھُوَ مُقَدِّمَۃُ السُّکْرِ نَھٰی عَنْ شُرْبِہٖ لِئَلَّا یَکُوْنَ ذَرِیْعَۃً اِلَی السُّکْرِ اِنْتَھٰی۔ قَالَ شَیْخُنَا الْاَجَلُّ الْمُبَارَکْفُوْرِیُّ فِیْ شَرْحِ التِّرْمِذِیِّ ج۳ ص۴۲

اَكْلُ التنباكِ وَشُرْبُ دُخَانِهٖ مَضَرَّتُهَا بِلَا مِرْيَةٍ وَاِضْرَارُهٗ عَاجِلًا ظَاهِرًا بِلَا مِرْيَةٍ وَاِنْ كَانَ لِاَحَدٍ فِيْهِ شَكٌّ فَلْيَأْكُلْ مِنْهُ وَزْنَ رُبْعِ دِرْهَمٍ اَوْ سُدُسِهٖ ثُمَّ لِيَنْظُرْ كَيْفَ يَدُوْرُ رَأْسُهٗ وَتَخْتَلُّ حَوَاسُّهٗ وَتَتَقَلَّبُ نَفْسُهٗ بِحَيْثُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى اَنْ يَفْعَلَ شَيْئًا مِنْ اُمُوْرِ الدُّنْيَا اَوِ الدِّيْنِ بَلْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَقُوْمَ اَوْ يَمْشِيَ وَمَا هٰذَا شَانُهٗ فَهُوَ مُضِرٌّ بِلَا شَكٍّ وَاِذَا عَرَفْتَ هٰذَا ظَهَرَ لَكَ اِنَّ اِضْرَارَهٗ عَاجِلًا هُوَ الدَّلِيْلُ عَلٰى عَدَمِ اِبَاحَةِ اَكْلِهٖ وَشُرْبِ دُخَانِهٖ اِنْتَهٰى۔ اور بعض علماء کے نزدیک تمباکو کھانا پینا محض مکروہ ہے حرام اور ناجائز نہیں کیونکہ ان کے خیال میں اس کی حرمت وممنوعیت پر کوئی صریح دلیل موجود نہیں وہ تمباکو کو نشہ آور میں داخل مانتے ہیں نہ مفتر میں۔

اور بعض علماء بلاکراہت اس کے جواز اور اباحت کے قائل ہیں، قَالَ الْعَلَّامَةُ الشَّوْكَانِيُّ اِذَا تَقَرَّرَ هٰذَا عَلِمْتَ اَنَّ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ الَّتِيْ سَمَّاهَا بَعْضُ النَّاسِ التنباكَ وَبَعْضُهُمْ التُّوْتُوْنَ لَمْ يَأْتِ فِيْهَا دَلِيْلٌ يَدُلُّ عَلٰى تَحْرِيْمِهَا وَلَيْسَتْ مِنْ جِنْسِ الْمُسْكِرَاتِ وَلَا مِنَ السُّمُوْمِ وَلَا مِنْ جِنْسِ يَضُرُّ عَاجِلًا اَوْ اٰجِلًا فَمَنْ زَعَمَ اَنَّهَا حَرَامٌ فَعَلَيْهِ الدَّلِيْلُ وَلَا يُفِيْدُ مُجَرَّدُ الْقَالِ وَالْقِيْلِ اِنْتَهٰى۔ پہلے گروہ کے نزدیک تمباکو کی تجارت ناجائز ہے، اور اس کے تاجر کی دعوت وصدقہ قبول کرنا بھی نادرست ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمُ فَبَاعُوْهَا وَاَكَلُوْا اَثْمَانَهَا وَاِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلٰى قَوْمٍ اَكْلَ شَيْئٍ حَرَّمَ عَلَيْهِمْ ثَمَنَهٗ (احمد و ابو داؤد عن ابن عباس) قَالَ الشَّوْكَانِيُّ حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى اِبْطَالِ الْحِيَلِ وَالْوَسَائِلِ اِلَى الْمُحَرَّمِ وَاِنَّ كُلَّ مَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى الْعِبَادِ فَبَيْعُهٗ حَرَامٌ لِتَحْرِيْمِ ثَمَنِهٖ (نیل الاوطار ص۲۳۳ ج۵) دوسرے اور تیسرے گروہ کے نزدیک تمباکو کی بیع وشراء جائز اور مباح ہے۔ وَالْقَوْلُ الرَّاجِحُ عِنْدِيْ هُوَ قَوْلُ مَنْ ذَهَبَ اِلٰى عَدَمِ اِبَاحَةِ اَكْلِ التُّنْبَغِ وَالتُّتْنِ وَالتنباكِ وَشُرْبِ دُخَانِهٖ بِالنَّارِ جِيْلَاءً وَغَيْرِهَا لِاِضْرَارِهٖ عَاجِلًا وَاَمَّا بَيْعُهٗ فَعَلَى الْمُسْلِمِ اَنْ يَجْتَنِبَ مِنْهُ لَا يَتَلَوَّثُ وَلَا يَتَلَطَّخُ بِهٖ وَاَمَّا مَنْ تَلَطَّخَ بِهٖ وَاشْتَغَلَ بِتِجَارَتِهٖ وَاكْتَسَبَ بِهٖ فَلَا اَقُوْلُ بِحُرْمَةِ كَسْبِهٖ

وَذٰلِكَ لِاَجْلِ اخْتِلَافِ الْعُلَمَاءِ فِيْهِ فَاِنَّ اخْتِلَافَ الْعُلَمَاءِ فِي شَيْءٍ يُوْرِثُ التَّخْفِيْفَ فِيْهِ۔ صورت مسئولہ میں اس دکاندار کی تجارت جائز ہے۔ اور اس کی دعوت وصدقہ بھی درست ہے، اولاً اس لئے کہ وہ تمباکو کے ساتھ دوسری بہت سی غیر مختلف فیہ حلال وجائز چیزوں کی تجارت کرتا ہے، ثانیاً اس لئے کہ خود تمباکو کے بارے میں علماء مختلف الرائے ہیں پس اس قدر تشدید وتغلیط کہ اس کی بیع کو ناجائز وحرام کر دیا جائے خلاف احتیاط ہے۔

(عبیداللہ رحمانی) (محدث دہلی جلد ۹ شمارہ ۱۱)

سوال:۔ مردار یا جھٹکا کی کھال کی فروخت وخرید جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ دباغت سے پہلے خرید وفروخت ناجائز اور ممنوع ہے، اور دباغت کے بعد جائز اور درست ہے، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تُصُدِّقَ عَلٰى مَوْلَاةٍ لِمَيْمُوْنَةَ بِشَاةٍ فَمَاتَتْ فَمَرَّ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلَّا اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا فَدَبَغْتُمُوْهُ فَانْتَفَعْتُمْ بِهٖ فَقَالُوْا اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ اِنَّمَا حَرُمَ اَكْلُهَا (مسلم وغیرہ)۔ (عبیداللہ رحمانی)

(محدث دہلی جلد ۹ شمارہ ۸)

سوال:۔ زید نے بہ سبب اشد ضرورت کے اپنی کاشت کھیت ایکھ یعنی گنا پر سال آئندہ کے واسطے روپے قرض لیا اور قرض روپیہ لیتے کے وقت یہ کہا کہ اس وقت میرا کھیت گنا تین ماہ کا بویا ہوا ہے سال آئندہ کو گنا تیار ہونے پر یہ نرخ چھ آنہ یا آٹھ آنہ فی من بخوشی دونگا اس طور کی خرید وفروخت شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ (ابو محمد عبداللہ لال پور رام پور اسٹیٹ)

جواب:۔ صورت مرقومہ میں اس کو بیع سلم کہتے ہیں جو جائز ہے نرخ اور جگہ مقرر ہونی چاہیئے واللہ اعلم۔ (اہلحدیث جلد ۳۳ ص ۱۰)

تشریح:۔ سوال کی عبارت سے اس کا بیع سلم میری سمجھ میں نہیں آیا اس لئے کہ بیع سلم میں راس المال یعنی رقم قرض کی تعین لازم ہوتی ہے، ایسے ہی مسلم فیہ اور اجل کی بھی، اور صورت مرقومہ میں کچھ بھی نہیں اور شے معین میں بھی، بیع سلم نہیں ہوتی۔ اور اجل معلوم سے مراد سال ماہ دن کی تعین ہوتی ہے، اور صورت مرقومہ میں تاریخ دن کی تعین نہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَسْلَفَ فِيْ شَيْءٍ فَلْيُسْلِفْ فِيْ كَيْلٍ

مَعْلُوْمٍ وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ إِلٰى أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵۰)

وَقَالَ فِي نَيْلِ الْاَوْطَارِ قَوْلُهٗ فِي كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ إِحْتَرَزَ بِالْكَيْلِ مِنَ السَّلَمِ فِي الْاَعْيَانِ وَبِقَوْلِهٖ مَعْلُوْمٍ عَنِ الْمَجْهُوْلِ مِنَ الْمَكِيْلِ وَالْمَوْزُوْنِ وَقَدْ كَانُوْا فِي الْمَدِيْنَةِ حِيْنَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْلِفُوْنَ فِي ثِمَارِ نَخِيْلٍ بِاَعْيَانِهَا فَنَهَاهُمْ عَنْ ذٰلِكَ اھ ج ۵ ص ۱۹۲۔ اور صورت مرقومہ فی السوال میں تعیین کھیت کی ہے۔ وَقَالَ فِي السَّبِيْلِ إِنَّ لِلسَّلَمِ شُرُوْطًا غَيْرَ مَا اشْتَمَلَ عَلَيْهِ الْحَدِيْثُ مَبْسُوْطَةٌ فِي كُتُبِ الْفِقْهِ وَلَا حَاجَةَ لَنَا فِي التَّعَرُّضِ لِمَا لَا دَلِيْلَ عَلَيْهِ إِلَّا أَنَّهٗ وَقَعَ الْاِجْمَاعُ عَلٰى إِشْتِرَاطِ مَعْرِفَةِ صِفَةِ الشَّيْءِ الْمُسْلَمِ فِيْهِ عَلٰى وَجْهٍ يَتَمَيَّزُ بِتِلْكَ الْمَعْرِفَةِ عَنْ غَيْرِهٖ انتہی (صفحہ مذکورہ) پس صورت مرقومہ جائز نہیں۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

تشریح:۔ بیع سلم کا نام ہے اس بیع کا کہ بالفعل روپیہ دے دیا جائے اور جنس ٹھہرالی جائے کہ اتنی مدت تک لوں گا، مثلاً سو روپیہ ایک شخص کو بالفعل دیدیا، اور اس سے ٹھہرایا کہ دو مہینے میں گیہوں سو من اس قسم کے لونگا اس کو عربی میں بیع سلم کہتے ہیں، پھر اگر شرطیں پائی جائیں تو یہ بیع درست ہے۔ جو کوئی بیع سلم کرے اس چیز میں کہ بیچی جاتی ہے۔ جیسے زعفران وغیرہ تو سلم کرے وزن معلوم میں مثلاً چار تولے۔ یا پانچ تولے۔ اور مدت معلوم تک جیسے ایک مہینہ یا ایک سال اور مثل اس کے اس سے معلوم ہوا کہ اس میں مدت کا معلوم ہونا شرط ہے، اور یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ و مالکؒ و احمدؒ کا حاشیہ ترمذی نولکشور مترجم جلد ۱ ص ۲۰۹۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مروجہ مزارعت

(سلفیہ حضرت مولانا حافظ محمد صاحب مدظلہ العالی شیخ الجماعت)

سوال:۔ ۱۔ یہاں ایک شخص نے بٹائی پر زمین دینے کے مروجہ سلسلہ کو سودی کاروبار قرار دے دیا ہے، میرے ساتھ اس کی گفتگو ہوئی تو المعلم، ترجمہ صحیح مسلم شریف ص ۱۴۲۸ تا ص ۱۴۳۲

جلد ۲ پیش کر کے تعامل نبوی ؐ و صحابہ رض کے علاوہ حضرت ابن عباس رض سے مخابرہ کی تعریف بھی دکھلائی تو اسے اثر صحابی قرار دے کر مندرجہ ذیل اعتراض لکھ کر تفصیل طلب کی ہے، ابو داؤد شریف میں باب المزارعۃ میں مندرجہ ذیل دو احادیث ہیں، جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بٹائی پر زمین دینا سود ہے اور جو اس کو چھوڑنے پر تیار نہ ہو، وہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کے ساتھ لڑائی پر تیار ہو جائے۔

(۱) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، یعنی انہوں نے جو کھیتی کر رکھی تھی۔ اس کی مزارعت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سود کا کاروبار ہے۔ زمین واپس کرو اور اپنا خرچ ان سے لو۔

(۲) جابر :۔ (جو) بٹائی چھوڑنے پر تیار نہ ہو۔ وہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کے ساتھ لڑائی کرنے پر تیار ہو جائے۔ اس کے علاوہ بھی رسول اکرم ؐ سے بہت بہت سی احادیث نہی کی بابت وارد ہیں۔ اس سلسلہ میں خیبر والی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے، لیکن تاریخی طور پر یہ ثابت ہے، کہ حضرت عمر رض نے جب ان کو نکالا تو ان کو ان کی اراضی کی قیمت ادا کی۔ اگر وہ مالک تھے تو پھر بٹائی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا (یعنی یہ تو جزیہ ہوا) سود کی جو تعریف کی جاتی ہے، اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سود ہے۔ مثلاً ایک آدمی کے پاس ایک ہزار روپیہ ہے۔ اگر بینک میں جمع کرائے وہ اس سے بیس روپے سود لے تو اس کو حرام کہا جاتا ہے۔ اگر اسی رقم کی زمین لی جائے اور اس سے تقریباً دو صد (۲۰۰) روپے لے لئے جائیں (بٹائی کی صورت وغیرہ میں) تو وہ کیسے سود نہیں بنتا۔ پھر زمین کو مزارعت پر دینے کا جو رواج عام ہے اس ملک میں اگر یہ غلط ہے تو اب تک خاموشی کیوں رہی۔ ابو داؤد شریف کی جن احادیث مذکور کو پیش کیا گیا ہے، اس کے الفاظ یا رواۃ میں بھی مجھے شک ہے۔ مگر صحیح مسلم میں منع کی احادیث بھی آئی ہیں۔ ان کے متعلق دیگر ائمہ الحدیث کے علاوہ امام ابو حنیفہ رح اور امام زفر رح سے حرمت کا فتویٰ بھی دیگر ائمہ سے بڑھ کر ہے۔ (معلم) لہٰذا جناب مفصل روشنی ڈال کر ممنون فرمائیں؟۔

جواب:۔ مزارعت کی مختلف صورتیں ہیں، (۱) ایک صورت یہ ہے کہ پیداوار کے حصوں پر زمین دی جائے۔ یعنی جو پیدا ہو اس سے مزارع اتنا حصہ لے۔ اور باقی مالک ......

امام ابو حنیفہؒ اسے منع خیال کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ اس صورت میں جائز سمجھتے ہیں، جب مزارعت تبعی صورت یعنی اصل معاملہ باغات میں ہو۔ اور سفید زمین میں تبعی طور پر مزارعت جائز ہے، اگر صرف زمین کا معاملہ ہو تو اس میں مزارعت ناجائز سمجھتے ہیں، امام مالکؒ بھی تبعی صدیات میں مزارعت کو جائز قرار دیتے ہیں، مگر یہ قید لگاتے ہیں۔ کہ سفید زمین ثلث ⅓ تکیہ ہو تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں امام احمد بن حنبلؒ۔ امام محمدؒ۔ امام ابو یوسفؒ۔ ابن ابی لیلیؒ۔ سعید بن مسیبؒ۔ محمد بن سیرینؒ۔ زہریؒ۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جائز سمجھتے ہیں۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ زمین کو سونے چاندی کے عوض دیا جائے۔ اس کو آئمہ اربعہ جائز سمجھتے ہیں۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ زمین کے حصے کئے جائیں مزارع تمام زمین کاشت کرے۔ مگر بعض حصوں میں اپنے لئے کاشت کرے۔ اور بعض حصوں میں مالک کے لیے، یہ صورت بالاتفاق ممنوع ہے۔ یعنی زمین کے تیسرے حصہ میں مالک کے لئے اور دو حصوں میں اپنے لئے۔ اور یہ حصہ معین کرے۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ جو پانی کے سامنے اور نالی کے قریب ہو۔ سو مالک کے لئے اور جو دور ہو وہ کاشتکار کے لیے، یہ بھی بالاتفاق منع ہے، جن احادیث میں مزارعت کی ممانعت آئی ہے، وہ حدیثیں دو قسم کی ہیں، بعض ضعیف اور بعض صحیح۔ اور صحیح بھی دو قسم کی ہیں، بعض میں مطلق مزارعت کی ممانعت ہے۔ اور بعض میں تیسری اور چوتھی صورت کی تصریح موجود ہے، یعنی زمین کے حصے کرنے کی صورت ہے، یا پانی کے قریب و بعید کی صورت ہے۔ اور بعض حدیثوں میں پہلی صورت کی ممانعت کا ذکر ہے، اور بعض میں جواز کا ذکر ہے۔

اب تفصیل سنئے، وہ حدیث جس میں بٹائی پر زمین دینا سود شمار کیا گیا ہے، وہ حدیث ضعیف ہے قابلِ احتجاج نہیں ہے، ابو داؤد میں جو اس کی سند مذکور ہے، اس میں (بکیر بن عامر) ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں لکھا ہے کہ وہ ضعیف ہے، میزان میں ہے، ابن معین اور نسائی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، ابوزرعہ نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے۔

اسی حدیث میں لفظ ہیں کہ یہ سود کا کاروبار ہے زمین واپس کر دو ان سے اپنا خرچ واپس لو۔ پھر اس حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ انہوں نے پیداوار کے حصے کس صورت میں مقرر کئے تھے، کیا زمین کے حصے نصف نصف کر رکھے تھے یا خارج کئے، دوسری حدیث میں چونکہ اس امر کی تصریح ہے، کہ جس مزارعت کی ممانعت ہے، اس کی صورت یہ ہے۔ زمین کے حصے مقرر کئے ہوں ممانعت والی حدیث کے راوی رافع بن خدیج سے بھی ابوداؤد اور مسلم وغیرہ میں اس امر کا تذکرہ موجود ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں، ـ اِنَّمَا كَانَ النَّاسُ يُوَاجِرُوْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِمَا عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ وَاِقْبَالِ الْجَدَاوِلِ وَاَشْيَاءِ مِّنَ الزَّرْعِ فَيَهْلِكُ هٰذَا وَيَسْلَمُ هٰذَا وَيَسْلَمُ هٰذَا وَيَهْلِكُ هٰذَا وَلَمْ يَكُنْ لِّلنَّاسِ كِرَاءٌ اِلَّا هٰذَا فَلِذٰلِكَ زَجَرَ عَنْهُ ـ ابوداؤد وغیرہ ـ

(۲) جابر کی حدیث جس میں یہ ذکر ہے جو بٹائی چھوڑنے پر تیار نہ ہو وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی لڑنے پر تیار ہو جائے، یہ حدیث بھی ابوداؤد کی ہے۔ اس حدیث کی سند میں ابوالزبیر مکی ہے، وہ مدلس ہے مدلس کے متعلق یہ اصول ہے جب اس کی سند میں لفظ عَنْ ہو تو وہ حدیث صحیح نہیں ہوتی، لہٰذا یہ حدیث صحیح نہ ہوتی، کیونکہ اس کی سند میں ابوالزبیر مکی عن کہہ کر روایت کرتا ہے۔ تقریب میں حافظ ابن حجرؒ نے میزان میں علامہ ذہبی نے اور خلاصہ وغیرہ میں اس کو مدلس قرار دیا ہے، وہ احادیث جن میں مزارعت کی ممانعت ہے، ان احادیث میں مزارعت سے وہ مزارعت مراد ہے جس میں زمین کے حصے کر کے زمین کاشت پر دی جائے، ایک حصہ مالک کا ہو دوسرا حصہ کاشتکار کا۔ کیونکہ بعض روایات میں اس کی تصریح موجود ہے، اور یہ قاعدہ ہے جب ایک جگہ نص مطلق وارد ہو اور دوسری جگہ مقید ہو۔ تو اگر ایک ہی حادثہ اور ایک ہی حکم ہو تو مطلق مزارعت کی ممانعت ہے، ان کو قید پر محمول کیا جائے گا، یعنی ان سے ممانعت کی وہی صورت مراد لی جائے گی، جس کی تخصیص و تقیید دوسری احادیث مقیدہ میں وارد ہے، پس جن احادیث میں مخابرہ یا مزارعت یا کرایہ پر لینے سے مراد وہی صورت ہو گی جس کا خاص طور پر حضرت رافع بن خدیج کی روایات میں ذکر وارد ہے، یعنی زمین کے بعض حصے کرنے کی صورت میں یا پانی کے قریب و بعید مواقع متعین

کرنے کی صورت میں ہو۔ اور جن احادیث میں پیداوار کے حصہ پر یا ٹھیکہ پر زمین اپنے سے رد کا گیا ہے، ان احادیث میں دراصل مخالفت کا ذکر نہیں۔ بلکہ مواسات کی صورت بتائی گئی ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْهَ عَنْهَا وَلٰكِنْ قَالَ لِيَمْنَعْ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهَا أَجْرًا مَعْلُوْمًا۔ (ابوداؤد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بٹائی پر زمین دینے سے منع نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا ہے، کہ زمین کو بٹائی پر دینے سے بہتر یہ ہے کہ کسی کو مفت کاشتکاری کیلئے دی جائے۔ اور بعض روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جو منع فرمایا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک دفعہ مالک اور مزارع آپس میں جھگڑے اور لڑے پھر آنحضرت کے پاس آئے آپ نے فرمایا:۔

اِنْ كَانَ هٰذَا شَأْنُكُمْ فَلَا تُكْرُوا الْمَزَارِعَ زَادَ مُسَدَّدٌ فَسَمِعَ قَوْلَهُ لَا تُكْرُوا الْمَزَارِعَ۔ (ابوداؤد) ۔ زید بن ثابت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رافع بن خدیج پر رحم کرے، اللہ کی قسم ہے مجھے اس حدیث کا علم رافع بن خدیج سے زیادہ ہے اصل واقعہ یہ ہے کہ مالک اور مزارع آپس میں لڑ پڑے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ نے فرمایا کہ اگر ایسا کرنا ہے تو کھیت بٹائی پر مت دو، حالانکہ آپ نے فرمایا تھا کہ اگر تم مصالحت کی صورت میں کام نہیں کرتے بلکہ لڑائی کرنے لگتے ہو، اگر ایسا کرنا ہے تو آئندہ بٹائی پر زمین نہ دینا۔ امام بخاری نے مخالفت کی روایات کو مواسات پر محمول کیا ہے، اور اہل مدینہ کے متفقہ مسائل سے جواز پر استدلال کیا ہے، چنانچہ ممانعت کی احادیث کو مندرجہ ذیل باب میں ذکر کیا ہے:۔

باب ما كان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يواسى بعضهم بعضاً في الزراعة۔ (بخاری جلد ۱ ص۳۵) اس باب میں اس بات کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ زراعت میں ایک دوسرے کے ساتھ مواسات کیا کرتے تھے، یعنی بٹائی اور اجرت کے ۔۔۔ ایک دوسرے کو زمین دے دیا کرتے تھے۔ اور مزارعت کے ثبوت میں لکھا ہے۔

عَنْ أَبِيْ جَعْفَرٍ مَا بِالْمَدِيْنَةِ أَهْلُ بَيْتِ هِجْرَةٍ إِلَّا يَزْرَعُوْنَ عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ

دعمروده وال ابی بکر وال عمر وال علی وابن سیرین - (بخاری جلد اول ص۳۱۳) - حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں مدینہ میں جتنے مہاجر خاندان تھے سب بٹائی پر کاشت کرتے تھے، حضرت علی، حضرت سعد بن مالک، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت قاسم، حضرت عروہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خاندان، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خاندان، حضرت علیؓ کا خاندان ابن سیرینؒ - یہ سب بٹائی پر زمین دیتے تھے۔ خیبر کی زمین کے مالک مسلمان تھے، یہود صرف کاشتکار تھے، جب ان کو نکالا گیا تھا، تو اس وقت جو ان کا حصہ کاشتکاری کا تھا، صرف اس کا معاوضہ ان کو دیا گیا تھا۔ اور یہ بات کہ ان کو زمین کا معاوضہ دیا گیا تھا۔ صحیح طور پر ثابت نہیں ہے۔ اور حدیث میں ہے:۔

وکانت الارض حین ظھر علیھا للہ ولرسولہ وللمسلمین (بخاری جلد اول ص۳۱۵)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر پر غالب ہوئے، تو وہ زمین اللہ اور اس کے رسول اور اہل اسلام کی ہو گئی تھی، بٹائی اور سود میں فرق واضح ہے، سود کی صورت میں اگر رقم ضائع ہو جائے تو مدیون ذمہ دار ہوتا ہے۔ اصل مالک ذمہ دار نہیں ہوتا۔ اور بٹائی کی صورت میں اگر زمین سیلاب یا دریا برد ہو جائے تو مزارع ذمہ دار نہیں ہوتا یہ تاوان سب مالک پر پڑتا ہے، اصل میں یہ صورت مضاربت کے ساتھ ملتی ہے، جیسے مضاربت میں ایک شخص کی رقم ہوتی ہے، اور دوسرے کا عمل اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں، اسی طرح بٹائی کی صورت میں جو پیداوار ہو گی اس میں دونوں شریک ہوں گے، اگر زمین ہلاک ہوتی ہے تو مالک کی ہوتی ہے مضاربت میں اگر رقم ضائع ہو گی تو مالک کی ہو گی۔ بخلاف سود کے اس میں رقم باقی رہتی ہے، اس کا ذمہ دار مدیون ہوتا ہے وہ صرف نفع ہی حاصل کرتا ہے، اگر بالفرض بٹائی کی صورت میں پیداوار تباہ ہو جائے تو اس صورت میں صحیح مسئلہ یہ ہے، کہ مالک بقدر تباہی رقم واپس کر دے۔ اگر تباہ نہ ہو تو بالکل مضاربت کی صورت ہو گی۔ (فی الحال اسی مختصر تحریر کافی ہے)۔

(بحوالہ الاعتصام جلد ۱۳ شمارہ ۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تجارت میں ایک بنیادی شرط

تجارت کو ہمیشہ ہی بہت اہمیت حاصل رہی ہے، تجارت کا سلسلہ چونکہ بہت ہی اہم ہوتا ہے، اس لئے اس میں بعض ایسے امور پائے جاتے ہیں، جو دوسرے کاموں میں نہیں پائے جاتے، مثلاً عام طور پر تجارت کا پھیلاؤ اتنا ہوتا ہے کہ ایک آدمی اس پر قابو نہیں پا سکتا اس میں اکثر دو یا دو سے زیادہ آدمی شریک ہوتے ہیں، اس میں ایسے لوگوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جو تندرست و توانا ہوں اور محنت اور مستعدی سے مال فروخت کریں، روپیہ پیسہ بے شک کچھ نہ لگائیں۔ ایسے لوگوں کو منافع سے مناسب حصہ دیا جاتا ہے، اور تجارت میں ایماندار، تجربہ کار، اور تعلیم یافتہ افراد کی بھی ضرورت ہوتی ہے، لیکن بعض دفعہ ان اوصاف کے حامل لوگ روپے سے تہی دامن ہوتے ہیں اور جن کے پاس روپیہ پیسہ ہوتا ہے، وہ بسا اوقات ان اوصاف حمیدہ سے محروم ہوتے ہیں، ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ جو برابر یا تیسرے چوتھے یا پانچویں حصہ کی رقم ادا کر کے شریک کاروبار ہوتے ہیں، ان میں اس قسم کے افراد بھی ہوتے ہیں جو اپنے حصہ کی رقم کے علاوہ اپنی محنت اور کوشش کا ماہانہ معاوضہ بھی وصول کرتے ہیں، اس طرح اور بھی بہت سی چیزیں تجارت میں پائی جاتی ہیں، جو دوسرے کاموں میں نہیں پائی جاتیں۔ شریعت میں اس کی نشاندہی بلکہ وضاحت کی گئی ہے، اور اس میں شراکت کے لئے بہترین اصول بیان کئے گئے ہیں، تجارت میں شراکت کاروباری اعتبار سے بہت اچھی چیز ہے، جو محنت اور تگ ودو ایک آدمی کو کرنا پڑتی ہے، شراکت کی صورت میں وہ متعدد بار اقرار کرتے ہیں، اور اس طرح مال کی کھپت اور فروخت کا حلقہ ہر ایک کی سعی اور ہمت سے زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ اور جب ایک چیز پر ایک کی بجائے کئی آدمیوں کی توجہ مبذول رہے گی، تو مال بھی اچھا اور جاذب نظر تیار ہوگا، جس کی وجہ سے مارکیٹ میں ان کے مال کی قیمت زیادہ بڑھے گی

زیادہ پائے جاتے ہیں، خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کی نعمت عظمیٰ پر سر فراز ہونے سے قبل تجارت کی ہے۔ اور اس کی بعض شکلوں میں آپ باقاعدہ شریک و سہیم رہے ہیں اور بلوغ المرام کے باب الشرکۃ والوکالۃ میں مسند امام احمد بن حنبل، سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ کے حوالہ سے ایک حدیث ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے پہلے ایک صاحب کے ساتھ کاروبار میں شریک تھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

وَعَنِ السَّائِبِ الْمَخْزُومِیِّ اَنَّهٗ كَانَ شَرِیْكَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الْبِعْثَةِ فَجَاءَ یَوْمَ الْفَتْحِ فَقَالَ مَرْحَبًا بِاَخِیْ وَشَرِیْكِیْ۔ سائب مخزومی سے روایت ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے سے پہلے آپ کے ساتھ تجارت میں شریک تھے وہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے میرے بھائی اور شریک (کاروبار) میں آپ کو اس عظیم الشان کامیابی پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور آپ کو خوش آمدید اور مرحبا کہتا ہوں۔ تجارت میں شرکتِ احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن اس میں اولین شرط ایمانداری اور دیانت داری ہے، حصہ داروں کا پہلا فرض ہے کہ وہ دیانت داری سے کام کریں، اور کسی قسم کی خیانت اور بددیانتی کے ہرگز قریب نہ جائیں، جس شخص کے جو کام بھی سپرد ہے، اس کو دیانتداری کے ساتھ انجام دے، جس کے پاس رقم ہے وہ اس کی حفاظت کرے، اور جس کے ذمہ کوئی دوسرا کام لگایا گیا ہے، وہ حسن خوبصورتی کے ساتھ وہ کام کرے، وقت مقررہ پر آئے خود کام کرے، دوسروں سے کرائے۔ کام چور نہ خود بنے نہ دوسروں کو بننے دے۔ جب تک یہ صورت حال رہے گی، ان داری اور شراکت میں برکت رہے گی، اور اللہ ان کے کاروبار میں اضافہ کرے گا۔ جب یہ صورت نہ رہے گی اور ہر ایک اپنے اپنے کام مفوضہ فرائض میں خیانت کا ارتکاب کرنے لگے گا۔ تو ان میں نہ تو برکت رہے گی، اور نہ ایک دوسرے پر اعتماد رہے گا۔ اور نہ اللہ کی امداد و اعانت ان کے شامل حال رہے گی۔ اس سلسلہ میں سنن ابو داؤد میں ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ:۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَا ثَالِثُ الشَّرِیْكَیْنِ مَا لَمْ یَخُنْ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ فَاِذَا خَانَهٗ خَرَجْتُ مِنْ بَیْنِهِمَا۔ حضرت ابوہریرہؓ

سے روایت ہے اس لئے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، میں دو حصہ داروں میں تیسرا ہوتا ہوں جب تک ان دونوں میں سے کوئی اپنے ساتھی کے ساتھ خیانت نہ کرے جب خیانت کرتا ہے تو میں درمیان میں سے نکل جاتا ہوں، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد دو حصہ داروں کو حاصل ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان پر اس وقت تک نظر کرم رکھتے ہیں اور ان کے کاروبار میں برکت پیدا کرتے ہیں، جب تک یہ آپس میں مخلص رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ محبت و تعاون رکھتے ہیں، اور باہم امانت داری کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں، اور جب یہ چیز درمیان سے اٹھ جائے، اور حصہ دار بد دیانتی و خیانت پر اتر آئیں، تو اللہ کی مدد سے محروم ہو جاتے ہیں اور برکت باقی نہیں رہتی جو ان کے زمانہ امانت و دیانت میں پائی جاتی تھی۔ ظاہر ہے جب ایک خیانت کرے گا۔ تو دوسرے کو لازماً کسی نہ کسی وقت شک گزرے گی۔ پھر اس کی بھی یہی کوشش ہوگی۔ کہ وہ بھی وہی کچھ کرے جو دوسرے نے کیا ہے، اگر کسی کے پاس مشترکہ روپیہ ہے۔ تو اس میں خیانت کرے گا۔ اور غلط حساب پیش کرے گا۔ اگر کوئی کاروبار میں محنت کرتا ہے، اور وقت صرف کرتا ہے۔ تو اس میں سستی کرے گا۔ دیر سے کام پر آئے گا۔ اور جب تک رہے گا نیم دلی سے رہے گا۔ خود بھی اچھی طرح کام نہیں کرے گا۔ دوسروں سے بھی نہیں کرائے گا۔ ہر حصہ دار دوسرے کو شک کی نظر سے دیکھے گا۔ اور دل سے برا سمجھے گا۔ میل جول گفتگو اور ضروری کاروباری مشوروں سے جو نہایت ضروری ہے، گریز کرے گا، آہستہ آہستہ دل کی بات زبان پر آئے گی۔ جب کارندے حصہ داروں کے اس معاملہ کے اس پہلو کو دیکھیں گے تو وہ بھی سستی کریں گے۔ اس کا اثر مال کی تیاری پر پڑے گا۔ اور پھر مال کی کھپت اور فروخت کا دائرہ بھی سمٹ جائیگا۔ اور اس طرح سارا کاروبار معطل ہو کر رہ جائیگا۔ کاروبار میں امانت ایک دوسرے سے خیر خواہی۔ حصہ داروں کا آپس میں حسن سلوک نیتوں کی صفائی۔ باہم تعاون و مشاورت نہایت ضروری ہے، اور درحقیقت اس میں کاروبار کی ترقی اور وسعت و فروغ کا راز مضمر ہے، اور کاروباری حضرات کو یہ حدیث ہر وقت پیش نگاہ رکھنی چاہیئے اور اپنے کاروبار کے فروغ اور ترقی کے لئے اس پر عمل پیرا رہنا چاہیئے اور جو اس پر عامل رہیں گے۔ اور اپنے کاروبار کو دیانت داری کے بلند اصولوں کے مطابق چلائیں گے وہ یقیناً کامیاب رہیں گے۔ اور جو لوگ

اس بنیادی اصول کو نظر انداز کر دیں گے وہ ناکام و خاسر رہیں گے اور بڑے سے بڑے کاروبار کو بھی تباہی و بربادی سے نہیں بچا سکیں گے، جب ان میں باہمی تعاون اور امانت باقی نہ رہی تو اللہ کی مدد اور برکت نہ رہی۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور برکت نہ رہے گی، تو کاروبار کس طرح باقی رہے گا۔ (الاعتصام جلد ۱۳ شمارہ ۵)

سوال: زید نے اپنا کھیت بکر کو اس شرط پر دیا کہ اس کی پیداوار یا سود و زیاں سے کچھ سروکار نہیں مگر ہم کو سالانہ اتنا پیسہ دے دے۔ آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ کرایہ آراضی کی صورت ہے۔ جو جائز ہے۔ حدیثوں میں اس کا جواز آیا ہے۔

تشریح: آراضی کو روپے پیسے کے عوض کرایہ پر اٹھانے کی حدیث سعد بن ابی وقاص کی روایت سے بروایہ ہے۔ مسند احمد وغیرہ نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۲۳۶ پر موجود ہے، مؤلف۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۱)

سوال: ایک شخص کسی کو روپیہ دیتا ہے اس شرط پر کہ تم سے فلاں وقت میں غلہ لوں گا، اس وقت جو بھاؤ ہوگا اس بھاؤ سے پانچ سیر یا دس سیر زیادہ لوں گا یہ حلال یا حرام ہے؟

جواب: یہ صورت ناجائز ہے، بھاؤ مقرر کرے بازاری بھاؤ سے واقع میں کم ہو یا زیادہ تو جائز ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۱۴۱)

سوال: مردار ہڈی کی تجارت جائز ہے یا ناجائز مردار ہڈی سے یہ مراد ہے کہ ہر ایک حلال و حرام جانور مردہ کی ہڈی جیسے کتا، سور وغیرہ کی ہڈی بھی مل کر بنتی ہے، اس کی تجارت کا کیا حکم ہے؟

جواب: حلال جانوروں کی ہو تو بلا شبہ جائز ہے، ملی جلی بے امتیاز ہو تو مشتبہ ہے۔ اللہ اعلم۔ (اہلحدیث امرتسر جمادی الاول ۴۲ھ)

شرفیہ: ماکول اللحم[1] مذبوح کی ہڈی کے جواز پر کلام نہیں۔ اور غیر ماکول اللحم کے استعمال و فروخت کو ہاتھی دانت پر قیاس کر کے جواز پر استدلال ہو سکتا ہے۔ کہ حدیث و آثار صحابہ سے ہاتھی دانت کا استعمال ثابت ہے اور استعمال و فروخت کا حکم ایک ہے۔ قَالَ النَّبِيُّ

---

[1] ماکول اللحم وہ جانور ہیں شرعاً جن کا گوشت حلال ہے۔ (ع۔ ۱۲۔ راز)

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اٰخِرِ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ يَا ثَوْبَانُ اِشْتَرِ بِفَاطِمَةَ قِلَادَةً مِنْ عَصَبٍ وَسِوَارَيْنِ مِنْ عَاجٍ اِنْتَهٰى۔ سنن ابی داؤد باب الانتفاع بالعاج۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

تشریح:۔ ہڈی کی تجارت جائز ہے۔ ماکول اللحم کی ہو یا غیر ماکول اللحم کی صحیح بخاری ص۱۱۱ جلد ۱ میں ہے:۔ قَالَ حَمَّادٌ لَا بَأْسَ بِرِيْشِ الْمَيْتَةِ وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي عِظَامِ الْمَوْتٰى نَحْوَ الْفِيْلِ وَغَيْرِهٖ، اَدْرَكْتُ نَاسًا مِنْ سَلَفِ الْعُلَمَاءِ يَمْتَشِطُوْنَ بِهَا وَيَدْهِنُوْنَ فِيْهَا لَا يَرَوْنَ بِهٖ بَاْسًا وَقَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ وَاِبْرَاهِيْمُ لَا بَأْسَ بِتِجَارَةِ الْعَاجِ اِنْتَهٰى۔ یعنی حماد بن ابی سلیمان کوفی فقیہ نے کہا کہ مردار کے پر میں کچھ مضائقہ نہیں۔ یعنی مردار کا پر نجس نہیں ہے۔ ماکول اللحم کا پر ہو یا غیر ماکول اللحم کا ہو اور زہری نے مردار جانور جیسے ہاتھی وغیرہ کی ہڈیوں کے بارے میں یعنی ان جانوروں کی ہڈیوں کے بارے جو غیر ماکول اللحم ہیں کہا کہ میں نے بہت سے علماء سلف کو پایا کہ وہ ان ہڈیوں کے کنگھے استعمال کرتے تھے، اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے تھے اور ابن سیرین اور ابراہیم نے کہا کہ ہاتھی دانت کی تجارت میں کچھ مضائقہ نہیں ان بہت سے علمائے سلف اور ابن سیرین و ابراہیم کے قول کی تائید ابو داؤد کی اس حدیث سے ہوتی ہے۔ یا ثوبان اشتر لفاطمۃ قلادۃ من عصب وسوارین من عاج اِلیٰ اٰخرہٖ واللہ اعلم بالصواب۔ (کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارک الغوری عفی اللہ عنہ)

(فتاویٰ نذیریہ جلد دوم ص۳)　　　(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص۱۴۱)

سوال:۔ اپنے اخبار اہلحدیث مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۳۲ء میں سوال ۱۲۶ کا جواب دیا ہے کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ تاڑی اتارنے کے لئے درخت کو کرایہ پر چھوڑنا جائز ہے اگر ایسا ہے تو وہ اصلی تاڑی ہو جاتی ہے جس کی خرید و فروخت حرام ہے اور آپ برائے مہربانی اس جواب ۱۲۶ کو بحوالہ قرآن و حدیث سمجھا دیں؟

جواب:۔ جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے وہاں اس کی ساری تفصیل لکھی مطلب اس کا یہ ہے کہ تاڑی میں نشہ پیدائشی نہیں۔ بلکہ بعد میں گرمی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، جب تک اس میں نشہ نہیں اس کا استعمال کرنا حرام نہیں

تعاقب:۔ برفتویٰ ص۱۸۰ مندرجہ اہلحدیث ۲۲ جولائی ۱۹۳۶ء۔ متعاقب نے نہ سوال نقل کیا نہ جواب محض تعاقب کی عبارت سے ناظرین کچھ سمجھ سکتے اس لئے سوال مع جواب مکرر نقل ہے، پھر تعاقب درج ہوگا۔

سوال: ۱۸۰ یہ علاقہ ایک راجہ کے ماتحت ہے، اور یہاں کا ایک طریقہ یہ ہے عام طور پر مردار چمڑے دیہاتی لاکر فروخت کرتے ہیں جن کی ہیں شناخت ہے کہ یہ مردار ہیں، نیز قدرے قلیل ذبیح بھی اس میں شامل ہیں، مگر بہرکیف مردار چمڑے کی مشتری کو پوری شناخت ہے، علاوہ ازیں یہ چیزیں راجہ کی طرف سے نیلام کی جاتی ہیں۔ جس کے نام نیلام ختم ہوگا اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص حلقہ اسٹیٹ میں یہ چیزیں نہیں خرید سکتا۔ زید بائع کو پوری قیمت دے کر چمڑے، خریدے گا۔ اور یہ دو ہزار زید نے راجہ کو گویا اس حق کے حصول کے لئے دیا ہے کہ میرے سوا کوئی دوسرا شخص قانوناً چمڑا نہ خریدے۔

جواب:۔ اس ٹھیکہ کا مطلب یہ ہے کہ حکومت اپنا حق منافع اس کے ہاتھ بیچتی ہے، اس میں کچھ مواخذہ ہے تو حکومت پر ٹھیکیدار پر نہیں۔ بیع میں کوئی دھوکہ نہیں نہ بیع میں نہ بائع مجبور ہے اور نہ مشتری۔

تعاقب:۔ اہلحدیث مجریہ ۲۲ جولائی ۱۹۳۶ء جواب ۱۸۰ کے متعلق یہ عرض ہے کہ حکومت سے جو حق منافع خریدتا ہے اس مشتری کے نزدیک مقدار مبیع کس قدر ہے جس کی وہ ایک متعین قیمت منظور کرتا ہے سوال ظاہر ہے کہ مقدار مبیع مجہول و نامعلوم اور غیر متعین ہے ممکن ہے کہ تعداد ۵ تک پہنچ جاوے اور یہ بھی ہو سکتا ہے ۳ تک بھی پہنچے اور یہ واقعہ بھی ہے، پس مشتری نے ایک ...۔ہم کی معین رقم کس قدر تعداد مبیع کے حق منافع کے صلہ میں راجہ کو ادا کی مزید براں مبیع و حق منافع کی کیفیت و کمیت سے راجہ و ٹھیکیدار ہر دو واقف مگر کیا وجہ کہ ہندو راجہ ماخوذ ہو اور ایک مکلف شرع مسلمان ٹھیکیدار آزاد و خود مختار رہا للعجب۔ امید کہ تفصیل اور وضاحت سے تشفی فرمائیں گے

جواب:۔ حکومت بائع نہیں نہ ہی مشتری ہے، بلکہ ٹھیکیدار اور ٹھیکہ گیر ہے حکومت محض اپنا حق حکومت لیتی ہے، جو اس کے قانون میں جائز ہے، جیسے انگریزی علاقے میں

بندوبست سالہ اراضی پر حکومت کا حق لگان لگایا جاتا ہے آج کل اس کی امثلہ بکثرت ہیں، یوں سمجھئے کہ حکومت ایک معنی سے کمیشن یا دلالی لیتی ہے جو اس کا حق حکومت ہے، ایسی ضروریات کے لئے شرعیات سے جزئیات تلاش کرنے کی بجائے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ شریعت کی طرف سے ممنوع منصوص نہیں۔

نوٹ:۔ غالباً ٹھیکہ دار کو مشتری سمجھنے سے غلطی لگی ہے، حالانکہ وہ مشتری نہیں ہے، بلکہ ٹھیکہ گیر ہے جو راجہ کو محض حق حکومت دیتا ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ راجہ اس سے ایک قسم کا ٹیکس وصول کرتا ہے۔ (اہلحدیث امرتسر ۲۱/اکتوبر ۱۹۳۲ء)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۴۰۶)

سوال:۔ جو اشیاء خاص کر بتوں پر چڑھائی جاتی ہے، اور دکاندار کو معلوم ہیں کہ یہ اشیاء بت پر چڑھائی جائیں گی اس کا فروخت کرنا شرع میں کیسا ہے، اور فروخت کرنے والا کس گناہ کا مرتکب ہے؟

جواب:۔ اگر وہ ایسی چیز ہے جو سوائے چڑھاوے کے کھانے پینے میں بھی آسکتی ہے، جیسے حلوہ وغیرہ تو اس چیز کا بیچنا جائز ہے چاہئے چڑھاوے والا اس کو کسی بت پر چڑھاوے اور اگر ایسی ہے کہ خاص شرک میں کام آتی ہے تو اس کا فروخت کرنا جائز نہیں ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾۔ (اہلحدیث امرتسر صفحہ ۱۳ ۱۶/دسمبر ۱۹۳۲ء)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۴۰۷)

سوال:۔ زید نے کہا بعد تعمیر مکان دعوت ضروری ہے ورنہ نقصان یا کسی آفت کا اندیشہ ہے، بکر برخلاف ہے اور ایسی دعوت کو ریاکاری کی غرض بتلاتا ہے فقراء کا ایسی دعوت میں حصہ نہیں ہوتا، صحت پر کون ہے؟

جواب:۔ قاضی شوکانی نے نیل الاوطار میں سلف کا قول لکھا ہے کہ تعمیر مکان کا بھی ولیمہ مستحب ہے ریاکاری کو تو ہر جگہ دخل ہے، اور ہر جگہ معیوب ہے واللہ اعلم (۲۲/دسمبر ۱۹۳۲ء)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۴۰۷)

توضیح:۔ مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کی مثال مکان تو

کے ساتھ بیان فرمائی ہے، جیسا کہ ایک سردار نے ایک مکان تیار کیا، اور پھر اس میں دعوت کی اور اپنا ایک ایلچی لوگوں کو دعوت کی طرف بلانے کے لئے بھیجا کہ ہر شخص کو دعوت کی طرف بلا دو جو شخص اُس ایلچی کے بلانے پر دعوت کی طرف آگیا اس نے کھانا کھایا اور جو نہ آیا وہ محروم رہا۔ اللہ تعالیٰ کا دین بمنزل طعام ہے، اللہ تعالیٰ دعوت کرنے والا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم داعی الی الطعام ہے۔

جو آپ کے بلانے پر آگیا وہ دعوت کھا گیا اگر نئے مکان کی دعوت ناجائز ہوتی تو آپ مثال بیان نہ فرماتے فافہم و تقدیر (سعیدی)

سوال:۔ اب میرا ارادہ یہ ہے کہ ٹرام کمپنی کے شیئر پانسو روپے یا زائد کمی سے فروخت ہوتے ہیں، چھ ماہ کے بعد جو آمد کمپنی آتی ہے اس میں سے حصہ دار پر تقسیم ہوتے ہیں۔ کوئی وقت زائد روپے ملتے ہیں کوئی وقت پر کمی روپے ملے۔ کبھی یا فروٹ یعنی اینٹل دینسی ہو جاتی ہے تو بہت نقصان ہوتا ہے گویا سب روپے چلے جاتے ہیں اس طرح سے کام شریعت میں کچھ نقصان ہے یا نہیں؟

جواب:۔ نقصان اور نفع میں شرکت ہو تو جائز ہے شرکت سے کام کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا ہے اللہ اعلم اہلحدیث امرتسر ص۲۳ ۲۷ جنوری ۱۹۳۲ء)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص۴۰۸)

سوال:۔ ایک دوکاندار کسی کو آلو کسی کو مکی اس وقت اس شرط پہ دیتا ہے کہ باڑی کے موقع پر یعنی جب گندم نئی آئے گی۔ لے لوں گا۔ یعنی جتنے آلو یا مکی دی ہے اتنی ہی گندم یا مکی لے لوں گا۔ کیا اس طرح کرنا جائز ہے جواب مدلل ہو؟۔

جواب:۔ آلو اور مکی اموال سودیہ میں نہیں ہیں، اس لئے ان کی بیع میں اختلاف ہے، ایک گروہ محدثین صورت مرقومہ کی بیع جائز کہتا ہے قیاس کرنے والے منع کرتے ہیں۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص۴۰۸) (اہلحدیث امرتسر ص۱۳ ۲۴ مارچ ۱۹۳۳ء)

سوال:۔ اگر کوئی شخص ماہ پھاگن میں کسی کو ۵ من پختہ گندم اس شرط پر دیوے کہ جب نئی گندم نکلے گی تو ساڑھے ۷ من پختہ لے لوں، کیا یہ جائز ہے؟ جواب مدلل ہو۔

جواب: یہ حدیثوں میں منع آیا ہے۔ گندم قیمت مقرر کرکے لے لے اور قیمت مقررہ سے نہ بیچے واللہ اعلم۔ اہلحدیث امرتسر ص۱۱ ۲۴/مارچ ۱۹۳۳ء (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص۳۰۱)

کیا اشیائے مرہونہ سے مرتہن کو نفع لینا جائز ہے؟

اس مضمون پر اہلحدیث میں علماء نے خامہ فرسائی کی ہے۔ مولوی عبدالستار صاحب و مولوی عبدالجبار صاحب جواز کے قائل ہیں۔ اور مولوی عبدالوہاب صاحب عدم جواز کے قائل ہیں، ناچیز کچھ تفصیل سے دونوں حضرات کے دلائل بیان کرکے اپنا خیال ظاہر کرتا ہے۔

مولوی عبدالوہاب صاحب یا وہ حضرات جو عدم جواز کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ روایت ہے۔ لَا يَغْلَقُ الرَّهْنُ مِنْ رَاهِنِهِ لَهُ غُنْمُهُ وَعَلَيْهِ غُرْمُهُ ۔ (ابن حبان)۔

مولوی عبدالجبار صاحب کا یہ فرمانا کہ یہ روایت ایسی کتابوں کی ہے جن میں سب قسم کی حدیثیں ضعیف، موضوع، مقلوب، منقطع مرسل بھری ہوئی ہیں۔

میرے خیال میں یہ الفاظ مناسب نہیں کیونکہ علاوہ صحیحین سنن اربع میں بھی ضعیف مقلوب منقطع مرسل سے لازم آتا ہے کہ سنن اربع کی روایات ناقابل قبول ہیں، اہل فن سے لازمی ہے کہ وہ کسی طبقہ کی کتاب کیوں نہ ہو سب کی روایات پر غور کریں۔ ان کی روایت دیکھیں علمائے محدثین کے کلام پر غور کریں کہ انہوں نے کیا خیال ظاہر فرمایا ہے بہت ممکن ہے کہ ایسی کتابوں میں صحیح روایات اکثر موجود ہوں اور جب کہ حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ۔ علامہ ابن جوزی حافظ ذہبی ایسے حضرات نے اکثر ایسی موضوع اور ضعیف روایتوں کی تخریج فرما دی ہے، اس لئے ان

لہ حضرت العلام مولانا عبدالوہاب صاحب آروی کا مضمون بہ سرخی اشیائے مرہونہ سے نفع اٹھانا جائز نہیں بلکہ سود ہے ۲۰/ستمبر ۱۹۲۱ء ص۱ اخبار اہلحدیث امرتسر میں ہے اس کا جواب حضرت العلام مولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیلوی کے قلم سے بہ سرخی اشیائے مرہونہ سے نفع اٹھانا جائز ہے سود نہیں ۱۰/اکتوبر ۱۹۲۱ء کے اہلحدیث ص۵ پر شائع ہوا ہے پھر اس کا جواب مولانا آروی صاحب نے ۲۰/ستمبر ۱۹۲۱ء کے اہلحدیث ص۳ پر شائع کر دیا ہے فریقین کے مضامین نہایت قیمتی معلومات سے پر ہیں ان ہی کی طرف جناب مولانا خالد صاحب بھوپالی نے اشارہ فرمایا ہے افسوس کہ فتاویٰ کی خود در ضخامت کے پیش نظر ہم ان علمی مقالات کو مکمل طور پر شائع نہ کر سکے شائقین مذکورہ بالا پرچہ جات میں ان تفصیلی مضامین...

کی کتب سے ایسے کتابوں کے رُداۃ کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ حدیث مذکرہ بالا کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔ لَا یَغْلَقُ الرَّهْنُ مِنْ رَاهِنِهٖ لَهٗ غُنْمُهٗ وَعَلَیْهِ غُرْمُهٗ رَوَاہُ ابْنُ حِبَّانَ فِیْ صَحِیْحِهٖ وَالدَّارَقُطْنِیُّ وَالْحَاکِمُ وَالْبَیْهَقِیُّ مِنْ طَرِیْقِ زِیَادِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ مَرْفُوْعًا لَا یَغْلَقُ الرَّهْنُ مِنْ رَاهِنِهٖ لَهٗ غُنْمُهٗ وَعَلَیْهِ غُرْمُهٗ وَاَخْرَجَهٗ مِنْ طَرِیْقِ اِسْحَاقَ بْنِ رَاشِدٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ مَرْفُوْعًا وَاَخْرَجَهُ الْحَاکِمُ مِنْ طُرُقٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ مَوْصُوْلَةً اَیْضًا وَرَوَاہُ الْاَوْزَاعِیُّ وَیُوْنُسُ وَابْنُ اَبِیْ ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ سَعِیْدٍ مُرْسَلًا وَرَوَاہُ الشَّافِعِیُّ عَنِ ابْنِ اَبِیْ فُدَیْکٍ وَابْنِ اَبِیْ شَیْبَةَ عَنْ وَکِیْعٍ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ الثَّوْرِیِّ کُلُّهُمْ مِنْ اِبْنِ اَبِیْ ذِئْبٍ کَذٰلِکَ وَلَفْظُهٗ لَا یَغْلَقُ الرَّهْنُ مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِیْ رَهَنَهٗ لَهٗ غُنْمُهٗ وَعَلَیْهِ غُرْمُهٗ قَالَ الشَّافِعِیُّ غُنْمُهٗ زِیَادَتُهٗ وَغُرْمُهٗ هَلَاکُهٗ وَصَحَّحَ اَبُوْدَاؤدَ وَالْبَزَّارُ وَالدَّارَقُطْنِیُّ وَابْنُ الْقَطَّانِ اِرْسَالَهٗ وَلَهٗ طُرُقٌ فِی الدَّارَقُطْنِیِّ وَالْبَیْهَقِیِّ کُلُّهَا ضَعِیْفَةٌ وَصَحَّحَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ وَعَبْدُ الْحَقِّ وَصْلَهٗ۔

(تلخیص الحبیر ص ۲۳۶)

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ ابن حزم ایک روایت اور نقل فرمائی ہے جو یہ ہے

رَوٰی ابْنُ حَزْمٍ مِنْ طَرِیْقِ قَاسِمِ بْنِ اَصْبَغَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ نَا یَحْیَی بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ الْاَنْطَاکِیُّ وَغَیْرُهٗ مِنْ اَهْلِ الثِّقَةِ نَا نَصْرُ بْنُ عَاصِمِ الْاَنْطَاکِیُّ نَا شَبَابَةُ عَنْ وَرْقَاءَ عَنِ ابْنِ اَبِیْ ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ سَعِیْدِ ابْنِ الْمُسَیَّبِ وَاَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَغْلَقُ الرَّهْنُ الخ قَالَ ابْنُ حَزْمٍ هٰذَا اِسْنَادٌ حَسَنٌ قُلْتُ اَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِیُّ مِنْ طَرِیْقِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نَصْرِ الْاَصَمِّ الْاَنْطَاکِیِّ عَنْ شَبَابَةَ بِهٖ وَصَحَّحَهَا عَبْدُ الْحَقِّ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نَصْرِ بْنِ عَاصِمٍ تَصْحِیْفٌ وَاِنَّمَا هُوَ عَبْدُ بْنُ نَصْرِ الْاَصَمِّ سَقَطَ عَبْدُ اللّٰهِ وَصَارَ الْاَصَمُّ الْعَاصِمُ (تلخیص الحبیر ص ۲۳۶)

غرض اس روایت کا مدار حضرت ابوہریرۃؓ پر اور کسی صحابی سے یہ روایت معلوم نہیں ہوتی، اور اس پر محدثین کا اتفاق ہے کہ اس کے اکثر طرق ضعیف ہیں اور ساتھ ہی مرسل بھی ہے البتہ اگر اور طریقوں سے بصحت مروی ہوتی اور اس کے خلاف کوئی اصح روایت نہ ہوتی تو ضرور قابل عمل ہو سکتی تھی لیکن اس کے مخالف صحیح روایت موجود ہے:۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ اَلظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهٖ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهٖ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَعَلَى الَّذِي يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ

(نیل الاوطار ص۱۳۲ بحوالہ ترمذی۔ ابن ماجۃ۔ ابوداؤد)

پہلا مذہب امام ابوحنیفہ۔ امام شافعی رضی اللہ عنہم کا ہے اور دوسرا مذہب امام احمد رضی اللہ عنہ کا ہے امام احمد کے موافق ایک اور حدیث بھی ہے:۔ إِذَا كَانَتِ الدَّابَّةُ مَرْهُوْنَةً فَعَلَى الْمُرْتَهِنِ عَلَفُهَا وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ وَعَلَى الَّذِي يَشْرَبُ نَفَقَتُهُ رواہ احمد اس روایت کے متعلق علامہ شوکانی فرماتے ہیں۔ اَلْحَدِيْثُ لَهٗ أَلْفَاظٌ مِنْهَا مَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ وَمِنْهَا لَفْظُ الرَّهْنِ مَرْكُوْبٌ وَمَحْلُوْبٌ رواہ الدارقطنی والحاکم وصححہ من طریق الاعمش عن أبي صالح عن أبي هريرة مرفوعا قال الحاكم لم يخرجاه لأن سفيان وغيره وقفوه على الاعمش وقد ذكر الدارقطني الاختلاف فيه على الاعمش وغيره ورجح الموقوف وبه جزم الترمذي وقال ابن أبي حاتم قال أبي رفعه يعني أبا معاوية مرة ثم ترك الرفع بعد ورجح البيهقي أيضا الوقف نيل الاوطار ص۱۳۳۔ غرض اس پر اتفاق ہے کہ جس میں لفظ مرتہن کی زیادتی ہے وہ روایت موقوف ہے مرفوع نہیں علامہ شوکانی نے اس قول کی تائید میں ایک حوالہ حماد بن سلمہ کی روایت کا اور دیا ہے۔ وَيُؤَيِّدُهٗ مَا وَقَعَ عِنْدَ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ فِي جَامِعِهٖ إِذَا ارْتَهَنَ شَاةً يَشْرَبُ الْمُرْتَهِنُ مِنْ لَبَنِهَا بِقَدْرِ عَلَفِهَا فَإِنِ اسْتَفْضَلَ مِنَ اللَّبَنِ بَعْدَ ثَمَنِ الْعَلَفِ فَهُوَ رِبًا فَفِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّهٗ يَجُوْزُ لِلْمُرْتَهِنِ الْاِنْتِفَاعُ بِالرَّهْنِ (نیل الاوطار ص۱۳۳)

لیکن اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرتہن بقدر مصارف نفع اٹھا سکتا ہے مگر یہ روایت حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ وعلامہ شوکانی رحمہ اللہ نے استشہاداً پیش کی ہے اور

اس میں کہیں لفظ مرفوعاً نہیں قطع النظر اس کے علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حماد بن سلمہ سے امام بخاری نے احتراز کیا ہے، اور امام مسلم نے بطور شواہد ان کی روایت لی ہے، حافظ صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ، تُرْكَبُ إِنَّمَا لَهُ بِقَدْرِ عَلَفِهَا وَتُحْلَبُ بِقَدْرِ عَلَفِهَا وَهٰذِهِ الْأَثَرُ وَصَلَهُ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ هُشَيْمٍ عَنْ مُغِيرَةَ بِهِ (یعنی جیسا کہ امام بخاری نے فرمایا وَقَالَ مُغِيرَةُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ، تو مغیرہ تک سعید بن منصور نے وصل کیا ہے اور اسی روایت کی حماد بن سلمہ نے توضیح کی ہے حافظ صاحب علیہ الرحمۃ اس حدیث اَلظَّهْرُ يُرْكَبُ کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔ وَفِيهِ حُجَّةٌ لِمَنْ قَالَ يَجُوزُ لِلْمُرْتَهِنِ الْاِنْتِفَاعُ بِالرَّهْنِ إِذَا قَامَ بِمَصْلَحَتِهِ وَلَوْ لَمْ يَأْذَنْ بِهِ الْمَالِكُ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ وَطَائِفَةٍ قَالُوا يَنْتَفِعُ الْمُرْتَهِنُ مِنَ الرَّهْنِ بِالرُّكُوبِ وَالْحَلَبِ بِقَدْرِ النَّفَقَةِ وَلَا يَنْتَفِعُ بِغَيْرِهِمَا لِمَفْهُومِ (فتح الباری ص۱۰۱) اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ شارع علیہ السلام نے کسی صحیح روایت میں انتفاع کو محدود نہیں فرمایا۔ اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے علاوہ سواری اور دودھ کے جانوروں کے انتفاع کو ناجائز قرار دیا ہو بلکہ یہ حکم عام ہے، اور مرتہن کو اختیار ہے کہ وہ جس قدر چاہے، اس سے نفع اٹھائے اور ہر شئے مرہونہ سے وہ متمتع ہو سکتا ہے علامہ وقت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر نئی روشنی ڈالی ہے فرماتے ہیں، میرے نزدیک ان دونوں حدیثوں میں اختلاف نہیں ہے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ پہلی حدیث میں حکم عام ہے، مگر جس وقت راہن کو شئے مرہونہ کے تلف یا ہلاک کا خوف ہو اور مرتہن اس کا خرچ اٹھائے تو ایسی صورت میں لوگ جس قدر انصاف کر دیں اس شئے سے مرتہن نفع اٹھا سکتا ہے گو حضرت شاہ صاحب نے دونوں روایتوں میں تطبیق دینے کی کوشش فرمائی ہے، مگر پھر بھی اعتراض متذکرہ بالا کا جواب نہیں ہو سکتا، چنانچہ علامہ ابن قیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں،

المثال الرابع والسبعون رد السنة الثابتة الصحيحة بجواز ركوب المرتهن الدابة المرهونة وشربه لبنها بنفقته عليها كما روى البخاري في صحيحه ثنا محمد بن مقاتل انا عبد الله انا زكريا عن الشعبي عن ابي هريرة قال قال رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم الرهن يركب بنفقته اذا كان مرهونا ولبن الدر يشرب بنفقته ولهذا الحكم من احسن الاحكام واعدلها ولا اصلح للراهن منه وماعدا لا ففائدته ظاهر فان الراهن قد يغيب ويتعذر على المرتهن مطالبته بالنفقة التي تحفظ الرهن ويشق عليه او يتعذر رفعه الى الحاكم واثبات الرهن واثبات غيبة الراهن واثبات ان قدر نفقته عليه هي قدر حلبه وركوبه وطلبه منه الحاكم له بذلك وفي هذا من العسر والحرج والمشقة ما ينافي الحنيفية السمحة فشرع الشارع الحكيم القيم بمصالح العباد للمرتهن ان يشرب لبن الرهن ويركب ظهره وعليه نفقته وهذا محض القياس وهو يخرج على اصلين احدهما انه اذا انفق على الرهن صارت النفقة دينا على الراهن لانه واجب الاداء عليه ويتعسر عليه الاشهاد على ذلك كل وقت واستيذان الحاكم فجوز له الشارع استيفاء دينه من ظهر الرهن ودره (اعلام الموقعين ص ج ۲)

علامہ موصوف نے اس بحث کو نہایت وضاحت سے تحریر فرما دیا، تحریر بالا سے تین مذہب معلوم ہوتے ہیں۔ ایک مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا کہ انتفاع ناجائز ہے ایک مذہب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا کہ شئے مرہونہ پر جتنا خرچ کیا ہو اسی قدر انتفاع جائز ہے، تیسرا مذہب جو ظاہر حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ انتفاع شئے مرہونہ سے جائز ہے اور اس میں یہ شرط فضول ہے کہ جس قدر خرچ کرے اتنا ہی لے کیونکہ انتفاع کے معنی نفع حاصل کرنا ہے، جب مرتہن نے اس پر صرف کیا۔ تو اول تو اس کو اس کا حساب کتاب کرنا دشوار ہے دوسرے وہ اس کی حفاظت بھی کرے گا۔ تیسرے اگر وہ اسی قدر شئی مرہونہ سے وصول کرے جس قدر اس نے صرف کیا ہے تو یہ انتفاع کہاں ہوا، یہ خواہ مخواہ کی دردسری ہے، پس بقول امام ابن قیم وحضرت سید اسمٰعیل امیر یمانی وغیرہ علیہ الرحمۃ شئے مرہونہ سے نفع اٹھانا جائز ہے اور جب ان دو کا ثبوت بروائیت صحیح ثابت ہے تو اور چیزوں کا بھی اسی پر کر لینا چاہیئے۔ ناچیز کی تحقیق اس مسئلہ میں یہ ہے اور علماء اس پر روشنی ڈالیں گے ممکن کہ انشاء اللہ مفصل اس مسئلہ پر لکھنے کی مجھے ضرورت ہو۔

صلی اللہ علی محمد و آلہ وسلم ۔ (از قلم، حضرت مولانا خالد صاحب التصانیف الجدیدۃ)

(اندرون التوارہ بھوپال ۲۹ / ربیع الاول ۱۳۳۶ھ)

(فتاوی ثنائیہ جلد ۲ ص ۴۲ ص ۴۳)

فائدہ مرہون:۔ چیز مرہون سے فائدہ لینا مرتہن کو جائز نہیں کیونکہ یہ سود ہے، اور مسلمان بھائی کا مال حرام وجہ سے کھانا ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بِالْبَاطِلِ. وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ. وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ دِمَائَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ حرام علیکم کحرمة یومکم هذا وبلدکم هذا وشهرکم هذا متفق علیه۔
اگر مرتہن کھیتی کرے یا مکان کرایہ پر دلوے۔ یا حیوان کو کھلائے۔ تو جو کچھ خرچ کرے اس کی آمدنی سے اتنا لے اور باقی اس کے پاس امانت ہے یا تو رہن کے قرض میں شمار کرے، جب اس کا قرض پورا ہو جائے تو مرہون کو واپس کر دے یا وہ باقی فائدہ راہن کو دے دلوے اس کا کھانا مرتہن کو جائز نہیں۔ اس واسطے کہ وہ حرام اور سود ہے صحیح بخاری میں ہے:۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظهر یرکب بنفقته اذا کان مرهونا ولبن الدر یشرب بنفقته اذا کان مرهونا وعلی الذی یرکب ویشرب النفقة۔

اسی حدیث سے معلوم ہوا کہ جتنا خرچ کرے اسی قدر سواری کرے، اور دودھ پئے۔ اس حدیث کے یہی معنی صحیح بخاری میں ہیں:۔ قال المغیرة عن ابراهیم ترکب الضالة بقدر علفها وتحلب بقدر علفها والرهن مثله. اور مجمع البحار میں ہے، الظهر یرکب بنفقته ای الدابة وظاهره ان المرهون لا یعطل منافعه ینتفع بها بالنفقة لکن مذهب احمد واسحاق قال ینتفع بحلب ورکوب دون غیرهما الذاهبین الی ان نفعه ونفقته للراهن وعلیه بان الباء بنفقته للعیت فلا یمنع الرهن الراهن من الانتفاع بالمرهون

ولا یسقط عنہ الانفاق انتہیٰ اور فتح الباری میں بھی اسی طرح ہے بتفصیل تام مطول کے دیکھنے والے متقی پرہیزگار کو اس سے خوب شفا رہوجاتی ہے اور صحیح بخاری میں ہے، عن سعید بن ابی بردۃ عن ابیہ قال اتیت المدینۃ فلقیت عبداللہ بن سلام فقال الا تجیئنی فاطعمک سویقا و تمرا فتدخل فی بیت ثم قال انک بارض الربا بھا فاش اذا کان لک علی رجل حق فاھدی الیک حمل تبن حمل شعیر او حمل قت فلا تاخذہ فانہ ربا انتہیٰ۔ (جلد ۲ ص ۵۳۶)

اور ابن ماجہ میں ہے، عن یحیی بن ابی اسحاق الھنائی قال سألت انس الرحمن منا یقرض اخاہ المال فیھدی لہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرض احدکم قرضا فاھدی لہ او حملہ علی الدابۃ فلا یرکبھا ولا یقبل الا ان یکون جری بینہ و بینہ قبل ذالک۔ ان سب سے معلوم ہوا کہ جو کچھ خرچ کرنے کے بعد بچے وہ راہن کو دلوے یا اس کے قرض میں حساب کرے خواہ مکان مرہون ہو یا زمین یا باغ یا حیوان۔ اگر راہن خود خرچ کرے تو مرتہن کو کوئی چیز لینی جائز نہیں نہ دودھ پینا نہ سواری کرنا نہ مکان کے کرایہ کی آمدنی سے لینا اور نہ زمین کی زراعت اور باغ کے پھل سے لینا جائز ہے اس واسطے کہ یہ حرام ہے اور سود ہے واللہ اعلم

عبدالرحمٰن عفی عنہ مدرس مدرسہ حاجی علی جان مرحوم دہلی ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۳۹ھ

تعاقب:۔ انتفاع بالمرہون کے بارے میں جمہور ہر شئے مرہونہ میں حرمت کے قائل ہیں، اور بعض علماء ظہر اور لبن الرد میں جواز انتفاع اور اس کے ماسوا میں مثل جمہور علماء حرمت کے قائل ہیں۔

فتح الباری میں ہے مع قول احمد و اسحاق و طائفۃ قالوا ینتفع المرتھن من الرھن بالرکوب والحلب بقدر النفقۃ ولا ینتفع بغیرھما انتہیٰ ج ۵ ص ۲۵۰۔

سبل السلام میں ہے، فذھب احمد و اسحاق الی العمل بظاھر الحدیث و خصوا بذالک بالرکوب والدر فقالوا ینتفع بھما بقدر قیمۃ النفقۃ

ولا یقاس ...

کے قائل ہیں اور خاص ارض مرہونہ کے بارے میں دو حدیثیں آچکی ہیں جن کا ماحاصل یہ ہے کہ بعد وضع خرچ اخراجات کے جو باقی بچے وہ قرضہ میں منسوب ہونا چاہئے۔

یہ مانا کہ ہر دو حدیث اعلیٰ طبقہ کی نہیں ہیں ادنیٰ کی ہیں لیکن بعض علماء کا قول سے تو ان کی حیثیت کم نہیں ہے، پس اہلحدیث ۲ مارچ ۱۹۲۵ء کے جواب ۱۲ میں میرے خیال میں دور اندیشی اور غور سے کام نہیں لیا گیا جو ربا جیسے نازک معاملے میں ایسا کھلم کھلا فتویٰ جواز کا دے دیا گیا ہے۔ والسلام علی خیر الختام۔ حررہ العاجز مولانا یوسف عفی عنہ

یکم مئی ۲۵ء از زیرہ ضلع فیروز پور پنجاب

اراضی مرہونہ کا نفع

گذارش ہے کہ اخبار اہلحدیث مورخہ ۲ مارچ ۲۵ء کے ص۱۱ کالم ۲ ایک سوال ۱۲ نظر سے گزرا جو کہ اراضی مرہونہ سے نفع اٹھانے کے متعلق تھا، آپ نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ زمین کی مال گزاری اگر مرتہن کے ذمے ہے تو زمین کی پیداوار حاصل کر سکتا ہے۔ اس پر مولوی محمد یوسف صاحب ساکن زیرہ فیروز پور نے عدم جواز کا تعاقب کیا، فرمایا ہے، جو اخبار یکم مئی ۲۵ء ص۱ پر درج ہے۔ میں اس کے متعلق تین اکابر علماء کرام کا فتویٰ پیش کرتا ہوں امید ہے کہ آپ اسے بھی شائع فرمائیں گے۔

۱۔ مولانا مولوی محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی فرماتے ہیں اراضی مرہونہ سے مرتہن کو نفع اٹھانا جائز نہیں۔ بلکہ اس سے نفع لینا راہن کا حق ہے، بموجب حدیث راہن کو رہن رکھنا نفع اٹھانے سے منع کرتا ہے لیکن اراضی مرہونہ سے مرتہن اس وقت نفع اٹھا سکتا ہے جب کہ تمام مال گذاری ادا کرے اور راہن اجازت دے عجز عن النفقة علی المرھون۔ بموجب حدیث الظہر یرکب لحدیث گھوڑا وغیرہ جانور اگر گروی ہوں تو ان کی خوراک عوض مرتہن ان پر سوار ہو سکتا ہے اور دودھ پی سکتا ہے یہ دونوں روایتیں مشکوٰۃ میں ہیں۔

ابو سعید محمد حسین ۔ مولانا محمد جونا گڑھی دہلوی ۔ مولانا ابو طاہر بہاری مدرسہ احمدیہ آرہ و

حال مدرسہ رحمانیہ دہلی (مہر) ان حضرات کی دلیل بھی یہی حدیث ہے مولوی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔ اگر اراضی مرہونہ پر کل اخراجات مرتہن خود کرے اور راہن کے ذمے حالت رہن میں کوئی خرچ نہ ہوتو اغلب مرتہن کو نفع بعوض اپنے نفقہ کے جائز ہوگا جمہور کا مذہب اس کے خلاف ہے مولوی ابو طاہر صاحب کے مختصر الفاظ یہ ہیں۔ کلام فی الانتفاع بالارض المرہونۃ اذا کان المئون علیہ من نفقۃ وغیرھا مما تدعوا علیہ الحاجۃ الخ (محمد امین از امرتسر کٹڑہ بھائی)

مدیر، مولوی محمد امین صاحب نامہ نگار ہذا نے یہ تینوں فتوے قلمی مجھے دکھائے ہیں واقعی ان تینوں صاحبوں کے دستخطی ہیں ۲۲/مئی ۲۵ء۔

فتوی بابت انتفاع از مرہونہ

جناب مولنا صاحب مہربانی کر کے بغرض فائدہ عام فتویٰ ہذا شائع فرمادیں۔

عین الدین دلب پوری

شئے مرہون کے ساتھ نفع لینے میں اجازت راہن کو کچھ دخل نہیں۔ بلکہ سود ہے مگر چند اشیاء مرہونہ سے نفع لینا جائز ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظہر یرکب بنفقتہ اذا کان مرہونا ولبن الدر یشرب بنفقتہ اذا کان مرہونا رواہ البخاری وغیرہ۔ اس حدیث میں بسبب نفقہ کے مرتہن کو اشیاء مرہونہ سے فائدہ درست کہا گیا ہے، ان اشیائے مرہونہ کے ساتھ اور بھی بقیاس لاحق ہو سکتی ہے بعلت نفقہ اور کسب بھی مثل نفقہ ہے اگر زمین رہن رکھ کر خود آباد کی اپنے نفقہ و کسب میں جواز نکلتا ہے قال الشوکانی فی النیل فتکون الفوائد المنصوص علیہا فی الحدیث للمرتہن ویلحق غیرھا من الفوائد بہا بالقیاس لعدم الفارق والکسب من جملتہا فلا وجہ للفرق بینہ وبینہا فتکون کلہا للمرتہن والمئون علیہ من نفقۃ وغیرھا مما تدعو بہ الحاجۃ للمرتہن انتہی۔ اور اگر علت نفقہ وکسب اپنا نہ ... مرتہن ادا

کرے نہ راہن واللہ اعلم وعلمہ اتم حررہ احمد سلمہ الصمد مدرس مدرسہ حاجی علی جان دہلی۔

قال فی الفتح وفیہ حجۃ لمن قال بجواز للمرتھن الانتفاع بالرھن اذا قام بمصلحتہ ولو لم یأذن المالک۔ ہاں اگر مرتہن لگان اور مال گذاری اس زمین کی ادا نہ کرے۔ تو البتہ سود ہوگا واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ فقط۔

حررہ ابو طاہر البہاری عفی عنہ الباری المدرس الاول فی المدرسۃ احمدیہ الکائنا فی البلدۃ آرہ

۲۴/ محرم الحرام ۲۶ھ

مرتہن کو اشیاء مرہونہ سے فائدہ اٹھانا لاریب جائز اور درست ہے؟

اخبار اہلحدیث مورخہ ۲۶/ جولائی ۱۹۱۸ء میں کسی صاحب کی طرف سے یہ مضمون نکلا ہے، کہ اشیاء مرہونہ کے ساتھ مرتہن کو فائدہ اٹھانا درست ہے یا نہیں۔

جواباً گذارش ہے کہ جائز و درست ہے، اخرج البخاری بلفظ الظھر یرکب بنفقتہ اذا کان مرھونا ولبن الدر یشرب بنفقتہ اخرجہ ابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ مرفوعا وابوداؤد عنہ لبن الدر یحلب بنفقتہ اذا کان مرھونا والظھر یرکب بنفقتہ اذا کان مرھونا وعلی الذی یحلب ویرکب النفقۃ قال ابوداؤد وھو عندنا صحیح انتہی۔ واخرج الترمذی عنہ مرفوعا الظھر یرکب اذا کان مرھونا ولبن الدر یشرب اذا کان مرھونا وعلی الذی یرکب وعلی یرکب ویشرب نفقتہ قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح واخرج الحاکم والدارقطنی من حدیث ابی ھریرۃ مرفوعا الرھن مرکوب ومحلوب۔ خلاصہ ان تمام روایات کا یہ ہے کہ اشیاء مرہونہ سے فائدہ جائز ہے مگر بعض عالم یرکب ویشرب کا فاعل راہن کو بتاتے ہیں، اور بعض مرتہن کو فریق ثانی کا قول حق ہے، اس لئے کہ بعض روایت میں لفظ مرتہن آچکا ہے چنانچہ وہ روایت یہ ہے: حدثنا احمد بن داؤد حدثنا اسمعیل بن ابراھیم الصائغ حدثنا

لہ حضرت شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی ثم الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ یکے از مشاہیر واکابر اہلحدیث منذ کثر اللہ سواد ہم (سعیدی)

هشیم عن زکریا عن الشعبی عن ابی هریرۃ مرفوعاً اذا کانت الدابۃ مرھونۃ فعلی المرتھن علفھا ولبن الدر یشرب وعلی الذی یشرب نفقتھا۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ مرتہن ہی یرکب ویشرب کا فاعل ہے، باقی جو احادیث اس کے مخالف ہیں اول تو وہ ضعیف ہیں، ثانیاً وہ اس کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ان احادیث میں مرتہن کو اشیاء مرہونہ کے ساتھ اور کسی قسم کی شرط جو جر منفعت میں ہو اس سے روکا گیا، جیسا کہ صاحب سبل اسلام وغیرہ نے کہا ہے صاحب علام الموقعین نے اس بحث کو بسط کے ساتھ لکھا ہے۔ عبدالستار کلانوری نزیل دہلی ۸/ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص۱۶۱ و ص۱۶۲)

گروی سے نفع اٹھانے کے عدم جواز پر نئی دلیل۔

اس حدیث سے گروی شئی سے فائدہ اٹھانا بھی ناجائز ثابت ہوا، کیونکہ جب بیع میں صرف ایک شرط ہونے کی صورت میں فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے تو گروی جس میں شئی بالکل مالک کی رہتی ہے اس سے فائدہ اٹھانا کس طرح جائز ہو گا اور بیع اس کو نہیں بنا سکتے کیونکہ فریقین اس کو بیع نہیں بتاتے برخلاف سوال کی صورت کے کہ فریقین نے اس کو بیع بنایا اور بیع میں لکھایا اس لئے سوال کی صورت کو ہر وجہ گروی کا حکم دے سکتے اور مروجہ گروی کا حکم گروی ہی کا رہے گا، اور اس سے فائدہ اٹھانا سود کے حکم میں ہو گا۔

(عبداللہ امرتسری ۱۲/فروری ۱۹۶۰ء) (فتاویٰ اہلحدیث ص۳۲)

باپ کی فی سبیل اللہ دی ہوئی زمین کو بیٹے کا خریدنا

سوال:۔ ایک آدمی نے کسی کو زمین فی سبیل اللہ دی ہے اب جس کے پاس زمین ہے وہ فروخت کرنا چاہتا ہے، جس نے زمین دی ہے اب اسی کا ایک لڑکا خریدنا چاہتا ہے کیا شریعت میں اس کو زمین خریدنی جائز ہے؟

جواب:۔ کوئی شخص فی سبیل اللہ دے کر خرید نہیں سکتا رسول اللہ نے حضرت عمرؓ کو منع فرمایا تھا، ہاں اولاد کیلئے کوئی نص ... امرتسری ... (فتاویٰ اہلحدیث ص۳۲)

فتاویٰ علمائے حدیث
جلد ۱ کتاب الطہارت ۔۔۔۔ ۲۱/- روپے
" ۲ کتاب الصلوٰۃ ۔۔۔۔ ۲۱/- "
" ۳ کتاب " " ۔۔۔۔ ۲۱/- "
" ۴ کتاب " ۔۔۔۔ ۲۱/- "
" ۵ کتاب الجنائز ۔۔۔۔ ۲۶/- "
" ۶ کتاب الصیام ۔۔۔۔ ۵۱/ "
" ۷ کتاب الزکوٰۃ ۔۔۔۔ ۳۱/- "
" ۸ کتاب الحج ۔۔۔۔ ۲۱/- "
" ۹ کتاب الایمان ۔۔۔۔ ۲۶/- "
" ۱۰ " " " ۔۔۔۔ ۲۶/- "
" ۱۱ کتاب الاعتصام بالسنۃ واجتناب عن البدعۃ ۲۶/- "
" ۱۲ کتاب العلم ۔۔۔۔ ۳۶/- "
" ۱۳ کتاب الضحایا والعقیقہ ۔۔۔۔ ۳۶/- "
" ۱۴ کتاب البیوع ۴۰/- "
میزان ۴۸۳/-
برہان العجاب ۔۔۔۔ ۶۰/- روپے
حج نبوی ۵/- روپے ، اسلامی شکل وصورت ۶/- روپے
نمازِ محمدی ۲/- روپے ، برقِ اسلام زیرِ طبع